سلسلہ تشریح مناجاتِ مقبول

# قرآنی دعاؤں کی تشریح

حصہ دوم



مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)

بسم الله الرحمن الرحيم

# قرآنی دعاؤں کی تشریح

جلد دوم



## مفتی محمد تقی عثمانی

نظر ثانی و تخریج
مولانا عنایت الرحمٰن

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔


باہتمام

ڈاکٹر مفتی محمد حسان اشرف عثمانی

طبع جدید : محرم الحرام ۱۴۴۵ھ - جولائی ۲۰۲۴ء

ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی

فون : 92-21-35123130
35031565
0312-2592838

ای میل : info@mmqpk.com
mm.q@live.com

ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان - 75180





ملنے کے پتے

- مکتبہ دار العلوم، کراچی
- دار الاشاعت، کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- مکتبۃ القرآن، کراچی
- بیت الکتب، کراچی
- ادارۂ اسلامیات، کراچی / لاہور
- مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- فخر الدین کانچ والا، کراچی
- مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- مکتبہ بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- الفلاح پبلیشرز، لاہور
- اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
- اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی
- مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی
- مسٹر بکس، اسلام آباد
- دار السلام، اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- دار الاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ عباسیہ، تیمر گرہ
- مکتبہ احرار، مردان
- قرآن مجید محل، مردان

# اجمالی فہرست

# دعا نمبر ۲۵ حصہ اوّل

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دعا نمبر ۲۵ حصہ اوّل

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اب تک جو دعائیں آئی ہیں، ان میں سے اکثر دعائیں ایسی تھیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو سکھایا تھا کہ تم ہم سے یوں مانگو، ان الفاظ سے مانگو۔ یہ دعا مانگو۔ اب آگے جو دعائیں آرہی ہیں، ان میں بیشتر وہ دعائیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو پسندیدگی کا سرٹیفکیٹ دیا کہ میرے نیک بندے یہ دعا کرتے ہیں اور ان بندوں کی تعریف فرمائی۔ مناجاتِ مقبول میں آگے دعا یہ ہے کہ:

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ [(۱)]

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۹)

''اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں میں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں۔''

## ان کا مقابلہ اچھائی کے ساتھ کرو

یہ دعا جس رکوع میں ہے، وہ پورا رکوع پڑھ دیتا ہوں، اس لیے کہ یہ پورا رکوع ہی بڑا سبق آموز ہے۔ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا کہ وہ دعا جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سکھائی گئی، یعنی

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ [1]

یہ دراصل کفار و مشرکین کی بے ہودگیوں کے جواب میں ہے۔ وہ لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر کبھی کوئی الزام لگاتے، کبھی ساحر کہتے، کبھی مجنون کہتے، کبھی کوئی تکلیف پہنچاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ [2]

یہ کفار و مشرکین آپ کے ساتھ جو برائی کر رہے ہیں اس کا مقابلہ اچھائی کے ساتھ کرو اور برائی کا دفعیہ ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو اور یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں، ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ لہٰذا آپ برائی کا بدلہ اچھائی سے

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۹۷، ۹۸)

(۲) سورۃ المؤمنون: آیت (۹۶)

دیتے رہیئے اور یہ دعا مانگتے رہیئے کہ "رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ، وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ" اے میرے پروردگار! میں شیطان کے چرخوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار! ان کے میرے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں، جب تم یہ دعا کرو گے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

## مجھے دنیا میں واپس بھیج دو

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ○ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ [1]

یعنی جو لوگ اس وقت آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور آپ کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ آپ کو اذیت دے رہے ہیں لیکن جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے واپس دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ میں جس دنیا کو چھوڑ کر آیا ہوں، اس میں واپس جاکر نیک عمل کروں۔ یعنی جب وہاں جاکر اس کو پتہ چلے گا کہ میں نے اپنی ساری زندگی برباد کردی۔ اس لیے وہ یہ کہے گا کہ مجھے ایک مرتبہ پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ میں وہاں جاکر نیک عمل کروں۔

## اللہ تعالیٰ کا ان کو جواب

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۰-۹۹)

كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

دوسری جگہ قرآنِ کریم نے فرمایا کہ یہاں تو یہ کہہ رہا ہے کہ اگر دوبارہ مجھے دنیا کے اندر بھیج دیا جائے تو میں نیک ہوجاؤں گا۔ لیکن اگر ہم اس کو واپس دنیا میں بھیج دیں گے تو یہ پھر وہی کرے گا جو پہلے اس نے دنیا میں کیا تھا۔ لہٰذا یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں یہ ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے نکال رہا ہے۔

اور ان مرنے والوں کے سامنے عالمِ برزخ کی آڑ ہے۔ یعنی جب یہ لوگ دنیا سے جائیں گے تو اس وقت ایک دم سے قیامت نہیں آجائے گی اور ایک دم سے حشر کا میدان نہیں آجائے گا، بلکہ درمیان میں ایک وقفہ اور آڑ ہے، جس کو "عالمِ برزخ" کہا جاتا ہے۔ اور یہ آڑ اس وقت تک قائم رہے گی جب تک دوبارہ ان کو زندہ کرکے اٹھایا جائے۔

## اس دن رشتے ناطے ختم ہوجائیں گے

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ (۱)

پھر جب قیامت کا دن آئے گا اور صور پھونکا جائے گا تو اس وقت ان پر ایسی ہیبت اور خوف طاری ہوگا کہ ان کے درمیان جو باہمی رشتے ناطے تھے وہ

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۱)

بھی باقی نہیں رہیں گے، یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہیں کرے گا، جیسے اجنبی ہوتے ہیں، ویسے بن جائیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا کہ بھائی! تم کس حالت میں ہو۔ غرض نہ رشتہ ناطہ کام آئے گا، نہ دوستی کام آئے گی۔ اس دن تو وہ حالت ہوگی، جس کا نقشہ قرآنِ کریم نے دوسری جگہ کھینچا ہے کہ:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ،(۱)

یعنی اس دن انسان اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔

ماں اور باپ کہیں گے کہ میری کچھ مدد کردو تو وہ بھاگ جائے گا اور کہے گا کہ میں تو اپنی جان بچانے کی فکر میں ہوں، لہٰذا اس دن کوئی رشتے باقی نہیں رہیں گے، ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی، "نَفْسِیْ نَفْسِیْ" کا عالم ہوگا اور ہر ایک یہ چاہ رہا ہے گا کہ میں کسی طرح جہنم سے بچ جاؤں۔

## میدانِ حشر کا عالم

یہاں دنیا میں جب ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے تو سلام کے بعد سب سے پہلا جملہ یہ ہوتا ہے کہ "آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ خیریت ہے؟ لیکن وہاں کوئی خیریت بھی نہیں پوچھے گا، کیوں؟ اس لیے کہ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ کہ میں کسی طرح بچ جاؤں؟ اس عذاب سے نکل جاؤں۔"

---

(۱) سورۃ عبس: آیت (۳۴ تا ۳۶)

## جس کا پلہ بھاری وہ کامیاب

آگے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۱)

لہٰذا جن کے پلڑے بھاری نکلیں گے یعنی نیک اعمال کی کثرت کی وجہ سے ان کے پلڑے بھاری ہوں گے تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ (۲)

اور جس شخص کا اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا، یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لئے گھاٹے کا سودا کیا تھا اور وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ (۳)

جہنم کی آگ ان کے چہروں کو جھلس ڈالے گی اور اس میں ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔

پھر ان سے کہا جائے گا:

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۲)

(۲) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۳)

(۳) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰٤)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ (۱)

**کیا میری آیتیں پڑھ کر تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔**

ایک جھٹلانا کافروں کا ہوتا ہے۔ یعنی کافر اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یہ جھٹلانا ہوا۔ یہ تو کفر ہے۔ لیکن ایک تکذیب ''عملی'' ہوتی ہے۔ ''عملاً'' جھٹلانا ہوتا ہے۔ اب دیکھیے: قرآنِ کریم یہ بتا رہا ہے کہ ترازو قائم ہوں گے اور اس میں اعمال تولے جائیں گے اور اس کے بعد فیصلہ ہوگا، جس کے نیک اعمال کم ہوں گے تو جہنم کی آگ میں اس کا چہرہ جھلسے گا۔ قرآنِ کریم میں یہ بات پڑھ لی۔ لیکن اگر کسی آدمی سے یہ کہا جائے کہ جو کام تم کر رہے ہو، یہ جہنم میں لے جانے والا ہے، اس کے نتیجے میں تمہارا چہرہ جھلس جائے گا اور تمہاری صورت بگڑ جائے گی۔ اس نصیحت کے باوجود اس کو اپنے فعل پر نہ تو ندامت ہوتی ہے اور نہ شرمندگی ہوتی ہے اور نہ وہ اس فعل کو چھوڑتا ہے۔

## قرآنِ کریم کی عملی تکذیب

اب اگر اس شخص سے یہ پوچھو کہ بتاؤ: قرآنِ کریم برحق ہے؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ ''قرآنِ کریم برحق ہے'' لیکن جب اس کو قرآنِ کریم کا کوئی حکم سنایا جارہا ہے تو اس کا ذہن اس کا اثر قبول نہیں کرتا اور جس برے کام میں وہ لگا ہوا تھا۔ اسی میں لگا رہتا ہے، اس لیے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۵)

"فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ" یعنی تم قرآنِ کریم کی آیات کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یا تو زبان سے جھٹلاتے تھے یا اپنے عمل سے جھٹلایا کرتے تھے۔

## گناہوں پر اقدام قرآنِ کریم کی عملی تکذیب

اچھے خاصے دیندار لوگ بھی قرآنِ کریم کا یہ حکم پڑھتے اور سنتے ہیں کہ کسی کی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ لیکن اس کے پڑھنے کا اثر کیا ہوا؟ کچھ نہیں۔ بلکہ ہماری مجلسیں اسی طرح غیبت سے بھری ہوئی ہیں۔ قرآنِ کریم نے فرمایا کہ "تجسس نہ کرو"۔ "دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو"۔ "ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو" لیکن یہ حکم پڑھ کر گزر گئے۔ درحقیقت یہ بھی آیاتِ قرآنی کی عملی تکذیب ہے، اس لیے ڈرنے کا مقام ہے۔

## اگر ہم دوبارہ یہ عمل کریں تو ہم ظالم

چنانچہ جس وقت وہ لوگ آگ میں جھلس رہے ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ سے کہیں گے:

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ (1)

اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

جب سر پر آگ آپڑی اور جہنم میں جھونک دیئے گئے، چہرے بگڑ گئے،

---

(1) سورۃ المؤمنون: آیت (١٠٦)

عذاب کا سامنا ہوا، اس وقت یہ کہیں گے ہماری بدبختی ہمارے اوپر چھا گئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ پھر کہیں گے:

رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ (۱)

اے ہمارے پروردگار! میں یہاں سے نکال لیجئے، پھر اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔

یعنی اب بھی اس بات کا اقرار نہیں کر رہے کہ ہم ظالم تھے۔ بلکہ یہ کہہ رہے ہیں اگر دوبارہ واپس بھیجنے کے بعد اگر ہم یہ کام کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔

## مجھ سے بات بھی نہ کرو

جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ۝ (۲)

اسی دوزخ میں ذلیل ہوکر پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بات کرنے کا دروازہ کس طرح کھول رکھا ہے کہ جب چاہو اللہ تعالیٰ سے بات کرلو۔ دعا کرلو، چھوٹی سے چھوٹی چیز مانگ لو، کوئی قید نہیں، کوئی شرط نہیں، نہ طہارت کی شرط، مصلیٰ پر بیٹھنے کی شرط نہیں۔ قبلہ رُخ ہونے کی شرط نہیں، جس طرح چاہو اللہ تعالیٰ سے بات کرلو۔

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۷)

(۲) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۸)

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں سے باتیں کیا کرو۔ یا اللہ! میں اس مشکل میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے مجھے اس مشکل سے نکال دیجئے۔ مرتے دم تک یہاں باتیں کرنے کا موقع ملا ہوا ہے۔ جب تک نزع کی حالت طاری نہ ہوجائے۔ بندہ اپنے پروردگار سے باتیں کرسکتا ہے۔

## نیک بندوں کی تعریف

لیکن جب وہاں دوزخ میں پہنچ گئے تو اب ان سے کہا جائے گا کہ یہاں ذلیل ہو کر پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی مت کرنا۔ ان لوگوں سے تو اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے۔ پھر ان کے سامنے اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی تعریف فرمائیں گے کہ

اِنَّہٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ○ (۱)

یعنی میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی، جو یہ دعا کیا کرتی تھی کہ "رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ" یہ وہی دعا ہے جس کا ذکر چل رہا ہے یعنی وہ جماعت یہ دعا کیا کرتی تھی کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ پس ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والے سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۹)

## ''میرے بندے'' کا لفظ لائے

اس آیت میں لفظ ''عِبَادِیْ'' کتنا خوبصورت لفظ استعمال کیا کہ ''میرے بندے'' اللہ تعالیٰ جب اپنے نیک بندوں کا ذکر فرماتے ہیں تو ''عِبَادِی'' کے لفظ سے فرماتے ہیں، جیسے فرمایا: ''نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ'' اور جب اللہ تعالیٰ دشمنوں کا ذکر کرتے ہیں تو ''عِبَادِی'' کا لفظ نہیں فرماتے بلکہ ''عِبَادًا لَّنَا'' فرماتے ہیں جیسے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ:

عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ (۱)

اس آیت میں ''عِبَادًا لَّنَا'' سے بخت نصر کے لوگ مراد ہیں وہ لوگ دشمن تھے، اس لیے ''عِبَادِیْ'' نہیں فرمایا۔ بس انہوں نے ہماری طرف بندہ ہونے کی نسبت کر رکھی تھی کہ ہم بھی اللہ کے بندے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ اللہ کے بندے نہیں تھے۔ جیسے کوئی باپ کہے کہ میری اولاد، میرا بیٹا، میری بیٹی، اس میں جو اپنائیت اور پیار ہے وہ دوسری تعبیرات میں نہیں ہے۔

## تم میرے بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے

تو اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی جو یہ دعا کیا کرتی تھی کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔ اور جب میرے بندے اس طرح دعا کیا کرتے تھے تو تم نے کیا طرز اختیار کیا تھا؟ فرمایا:

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: آیت (۵)

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ (۱)

تو اس وقت تم لوگوں نے ان کا مذاق بنایا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نے تمہیں میری یاد تک سے غافل کردیا تھا۔ یعنی جو نیک لوگ تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کیے ہوئے تھے اور پروردگار سے دعائیں مانگتے تھے کہ ہم ایمان لائے ہیں، ہماری مغفرت کردیجئے۔ ہم پر رحم فرمایئے۔ تم ان نیک لوگوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ذرا ان بے وقوف مولویوں کو، داڑھی والوں کو دیکھو، پگڑی والوں کو دیکھو، یہ تنگ نظر لوگ ہیں۔ زمانہ کے حالات سے یہ بے خبر ہیں۔ زمانے کے تقاضوں کو نہیں جانتے۔ ہم ان کی برائی کرتے ہیں۔ اسلام کی برائی نہیں کرتے۔ اسلام تو برحق مذہب ہے۔

## ''اسلام'' اجنبی بن جائے گا

درحقیقت وہ لوگ اصل میں ''اسلام'' ہی کی برائی کرتے ہیں لیکن نام ان مولویوں کا لیتے ہیں۔ اور وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو ''اسلام'' کی طرف سے ڈھال بنے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ''(۲)

یعنی ''اسلام'' جس وقت ظاہر ہوا تھا اس وقت بھی اجنبی تھا۔ ''اجنبی'' ہونے

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۱۰)

(۲) صحیح مسلم، ۱ / ۳۱ (۱٤٦) و سنن الترمذی ٤ / ۳۷۱ (۲٦۲۹)

کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف جارہی تھی اور ''اسلام'' ایک دعوت دے رہا تھا اور آخر زمانے میں ''اسلام'' اسی حالت پر لوٹ آئے گا جیسے شروع ہوا تھا یعنی اجنبی ہوجائے گا۔ اور جو آدمی دین پر ثابت قدم ہوگا، لوگ اس پر انگلیاں اٹھائیں گے، لوگ اس کے اوپر عیب لگائیں گے کہ وہ آدمی ہے جس نے ساری دنیا سے الگ راستہ اپنایا ہوا ہے۔

## اجنبیوں کے لیے خوشخبری

''فَطُوبٰی لِلْغُرَبَاءِ''

پس خوشخبری ہے ان اجنبیوں کے لیے، جو ساری دنیا سے میری خاطر اجنبی ہو گئے، مجھے راضی کرنا مقصود تھا، میری خوشنودی مقصود تھی۔ اس وجہ سے یہ لوگ دوسروں کے طعنے بھی کھا رہے ہیں۔ دوسروں کی برائیاں بھی سن رہے ہیں اور دوسرے ان کا مذاق بھی اڑا رہے ہیں اور یہ لوگ یہ سب کچھ میری خاطر برداشت کر رہے ہیں تو خوشخبری ہے ان اجنبیوں کے لئے جو ان غافلوں کے سامنے اجنبی بن گئے ہیں۔ یہ سب جہنمیوں سے خطاب ہورہا ہے کہ تم مجھ سے بات بھی نہ کرنا اور ہمارے نیک بندے جو اس طرح ہم سے دعا مانگا کرتے تھے، تم نے ان کا مذاق اڑایا، یہاں تک کہ تم کو میری یاد سے غافل کردیا اور تم ان پر ہنستے رہے۔

## آج انہوں نے اپنی مراد پالی

تمہارے ان اعمال کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (۱)

آج میں نے انہی اجنبیوں کو جن کا تم دنیا میں مذاق اڑایا کرتے تھے، جن کو تم برا کہتے تھے، جن کو تم طعنے دیا کرتے تھے اور جن پر تم اعتراض کیا کرتے تھے، انہوں نے جس طرح صبر سے کام لیا تھا، آج میں نے ان کو اس صبر کا بدلہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنی مراد پالی ہے۔ یہ بھی جہنمیوں سے خطاب ہے کہ تم تو مجھ سے بات بھی نہ کرنا، اس لیے کہ تم وہ لوگ تھے جو میرے نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ تم میرے بندوں کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ تم ان پر طعنہ دیا کرتے تھے، تم ان پر ہنسی کرتے تھے، ان سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔

## ان نیک بندوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا

سورۃ مطففین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ○ (۲)

یعنی اللہ کے نیک بندے جب ان کے پاس سے گزرتے تو یہ لوگ اپنی آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارے کیا کرتے تھے کہ یہ دیکھو: یہ ''مولوی'' جا رہا ہے۔ یعنی یہ وہ شخص ہے جس کو دنیا کی کچھ خبر نہیں اور

وَاِذَا رَاَوْھُمْ قَالُوْٓا اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ○ (۳)

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۱۱)

(۲) سورۃ المطففین: آیت (۳۰)

(۳) سورۃ المطففین: آیت (۳۲)

اور یہ لوگ جب ان نیک لوگوں کو دیکھتے تو کہتے کہ دیکھو یہ کیسے گمراہ لوگ ہیں، ان کو دنیا کا کچھ خیال ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ○ (۱)

آج جب آخرت کا وزن آئے گا تو جو ایمان لائے تھے وہ ان کافروں پر ہنسیں گے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ○ (۲)

اور آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر دیکھیں گے۔

کیا دیکھیں گے؟

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (۳)

کیا کافروں کو ان کاموں کا بدلہ دے دیا گیا جو وہ کہا کرتے تھے؟

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی دو باتوں کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

اور دوسرے یہ کہ میں نے ان نیک بندوں کو جو "بدلہ" دیا ہے، وہ ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے۔ فرمایا: "اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا"

---

(۱) سورۃ المطففین: آیت (۳٤)

(۲) سورۃ المطففین: آیت (۳۵)

(۳) سورۃ المطففین: آیت (۳٦)

## اس زندگی کی تیاری کریں

بہر حال! یہ سارا مکالمہ وہ ہے جو ''اہلِ جہنم'' کے ساتھ ہوگا۔ ''اہلِ جہنم'' اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہوں گے کہ یا اللہ! ہمیں ایک مرتبہ اور موقع دے دیں۔ میں جہنم سے باہر چلا جاؤں۔ اب جا کر میں نیک بن جاؤں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائیں گے کہ: ''اب مجھ سے بات بھی نہ کرنا، جو وقت تھا وہ گزر گیا۔''

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۝
فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ۝ (۱)

کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ''نذیر'' آگاہ کرنے والا بھی آیا تھا، خبردار کرنے والا بھی آیا تھا، یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم اور وہ جو پیغمبر تھے انہوں نے تمہیں آگاہ کیا کہ ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد یہ زندگی پیش آنی ہے اور اس زندگی کے لیے تیاری کرو۔

بعض مفسرین نے ''نذیر'' کی تفسیر ''پوتے'' سے کی ہے جب کسی کا پوتا پیدا ہوجاتا ہے تو وہ ''نذیر'' ہوتا ہے۔ یعنی پوتا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ بڑے میاں تمہارا وقت قریب آگیا ہے، اب جانے کی تیاری کرو اور ہمارے لیے جگہ خالی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر اور وہاں کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) سورۃ الفاطر: آیت (۳۷)

# دعا نمبر ۲۵ حصہ دوم

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دعا ۲۵ حصہ دوم

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ''مناجاتِ مقبول'' میں قرآنِ کریم کی جو دعائیں آئی ہیں، ان کا بیان چل رہا ہے۔ گذشتہ اتوار کو اس دعا پر بیان شروع کیا تھا:

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس سیاق میں بیان فرمایا ہے کہ جب کافروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو وہ لوگ یہ کہیں گے کہ یا اللہ! ہم پر تو ہماری کمبختی غالب آگئی، ہم دنیا میں گمراہی کی زندگی بسر کرتے رہے، آپ ہمیں جہنم سے نکال کر دوبارہ دنیا میں بھیج دیں، اگر دوبارہ بھی ہم وہی حرکت کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے اور پھر آپ ہمیں جو چاہیں سزا دے دیجئے گا۔ گویا کہ یہ

کافروں کی طرف سے ایک درخواست ہوگی۔

## نیک بندوں کا مذاق اڑانے کی یہ سزا ہے

جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ○ (1)

تم دوزخ میں ذلیل ہوکر پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرنا۔

وجہ اس کی یہ بیان فرمائی کہ میرے کچھ نیک بندے ایسے تھے کہ "رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ" اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں لہٰذا ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحمت فرمایئے اور آپ بہترین رحمت کرنے والے ہیں۔ جب وہ نیک بندے دعائیں مانگتے تھے تو تم اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اس مذاق اُڑانے کے نتیجے میں تم نے اپنے اوپر غفلت طاری کرلی تھی اور اپنے انجام سے بے خبر ہوکر غفلت کی زندگی گزار رہے تھے، جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی تصور بھی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کا کوئی تصور نہیں تھا۔

## مذاق اڑانے والوں کو نظر انداز کردینا چاہیے

وہ نیک بندے جو یہ دعائیں کیا کرتے تھے، آج میں نے ان کو ان کے

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۸)

صبر کا یہ صلہ دیا ہے کہ آج وہ کامیاب ہیں، آج ان کی کامیابی کا دن ہے اور تمہاری ناکامی کا دن ہے۔ لہٰذا تم اس طرح جہنم میں پڑے رہو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی نیک بندے کا مذاق اڑائے یا اس کو برا بھلا کہے تو بجائے اس کے کہ انسان اس کی جواب دہی کی فکر کرے اور اس کا ترکی بہ ترکی جواب دے، بلکہ ان کے اس مذاق کو نظر انداز کر دے۔ اور انہوں نے یہ سوچا کہ یہ لوگ کچھ بھی کہتے رہیں، ہمیں اس کی کچھ پرواہ نہیں اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ لیا۔ اور دعا کی یا اللہ! ہم تو ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا آپ ہماری مغفرت فرمائیے اور ہم پر رحم فرمائیے اور آپ بہترین رحم کرنے والے ہیں۔

## دین کی خاطر ہر چیز برداشت کی جائے

پہلا سبق تو اس دعا میں یہ دیا گیا جو لوگ دین پر چلنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں یا ان کو برا سمجھتے ہیں یا ان کو مجنون سمجھتے ہیں، رجعت پسند اور دقیانوس سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جواب یہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ مناظرے میں الجھ جاؤ یا ان سے بحث شروع کر دو۔ بلکہ اپنا تعلق اپنے پروردگار سے قائم کرو اور یہ کہو: ''رَبَّنَآ اٰمَنَّا'' یا اللہ! یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں، کہتے رہیں ہم تو آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جو بات پسند ہے وہ یہ کہ انسان دین کی خاطر طعنے سہے۔ دین کی خاطر اس کا مذاق بھی اڑایا جائے، دین کی خاطر اس کو برا بھلا بھی کہا جائے، دین کی خاطر اس کو مجنون اور پاگل بھی کہا جائے لیکن اس شخص پر ان چیزوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔ وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ''اٰمَنَّا'' ہم تو ایمان لے آئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کر رہے ہیں

کہ ''فَاغْفِرْ لَنَا'' ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے۔ یعنی یہ بات تو طے ہے کہ ہم ایمان ضرور لے آئے ہیں، لیکن ایمان لانے کے بعد آپ کی عبادت کا جو حق ہے، وہ ہم ادا نہیں کر سکتے۔ نہ کیا ہے اور نہ کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ٹوٹی پھوٹی عبادت بن پڑ رہی ہے وہ آپ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں، لہٰذا آپ ہماری مغفرت فرما دیجئے۔

## اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے رہو

ایک طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا کہ انسان اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہے اور دیکھو! ایک ہوتی ہے ''معافی'' مثلاً ایک شخص نے غلطی کی یا گناہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا یا مثلاً کسی بندے کا حق ضائع کیا، اس بندے نے معاف کر دیا۔ اس کو ''معافی'' کہتے ہیں۔ ''مغفرت'' کا لفظ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتے ہوئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا... اِغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا'' جگہ جگہ پر قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے ''مغفرت'' کا لفظ آیا ہے۔ اگر انسان سے معافی مانگی جائے تو اس کو ''استغفار'' نہیں کہتے، اگر کسی انسان کا حق تلف کر دیا اور وہ اس کی معافی مانگ رہا ہو تو یہ نہیں کہتے کہ یہ اس سے ''استغفار'' کرے بلکہ اس کو کہتے ہیں کہ ''معافی'' مانگے۔

## ''مغفرت'' اور ''معافی'' کے معنیٰ

اس لئے کہ ''استغفار'' صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ہوسکتا ہے، اس لیے کہ

''مغفرت'' کے معنیٰ ہیں ''چھپا دینا'' یعنی اے اللہ! ہمارے گناہوں کو چھپا دے، چنانچہ معافی کی دعا الگ سے مانگی جاتی ہے، جیسے ''وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا'' پہلے معافی کی دعا کہ یا اللہ! معاف کردیجئے، ''معاف'' کرنے کے معنیٰ ہیں۔ ''ترکِ انتقام'' یعنی ہمارے اس عمل کا کوئی بدلہ نہ دیجئے گا، کوئی انتقام نہ لیجئے گا۔ ''عفو'' اور ''معافی'' کا صرف اتنا مطلب ہوتا ہے۔

## معاف کردینے سے دل کا صاف ہونا ضروری نہیں

بسا اوقات ایک شخص نے دوسرے کا حق تلف کیا۔ مثلاً اس کو برا بھلا کہا۔ بعد میں خیال آیا کہ میں نے اس کا حق تلف کیا ہے۔ میں اس سے معافی مانگ لوں چنانچہ وہ اس سے معافی مانگتا ہے اور دوسرا شخص اس کو معاف کردیتا ہے۔ لیکن معاف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ساتھ دل بھی کھل جائے اور دل میں کدورت باقی نہ رہے کیونکہ دل کا کھلنا اور کدورت کا دور ہونا اپنے اختیار میں نہیں۔ دیکھئے جب ہم کسی بڑے سے معافی مانگتے ہیں کہ میں نے آپ کی حق تلفی کی ہے، آپ مجھے معاف کردیجئے۔ اگر وہ بڑا معاف کردے تو ''معاف کردینے کے معنیٰ ہیں۔ ''ترکِ انتقام'' کہ میں نے تمہیں معاف کردیا۔ یعنی تم سے اس عمل کا کوئی بدلہ نہیں لوں گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ لیکن اس کی نافرمانی اور بدتمیزی سے دل پر چوٹ تو لگی، تو دل پر اس کا زخم تو رہے گا۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ معاف کرنے کے بعد اس کے ساتھ وہی بشاشت واپس آجائے جو پہلے تھی اور پہلے کی طرح خوش طبعی کے ساتھ اس سے ملے۔

## ''معاف'' کرنے کا مطلب ہے ''انتقام نہ لینا''

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی شخص معافی مانگتا تو فرماتے کہ میں نے معاف کردیا لیکن معافی کے معنیٰ یہ ہیں کہ انتقام نہیں لوں گا۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ لیکن جہاں تک دل کے کھِل جانے کا تعلق ہے کہ دل میں کوئی کدورت باقی نہ رہے۔ اس کا دارومدار آپ کے آئندہ کے رویہ پر ہوگا۔ یعنی آئندہ آپ کا رویہ اگر درست رہا تو طبیعت بھی کھِل جائے گی اور بشاشت بھی واپس آجائے گی اور کدورت بھی ختم ہوجائے گی، لیکن اگر فرض کرو کہ آپ کے رویہ میں تو کوئی تبدیلی آئی نہیں، تو پھر اتنا تو ہوگا کہ دنیا اور آخرت میں مَیں آپ کا گریبان نہیں پکڑوں گا۔ کوئی بدلہ نہیں لوں گا۔ لیکن ''طبیعت'' کا کھِل جانا معافی کا لازمی حصہ نہیں۔

## اللہ تعالیٰ سے ''معافی'' اور ''مغفرت'' دونوں مانگو

اس طرح جب ہم اللہ تعالیٰ سے ''معافی'' مانگتے ہیں تو ''معافی'' کا جو مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اے اللہ! آخرت میں ہم سے اس کا بدلہ نہ لیجیے گا۔ مثلاً ہم سے جو گناہ ہوا ہے اس گناہ کی سزا آخرت میں ہمیں نہ دیجیے گا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو معاف کردیا تو سزا دور ہوگئی۔ لیکن بندے کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی مانگے کہ:

وَاغْفِرْ لَنَا

اے اللہ! نہ صرف یہ کہ آپ ہمیں معاف کردیجیے، بلکہ ہمارے اس گناہ کو

چھپا بھی دیجئے اور چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ نہ تو ہمارے نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہوں یعنی نامۂ اعمال میں یہ نہ ہو کہ ''فلاں بندے نے یہ گناہ کیا تھا، ہم نے معاف کردیا'' جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اس بندے نے گناہ تو کیا تھا لیکن معافی مانگ لی تھی'' اگر نامۂ اعمال میں یہ لکھا ہوا ہوگا تو کم از کم اس سے دل میں ایک شرمندگی تو ہوگی کہ میں نے یہ گناہ کیا تھا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے معاف کردیا۔

## اللہ تعالیٰ کی ''غفّاری'' کا مطلب

لیکن ''اِغْفِرْلَنَا'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ ''نامۂ اعمال'' سے مٹا ہی دیجئے۔ نامۂ اعمال میں وہ گناہ باقی نہ رہے اور سامنے ہی نہ آئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ''غفّاری'' نے اس گناہ کو چھپا دیا اور جب چھپا دیا تو وہ گناہ ایسا ہوگیا، جیسے وہ تھا ہی نہیں اور جب چھپا دیا تو گویا کہ وہ کدورت بھی ختم ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے رشتہ خوشگوار ہوگیا اور اب ہمارے اس گناہ کا ذکر بھی نہیں آئے گا اور نامۂ اعمال میں بھی باقی نہیں رہے گا۔ لوگوں کے سامنے بھی نہیں آئے گا، اس کا نام ہے ''غفّاری''۔

## مغفرت صرف گناہوں سے نہیں

لہٰذا اس دعا میں وہ نیک بندے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان تو لے آئے، لیکن ایمان لانے کے بعد نہ جانے ہم سے کتنی نادانیاں ہوئیں۔ کتنی غلطیاں ہوئیں، اے اللہ! ہمیں معاف فرمادیجئے، پھر ان سب کو چھپا

لیجئے اور یہ مغفرت مانگنا صرف گناہوں سے نہیں ہوتا بلکہ نامناسب باتوں سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک چیز نہ حرام تھی اور نہ گناہ تھی لیکن نامناسب تھی۔ وہ نامناسب چیز بھی انسان کے اندر ایک داغ ہے اور نامناسب چیزوں سے بھی مغفرت مانگی جاتی ہے۔

## نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار کرنا

اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ لوگ گناہوں سے "معافی" مانگتے ہیں لیکن جو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہوتے ہیں وہ اپنی عبادتوں سے بھی معافی مانگتے ہیں یعنی جیسی عبادت ادا کرنی چاہیے تھی ویسی ادا نہیں ہوئی، اے اللہ! ہمیں معاف کردیجئے۔ اسی لیے ہر نماز کے بعد حضورِ اقدس ﷺ تین مرتبہ استغفار فرماتے:

"اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَسْتَغْفِرُ اللهَ"(۱)

کیوں؟ اس لیے کہ یا اللہ! آپ نے جس عبادت کو انجام دینے کی توفیق دے دی، آپ کا شکر ہے لیکن اس عبادت کا حق ہم سے ادا نہیں ہو پایا، لہٰذا میں اس عبادت کی طرف سے استغفار کرتا ہوں۔

## دن میں ستر مرتبہ استغفار کرنا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: میں دن میں

---

(۱) صحیح مسلم ۱ / ٤١٤ (٥٩١)

ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔[1] اب لفظ ''ستر'' سے یہ بھی ممکن ہے کہ ستر کا عدد مراد ہو۔ بعض اوقات ''ستر'' کا لفظ محض ''کثرت'' کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یعنی بے شمار مرتبہ۔ لیکن یہ کہیں منقول نہیں کہ آپ تسبیح لے کر بیٹھ گئے ہوں اور ''استغفر اللہ'' تسبیح کے دانے پر پڑھ رہے ہوں، یہ بات کہیں روایات میں منقول نہیں۔ لگتا یوں ہے کہ۔ واللہ اعلم۔ سارا دن استغفار کرنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا، کیوں؟ اس لیے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عمل بھی بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے تھے، آپ اپنے مقامِ عالی کے لحاظ سے اس عمل کو باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے، چونکہ شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اس عمل سے ''استغفار'' کیا کرتے تھے۔

## ہر وقت آپ کے درجات میں ترقی

اور اللہ تبارک و تعالیٰ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات میں ہر آن ترقی فرما رہے ہوتے تھے۔ ایک درجے سے دوسرے درجے میں، دوسرے درجے سے تیسرے درجے میں، تیسرے درجے سے چوتھے درجے میں۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگلے درجے میں پہنچتے تھے تو پچھلے درجے سے ''استغفار'' کیا کرتے تھے کہ وہ درجہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ لہٰذا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ستر مرتبہ استغفار فرمانا بظاہر یوں لگتا ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، آپ سے جو عمل بھی سرزد ہو رہا تھا، اس میں باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہ ہونے کا ایک تصور ہے، اس ''تصور'' پر استغفار فرما رہے تھے۔ بار بار استغفار ہو رہا ہے، سارا دن ہو رہا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۶۷ (۶۳۰۷)

## اپنا گناہ دوسروں سے ہرگز بیان مت کرو

لہٰذا ''استغفار'' کے معنی یہ ہوئے کہ یا اللہ! ایک تو معاف بھی فرما دیجئے، دوسرے اس کو چھپا بھی دیجئے اور میرے نامۂ اعمال میں بھی موجود نہ ہوتا کہ مجھے کہیں شرمندگی بھی نہ ہو کہ نہ کسی اور کو پتہ چلے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کبھی کسی سے کوئی گناہ ہوجائے تو اس کے بارے میں کسی سے کہتا نہ پھرے، بس اللہ میاں سے کہہ دے کہ یا اللہ! مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوگیا ہے آپ معاف فرمادیجئے۔ اور بس اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ رکھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے گناہ دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ کی تشہیر کر رہا ہے اور اپنے آپ کو بدنام کرنا چاہتا ہے اور اس کو اپنی بدنامی بری معلوم نہیں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرماتے ہیں کہ جب تو نے اپنا گناہ نہیں چھپایا تو میں کیوں چھپاؤں۔

## کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی معافی مشکل ہے

اس لیے ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ''(۱)

یعنی میری امت کے سارے لوگ عافیت میں آسکتے ہیں سوائے ''مجاہرین'' کے۔

''مجاہرین'' وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا بغیر کسی شرم و حیا کے گناہ کا ارتکاب

---

(۱) صحيح البخاری ۸ / ۲۰ (۶۰۶۹)

کیے جارہے ہیں، اس کو اپنی بدنامی کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو خود لوگوں سے یہ کہتا پھر رہا تھا کہ مجھ سے یہ گناہ ہوگیا، مجھ سے یہ گناہ ہوگیا۔ لہٰذا تو نے تو اپنا گناہ چھپایا نہیں۔ میں تیرا گناہ کیوں چھپاؤں۔ اللہ بچائے۔ ایسے شخص کی مغفرت مشکل ہے۔ الا یہ کہ وہ سچی توبہ کرے اور اس بات سے بھی توبہ کرے کہ میں دوسروں سے کہتا پھرتا تھا۔

## اپنے گناہوں کو چھپاؤ

اگر کسی انسان سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو اس نے اس گناہ کو اپنی حد تک رکھا اور دوسروں سے نہیں بتایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا کہ یا اللہ! مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوگیا، اپنی رحمت سے مجھے معاف کردیجئے۔ جب وہ خود اپنا گناہ چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ''ستاری'' فرمائیں گے اور دوسروں تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

## ایک چور کا واقعہ

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ غالباً میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک مرتبہ ان کے عہدِ خلافت میں ایک چور پکڑا گیا۔ اس کو پکڑ کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ کسی شخص نے اس چور کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! اس نے پہلی مرتبہ یہ کام کیا ہے، اب یہ اپنے فعل پر شرمندہ ہے۔ نادم ہے، استغفار کر رہا ہے، آپ اس کو معاف فرما دیجئے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اس کا پہلا کام نہیں ہے۔ یقیناً

اس نے پہلے بھی اس قسم کا کوئی کام کیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت تو موجود نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب بندہ پہلی مرتبہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پر اس کی پکڑ نہیں کرتا بلکہ اس کو مہلت دی جاتی ہے، اگر اس نے اس فعل کو خفیہ رکھا، کسی دوسرے پر ظاہر نہ کیا اور اس کی جو تلافی کرنی تھی، وہ تلافی بھی کردی تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ ارتکاب نہیں کرنے دیتے۔[1]

## گناہ کرنے کے بعد جرأت بڑھ جاتی ہے

لیکن پہلی مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب تو جرأت کھل گئی۔ اس لیے کہ جب تک انسان نے گناہ نہیں کیا ہو تو، اس وقت تک طبیعت میں ایک رکاوٹ ہوتی ہے، اس رکاوٹ کے نتیجے میں انسان یہ سوچتا ہے کہ یہ برا کام ہے، مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیے اور اس کے ذہن میں عذاب کا تصور سامنے آتا ہے۔ بدنامی کا تصور آتا ہے لیکن جب ایک مرتبہ اس گناہ کا ارتکاب کرکے وہ حد پار کرلی تو جو درمیان میں رکاوٹ تھی، وہ رکاوٹ اس نے مٹا دی اور جب ایک گناہ پر جرأت پیدا ہوگئی تو پھر آدمی اس حد پر نہیں رکتا بلکہ ایک گناہ کے بعد دوسرا گناہ کرتا ہے اور دوسرے گناہ کے بعد تیسرا گناہ کرتا ہے۔

## شیطان کے بہکانے کا طریقہ

اسی لیے بعض اوقات شیطان انسان کو یہ کہہ کر بہکاتا ہے کہ یہ عمل گناہ تو

(۱) تفسیر الرازی ۱۱ / ۲۱۳

ہے، مگر ایک مرتبہ کرلے، جب تیرا دل بھر جائے تو توبہ کرلینا اور پھر یہ گناہ نہ کرنا۔ بہت سے لوگ شیطان کے اس بہکاوے میں آجاتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ گناہ کرلو، ذرا دل ٹھنڈا ہوجائے گا، پھر توبہ کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ جب انسان پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو اس کے درمیان اور گناہ کے درمیان شرم اور حیا کی جو دیوار اور آڑ تھی، گناہ کے تصور کی آڑ تھی، وہ دیوار اس نے گرا دی۔ اب گناہ پر جرأت ہوجائے گی۔ اور یہ سوچے گا کہ یہ گناہ پہلے بھی کیا تھا، کچھ بھی نہ ہوا، نہ کسی نے دیکھا، نہ کسی کو پتہ چلا اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آیا، نہ میری پکڑ ہوئی تو اب دوسری مرتبہ بھی یہ گناہ کرکے دیکھ لو۔ اور گناہ کرکے دوبارہ پھر توبہ کرلینا۔

## ایک گناہ کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا

اللہ بچائے۔ جب گناہ کرنے پر جرأت پیدا ہوجاتی ہے تو بندہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ پھر ایک گناہ سے دوسرا گناہ، دوسرے گناہ سے تیسرا گناہ اور تیسرے گناہ سے چوتھا گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اول تو یہ بے وقوفی اور حماقت کی بات ہے کہ جو آدمی یہ سوچے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلوں گا۔ ارے تجھے کیا پتہ گناہ کرنے کے بعد تجھے توبہ کا وقت ملے گا یا نہیں؟ اگر وقت مل گیا تو کیا پتہ کہ توبہ کی توفیق ملے گی یا نہیں؟ لہٰذا پہلی مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرکے اس آڑ اور بند اور رکاوٹ کو توڑنا بہت بڑی حماقت ہے بلکہ اس بند اور آڑ کو ہمیشہ اپنے سامنے مضبوط رکھنا چاہیے اور اگر کبھی گناہ ہوجائے تو پھر لوگوں سے اس گناہ کا تذکرہ کرتا نہ پھرے۔

## اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن ایک بندے سے سرگوشی کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو "حَدِیْثُ النَّجْوٰی" کہا جاتا ہے یعنی "سرگوشی کی حدیث" یہ حدیث کسی صاحب کو پہنچی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر وقت کے خادم تھے، ان صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے "نجویٰ" یعنی "سرگوشی" کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسولِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کو قریب کریں گے:

فَیَضَعُ عَلَیْهِ کَنَفَهٗ وَ یَسْتُرُهٗ فَیَقُوْلُ(1)

اور اپنا دست مبارک اس کے پہلو پر رکھیں گے اور چپکے سے اسے کہیں گے کہ تمہیں یاد ہے کہ تم نے فلاں وقت میں فلاں گناہ کیا تھا؟ وہ بندہ کہے گا کہ جی، یاد ہے تمہیں یاد ہے کہ فلاں وقت میں تم نے فلاں گناہ کیا تھا؟ وہ بندہ کہے گا کہ جی، یاد ہے۔ اس طرح اس کو ساری زندگی کے گناہ اس کو یاد دلائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ یہ سمجھے گا کہ بس اب میں ہلاک ہوگیا۔ اب نجات کا راستہ نظر نہیں آرہا ہے۔ جب وہ بندہ پریشان ہورہا ہوگا اور وہ سوچ رہا ہوگا کہ میں تباہ و برباد ہوگیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے! تو نے یہ سب گناہ کئے تھے اور دنیا کے اندر میں نے تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج میں تیری مغفرت کرتا ہوں۔

---

(1) صحیح البخاری ۳/ ۲۸ (۲۴٤۱)

## اس حدیث سے گناہوں پر جری نہیں ہونا چاہئے

بزرگوں نے اس حدیث کی شرح میں یہ فرمایا کہ اس حدیث کو سن کر آدمی کو اپنے گناہوں پر جری نہیں ہونا چاہیے کہ چلو آخرت میں میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوجائے گا، بس گناہ کرتا رہوں، کسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے بلا کر مجھ سے یہ کہیں گے کہ میں نے دنیا میں ''ستاری'' کی اور آج آخرت میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ گناہوں پر جرأت بڑی خطرناک چیز ہے، کیا پتہ کہ وہ بندے تم ہو؟ یا کوئی اور اللہ کا بندہ ہے؟ اور اس بندے کا اپنے پروردگار سے کیا تعلق تھا؟ اس بندے نے گناہ ضرور کیے اور ان گناہوں کا اعتراف بھی کیا لیکن اس کے دوسرے اعمال کیسے تھے؟ اور اس کے دل کی کیفیت کیا تھی؟ اور وہ اپنے پروردگار سے کتنا جڑا ہوا تھا؟ یہ سب باتیں کون جان سکتا ہے؟ لہٰذا یہ کبھی مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اسی طرح معاف فرما دیں گے۔

## شیخ اور مصلح کو گناہ سے مطلع کرنا چاہیے

لیکن اس حدیث سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ اللہ بچائے اگر کبھی گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو کم از کم اس گناہ کو چھپا کر رکھے۔ اس کا تذکرہ بھی کسی سے نہ کرے۔ قریب ترین آدمی سے بھی تذکرہ نہ کرے۔ اس لیے کہ جب وہ خود گناہ کو چھپائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ''ستاری'' فرمائیں گے، لیکن اگر بالفرض ایک آدمی گناہوں میں بے حد ملوث ہوگیا اور اپنے کسی بڑے سے اور اپنے کسی مصلح سے ان گناہوں کا ذکر کرے تو کوئی حرج نہیں تاکہ وہ مصلح اصلاح کا راستہ نکال

سکے، لیکن اگر گناہ پہلی مرتبہ ہوا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس گناہ کو اپنی حد تک رکھے۔ کسی بڑے سے تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور کہے: یا اللہ! یہ گناہ مجھ سے سرزد ہوگیا ہے، اپنی رحمت سے مجھے معاف کردیجیے اور آئندہ کے لیے مجھے اس گناہ کے ارتکاب سے بچا لیجیے۔ کم از کم اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ تم "مجاہرین" میں شامل نہیں ہوگے۔ اور اللہ تعالیٰ انشاء اللہ "ستاری" فرمائیں گے۔ "غفاری" فرمائیں گے۔ لیکن اگر بندہ گناہوں کے اندر بڑھتا ہی چلا گیا تو پھر اس صورت میں اپنے کسی مصلح سے گناہوں کا تذکرہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ لیکن صرف اسی سے ذکر کرے اور اس ذکر کرنے سے یہ نہ سوچے کہ مصلح کے دل میں میری طرف سے بدگمانی پیدا ہوگی۔ نہیں، ایسا نہیں ہوتا بلکہ مصلح کی اور شفقت اس پر بڑھ جاتی ہے، جیسے کوئی بیمار ہو تو طبیب اس کی بیماری کی وجہ سے اس سے بددل نہیں ہوتا، بلکہ وہ طبیب اس پر شفقت کرتا ہے، علاج کا راستہ نکالتا ہے۔

## نامۂ اعمال سے اس گناہ کو غائب کردینا

بہرحال! میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک ہے معاف کردینا اور پہلے درجے میں یہی مطلوب ہے اور دوسرا درجہ ہے "مغفرت"۔ "مغفرت" کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ معاف کردیا اور آخرت میں اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کے ساتھ اس کے گناہ کو چھپا دیا گیا اور نامۂ اعمال سے بھی غائب کردیا گیا، تاکہ آخرت میں شرمندگی بھی نہ ہو، یہی مطلب ہے "وَاغْفِرْ لَنَا" کا۔

## ''جنت'' اللہ کی رحمت سے ملے گی

پھر تیسرا درجہ ہے ''وَارْحَمْنَا'' کا۔ یعنی گناہ معاف بھی کر دیا، کوئی سزا بھی نہیں ہے اور اس گناہ کو چھپا دیا۔ کسی کے سامنے وہ گناہ آیا ہی نہیں۔ اس گناہ کی وجہ سے شرمندگی بھی نہیں ہوئی۔ بدنامی بھی نہ ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم جہنم سے دور رہو گے۔ جہنم سے نجات مل گئی۔ الحمد للہ۔ لیکن ایک مومن کی اصل منزل تو جنت ہے۔ اب جنت کیسے ملے گی؟ کیا اعمال کی بدولت ملے گی؟ اعمال کی بدولت تو نہیں ملے گی۔ اس لیے کہ تم نے کیسے اعمال کیے؟ کتنے اعمال کیے؟ ان اعمال کی کیا حقیقت تھی؟ اور وہ اعمال تو متناہی تھے، جبکہ جنت لامتناہی ہے۔ اب بتاؤ کیا تمہارے اعمال کے سلسلے میں جنت مل سکتی ہے؟ نہیں۔ لہٰذا وہاں پر اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے۔ یعنی اے اللہ! ہمیں معاف بھی فرما اور ہمارے گناہوں کو چھپا دیں اور اے اللہ! ہم پر رحم بھی فرما۔ یعنی ہمیں جنت تک پہنچا دیں اور اپنے خصوصی فضل سے سرفراز فرما۔

## یہ دو جملے قبول ہوجائیں تو بیڑہ پار ہے

اس لیے اس دعا میں دو جملے الگ الگ ہیں۔ ''فَاغْفِرْ لَنَا'' اور ''وَارْحَمْنَا'' اے اللہ! ہم پر رحم فرمایئے۔ یہ ''رحم'' اتنا وسیع لفظ ہے کہ اس کے اندر ساری کائنات کی نعمتیں آجاتی ہیں۔ دنیا کی نعمتیں بھی اور آخرت کی نعمتیں بھی۔ اگر ہماری اس دعا کے یہ دو جملے قبول ہوجائیں۔ ''فَاغْفِرْ لَنَا'' اور ''وَارْحَمْنَا'' تو بس بیڑہ پار ہے۔ پھر تمہارے اور جنت کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ میرے جو نیک بندے ہیں وہ یہ دعا کیا کرتے تھے، جبکہ لوگ مذاق

اڑایا کرتے تھے، لوگ طعنے دیا کرتے تھے، الزامات لگا رہے ہوتے تھے لیکن ہمارے بندے ہم سے یہ کہہ رہے ہوتے تھے۔

## شیطان کا وسوسہ ڈالنا

آگے فرمایا:

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

بعض اوقات شیطان اس قسم کے خیالات دل میں ڈالتا ہے کہ کسی شخص کو آپ نے مصیبت زدہ دیکھا اور اس مصیبت کے اندر آپ کو اس پر ترس آیا اور دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوئی کہ اس کی یہ مصیبت دور ہوجائے۔ تو اس وقت شیطان دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ مجھے تو اس مصیبت زدہ پر رحم آرہا ہے۔ اللہ میاں رحم نہیں کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اس حالت میں رکھا ہوا ہے۔ ہم یہ چاہ رہے ہیں کہ اس کو شفاء ہوجائے، لیکن یہ بیمار پڑا ہوا ہے۔ ہم چاہ رہے ہیں کہ اس کی تنگدستی دور ہوجائے، لیکن یہ فقیر ہے۔ ایک شخص بے روزگار ہے، ہم چاہ رہے ہیں کہ اس کو روزگار میسر آجائے، لیکن یہ شخص بے روزگار پھر رہا ہے۔

## کس بندے کو کس حالت میں رکھنا ہے

کبھی کبھی شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ مجھے تو اس شخص پر رحم آرہا

ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم کیوں نہیں آرہا ہے؟ اس پر فرمایا کہ ''وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ'' ارے کہاں کے رحم کرنے والے، تمہارے رحم کی حقیقت کیا ہے؟ ''خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ'' تو وہ ذات ہے اس کو پتہ ہے کہ مجھے کس بندے کو کس حالت میں رکھنا ہے اور کس بندے کے لیے کس وقت کیا چیز بہتر ہے؟ مثلاً تم ایک ڈاکٹر کو دیکھو کہ وہ ایک شخص کا آپریشن کر رہا ہے اور آپریشن سے اس کو تکلیف ہو رہی ہے اور آپ کو اس مریض پر رحم آرہا ہے کہ یہ مریض بہت تکلیف سے گزر رہا ہے۔ لیکن ڈاکٹر جانتا ہے کہ یہ آپریشن کی تکلیف بالآخر اس کے لیے صحت کا ذریعہ بنے گی لیکن نادان شخص یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس مریض کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

## شیطانی خیال دور کرنے کا طریقہ

اگر انسان ''اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ'' کا اعتقاد رکھے اور اس کا مراقبہ کرے تو اس کے نتیجے میں اس قسم کے شیطانی خیالات دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۲۵ حصہ سوم

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دعا نمبر ۲۵ حصہ سوم

## رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! گذشتہ دو مجلسوں سے ایک قرآنی دعا پر بیان چلا رہا ہے، وہ دعا یہ ہے کہ:

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ○

یہ دعا قرآنِ کریم میں سورۂ مؤمنون میں آئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ مؤمنون میں کافروں کا حال بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ (۱)

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۳)

فرمایا کہ قیامت کے دن جن کے میزان عمل ہلکے ہوجائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے گھاٹے کا سودا کیا تھا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان سے مراد کافر ہوگ ہیں اور آگے ان کی حالت بیان فرمائی ہے کہ

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ○ (۱)

ان کے چہروں کو آگ جھلس ڈالے گی اور اس میں ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی اور وہاں پر ان سے پوچھا جائے گا کہ:

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ (۲)

کیا تمہارے سامنے میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھی؟ اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔

## آخرت میں کئی مراحل

آخرت میں کئی مراحل سامنے آئیں گے۔ شروع شروع میں جب کافروں سے باز پرس ہوگی تو وہ مکر ہی جائیں گے اور یہ جواب دیں گے کہ ہم تو کبھی کفر نہیں کرتے تھے۔ پھر ان کے اعضاء اور جوارح سے گواہی لی جائے گی تو وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اب بحث و مباحثہ کا راستہ ہی بند ہوجائے گا۔ آخر میں وہ یہ کہیں گے کہ:

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ○ (۳)

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰٤)

(۲) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۵)

(۳) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰٦)

اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہمارے اوپر غالب آگئی اور ہم واقعتاً دنیا میں گمراہوں میں شامل تھے۔

اور پھر وہ کافر درخواست کریں گے اور کہیں گے:

رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ (۱)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے باہر نکال دیجئے۔ اگر ہم دوبارہ وہی حرکت کریں جو پہلے کی تھی تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔ اس وقت پھر چاہیں تو آپ جہنم میں ڈال دیجئے گا لیکن ایک مرتبہ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے حالات کو درست کرلیں۔

## مجھ سے بات بھی مت کرنا

دوسری جگہ قرآنِ کریم میں فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر دوبارہ ان کو دنیا میں بھیجا گیا، تب بھی یہ لوگ وہی کام کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں، ان کی سرشت ہی میں کفر داخل ہے۔ اس وجہ سے ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ:

اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ۝ (۲)

اب ذلیل ہو کر اسی جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام بھی نہ کرنا۔

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۶)

(۲) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۸)

یہ اتنی زبردست وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے یہ فرمائیں کہ اب مجھ سے کہنا بھی نہیں اور کوئی دعا بھی نہ مانگنا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور اپنی حاجات اس کی بارگاہ میں پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس کی اجازت دینا کہ تم مجھ سے بات کرلیا کرو، یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

## آج ہمیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کی مکمل اجازت ہے

لیکن وہاں پر کافروں سے کہا جائے گا کہ اب کلام بند۔ تمہارے کلام کی اجازت ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہمیں یہاں اس وقت کلام کرنے کی اجازت ہے کہ جب چاہو، آجاؤ اور آکر مجھ سے بات کرلو۔ اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے کہہ دو۔ کوئی مشکل ہے تو مجھ سے کہہ دو۔ کوئی تمنا ہے تو مجھ سے کہہ دو۔ تمہیں بات کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ مجھ سے بات کرنے کے لیے نہ وضو شرط ہے۔ نہ قبلہ رو ہونا شرط ہے، نہ اس کے لیے پاک ہونا اور کھڑا ہونا شرط ہے، نہ اس کے لیے مصلیٰ پر بیٹھنا شرط ہے، یہاں تک کہ جنابت کی حالت میں جبکہ اس حالت میں نماز پڑھنا منع ہے، لیکن اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنا منع نہیں۔

## خواتین کو دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت ہے

چنانچہ خواتین کے لیے خاص ناپاکی کی حالت میں نماز بند ہے، روزے بند ہیں۔ نہ وہ نماز پڑھ سکتی ہیں اور نہ روزے رکھ سکتی ہیں اور نہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرسکتی ہیں، لیکن قرآنِ کریم کی وہ آیات جو دعا پر مشتمل ہیں، ان کو دعا

کی نیت سے پڑھنے کی اس وقت بھی اجازت ہے۔ مثلاً یہ دعا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ (۱)

اب یہ قرآنِ کریم کی آیت ہے لیکن جب آیت دعا کی نیت سے اور اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کی نیت سے پڑھیں گے تو خواتین کے لیے اس کی اجازت ہے۔

## اللہ میاں سے باتیں کیا کرو

بہرحال! یہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو ایک موقع دے رکھا ہے کہ مجھ سے بات کرلیا کرو۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں سے باتیں کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگتے رہا کرو۔ اس سے عرض معروض کرتے رہو اور اس کی بارگاہ میں اپنے حالات پیش کرتے رہا کرو۔ اور اس بات کرنے کے نتیجے میں یا تو تمہاری مراد پوری ہوجائے گی یا کم از کم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

## اب دعا کرنے کا وقت ختم

لہٰذا یہ کتنی بڑی محرومی ہے کہ ان کافروں سے وہاں کہا جائے گا کہ "تم ہم سے بات بھی نہ کرنا"۔ واللہ اعلم۔ بظاہر بات یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہہ دیا

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت (۲۰۱)

کہ اب تمہیں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے تو اب ان سے بات کرنے کی توفیق بھی سلب ہوجائے گی کہ اب آئندہ تم مجھ سے بات نہیں کرسکتے۔ اب دعا کرنے کا اور مجھ سے تعلق قائم کرنے کا وقت ختم ہوگیا اور میرے اور تمہارے درمیان اب جہنم حائل ہوگئی ۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع دے رکھا ہے کہ مرتے دم تک جب چاہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگارہ میں حاضر ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کریں۔

## اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''الہام'' ہونے لگتا ہے۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ میری امت میں اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن ''محدَّثین'' ہوں گے۔ ''محدَّثین'' ان کو کہا جاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ القاء کے ذریعے بات فرمائیں گے کہ اس کے دل پر ایسی باتیں القاء فرمائیں گے جو اس کے حق میں بہتر ہوں گی۔ بہرحال جوں جوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے بعد ایک مقام ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ باتیں کرنا شروع کردیں گے۔

(۱) الشريعة للآجری ٤ / ١٨٩٢ (١٣٦٥) وأصله فی صحيح البخاری ٥ / ١٢ (٣٦٨٩).

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (۱)

تم میرا ذکر کرو۔ میں تمہارا ذکر کروں گا۔

## اب یہ کرلو، اب یہ کرلو

میں نے اپنے حضرت والا قدس اللہ سرہ سے سنا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اب تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ میاں مجھ سے یوں فرما رہے ہیں کہ ”اب یہ کرلو“، ”اب یہ کام کرلو“، ”اب یہ کام کرلو“، ”اب کھانا کھالو“، ”اب لیٹ جاؤ“، ”اب آرام کرلو“، ”اب نماز پڑھ لو“ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اوپر سے یہ فرمایا جارہا ہے۔ بہرحال! آدمی اس مقام تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کی عادت ڈالے۔ پھر وہ آدمی ”محدَّث“ بن جاتا ہے۔ بہرحال! ان کافروں سے ایک تو یہ فرمایا کہ آئندہ تم مجھ سے بات مت کرنا۔

## مؤمنین کے ایک گروہ کی صفت

پھر فرمایا کہ میرے بندوں میں سے مؤمنین کا ایک ایسا گروہ تھا جن کی صفت یہ تھی کہ وہ دنیا میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ ”رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ“ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، آپ ہماری مغفرت کردیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے اور آپ بہترین رحم کرنے والے ہیں۔ ان دعا کرنے والے بندوں کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ کفار سے یہ کہا

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۰۸)

جارہا ہے کہ میرے نیک بندے تو یہ دعا کیا کرتے تھے اور اس دعا میں ایک طرف تو وہ اپنے ایمان کا اقرار کیا کرتے تھے، اور دوسری طرف وہ مغفرت مانگتے تھے۔

## مغفرت کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے

جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ''مغفرت'' کرنا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اس لیے کہ ''مغفرت'' زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے معاف کردینے کے لیے آتا ہے۔ کہیں کہیں انسانوں کے لیے بھی آیا ہے، جیسے اس آیت میں کہ:

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۝ (۱)

اس لیے کہ جب ہم کسی انسان سے معافی مانگتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ مجھ سے فلاں غلطی ہوگئی تھی۔ آپ کی حق تلفی ہوگئی تھی۔ مجھے معاف کردو۔ تو اس سے یہ کہیں گے کہ ''مجھے معاف کردو'' اسے آپ یہ نہیں کہیں گے کہ ''میری مغفرت کردو'' لہٰذا مغفرت اللہ تعالیٰ کی معافی کا عمل ہے اور اس کے معنیٰ صرف ''معاف کردینے'' کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنیٰ ہیں ''مٹا دینا'' کے بھی ہیں۔ یعنی جو غلطی تم نے کی تھی، وہ ہم نے نامۂ اعمال سے بھی مٹا دی ہے بلکہ اس کے اندر یہ معنیٰ بھی داخل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف معاف نہیں کیا، بلکہ دل میں جو ناراضی تھی وہ بھی ختم فرمادی۔ اور کدورت بھی جاتی رہی، اس لیے کہ ''کدورت'' کا دور کرنا انسان کی قدرت میں تو نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ لہٰذا معاف بھی کردیا اور اللہ تعالیٰ تم سے خوش بھی ہوگئے۔

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: آیت (۴۳)

## مغفرت میں رضا مندی بھی داخل ہے

غزوۂ احد کے موقع پر جو آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوئیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے دو الفاظ استعمال فرمائے کہ ہم نے ان کو معاف بھی کر دیا اور ہم ان سے راضی بھی ہوگئے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ (۱)

لیکن عام طور پر بظاہر اللہ تعالیٰ کی "مغفرت" کے اندر یہ بات داخل ہے کہ صرف معاف ہی نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ راضی بھی ہوگئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دروازہ کھولا ہوا ہے کہ توبہ کرلو، استغفار کرلو، میرے پاس آجاؤ، مجھ سے معافی مانگ لو تو نہ صرف یہ کہ ہم تمہیں جہنم میں نہیں بھیجیں گے، بلکہ ہم تم سے راضی بھی ہوجائیں گے۔

## عمل کا بدلہ نہیں، بلکہ مغفرت

لہٰذا جو بندے یہ دعا کرتے تھے: "رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا" وہ بندے اس دعا میں یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لائے تھے اور اس کے بعد ہم نے فلاں فلاں عمل کیے تھے تو اے اللہ! ہمیں ان اعمال کا بدلہ دے دیجیے، بلکہ ایمان لانے کے بعد مغفرت کا سوال کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اعمال تو اس قابل نہیں تھے کہ آپ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں۔ ان اعمال میں نہ جانے ہم سے کتنی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی؟ کتنی غلطیاں ہوئی ہوں گی؟ لہٰذا ہم تو

(۱) سورۃ آل عمران: آیت (۱٦٤)

آپ سے مغفرت مانگتے ہیں۔ اس لیے کہ جب مغفرت ہوجائے گی اور آپ راضی ہوجائیں گے تو ہمارا بیڑہ پار ہوجائے گا اور ہم پر رحم بھی فرمایئے۔

## تم نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ کافروں سے فرمائیں گے کہ جب میرے نیک بندے یہ دعا کیا کرتے تھے تو تم کیا کرتے تھے:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا

تم ان نیک بندوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ دیکھو: یہ کیسے بے وقوف لوگ ہیں کہ جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے رہتے ہیں اور دنیا سے بالکل غافل ہیں۔ دنیا کا کوئی کام ان کونہیں آتا۔ دنیا میں کوئی ان کا پوچھنے والانہیں۔ اور یہ لوگ اسی فکر میں پڑے رہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہوجائے اور آخرت درست ہوجائے اور آج بھی نیک بندوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اگر کسی صاحبِ ایمان کا اس کے ایمان کی وجہ سے لوگ اس کا مذاق اڑائیں تو اس کو خوش ہونا چاہیے۔ اس لیے وہ ان نیک بندوں میں شامل ہورہا ہے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔

## میری یاد سے غافل کردیا

حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ○ (۱)

اورتم جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو انہوں نے تم کو میری

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۱۰)

یاد سے غافل کر دیا۔

یعنی تم ان کا مذاق اڑا کر خوش ہو رہے ہو اور ان پر طنزیہ جملے کس رہے ہو اور انہوں نے تم کو اس عمل کی وجہ سے میری یاد سے غافل کر دیا اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔

## آج وہی لوگ کامیاب ہیں

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن کا تم مذاق اڑایا کرتے تھے اور جن پر تم ہنسا کرتے تھے، ان کا کیا بنا؟

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝[1]

آج میں نے ان کو ان کے صبر کی وجہ سے بدلہ دے دیا ہے۔ کیا بدلہ دیا ہے؟ وہ یہ کہ آج کامیاب وہی ہیں، مذاق اڑانے والے فنا ہو گئے۔ جہنم کی آگ میں جھلس رہے ہیں، لیکن وہ لوگ جو ایمان کے ساتھ میری طرف رجوع کیا کرتے تھے اور مجھ سے مغفرت مانگا کرتے تھے اور مجھ سے رحم کی درخواست کیا کرتے تھے۔ آج ان کو یہ بدلہ دیا گیا، وہی کامیاب ہیں۔

## صبر کا بدلہ صرف جنت ہے

اس میں درمیان میں صرف ایک جملہ فرما دیا، وہ ہے: ''بِمَا صَبَرُوْا'' یعنی ان کو جو بدلہ ملا ہے، وہ ان کے صبر کا بدلہ ملا ہے۔ ''صبر'' ایسا عمل ہے کہ قرآنِ کریم میں اس کا جگہ جگہ حکم آیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۱۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا[1]

ایک جگہ فرمایا:

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا[2]

یعنی بدلہ ہم نے ان کو اس بات کا دیا تھا کہ انہوں نے صبر کیا تھا۔

قرآنِ کریم میں کئی جگہ یہ بیان آیا ہے کہ اہلِ جنت کو جنت میں جو نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ وہ ان کے صبر کی وجہ سے عطا کی جائیں گی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ''صبر'' ہماری زندگی میں اتنا اہم عمل ہے کہ یہی عمل ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچا سکتا ہے اور جنت تک پہنچا سکتا ہے۔

## صبر کے معنیٰ

''صبر'' کے معنیٰ کیا ہیں؟ ''صبر'' کے معنیٰ ہمارے معاشرے میں یہ لیے ہیں کہ جب کسی انسان کو کوئی مصیبت اور تکلیف پہنچے اور وہ اس تکلیف پر جزع فزع نہ کرے۔ شکوہ شکایت نہ کرے بلکہ ''صبر'' سے کام لے تو اس کو ''صبر'' کہا جاتا ہے، لیکن قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اور لغوی اعتبار سے ''صبر'' کے لفظی معنیٰ ہیں ''باندھنا'' باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ساری نفسانی خواہشات کو کچل کر اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے رضا کے کاموں پر باندھ لے۔ دل

---

(۱) سورۃ آل عمران: آیت (۲۰۰)

(۲) سورۃ الدھر: آیت (۱۲)

میں اگر کوئی ایسی خواہش پیدا ہو رہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہے۔ اس خواہش کو کچل دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر باندھ لیا کہ اب میں اللہ تعالیٰ کے رضا کے کاموں میں مقید ہوں۔ یہی عمل انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا تک اور اللہ تعالیٰ کی جنت تک پہنچا دیتا ہے۔ میں ''صبر'' کو دوسرے الفاظ سے تعبیر کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ''اپنے اوپر زبردستی کرنا''

## یہ تینوں اعمال ''صبر'' میں داخل ہیں

(۱) مثلاً ایک طاعت کو انجام دینے کا وقت آ گیا ہے، جبکہ اس وقت انسان کا دل کسی اور چیز کی طرف لے جا رہا ہے کہ تو یہ کام کر لے، لذّت حاصل کر لے، اس وقت انسان اپنے نفس پر زبردستی کر کے اس عبادت کو انجام دے۔ اس کا نام ''صبر'' ہے۔

(۲) یا کسی گناہ کرنے کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے، اس گناہ کا موقع بھی مل رہا ہے اور اس کے اسباب بھی میسر ہیں، لیکن اس وقت انسان اپنے اوپر زبردستی کر کے اس گناہ سے رک جائے، اس کا نام ''صبر'' ہے۔

(۳) اس طرح اگر انسان پر کوئی مصیبت آ گئی ہے یا کوئی پریشانی لاحق ہو گئی ہے، اس وقت اس کا دل چاہ رہا ہے کہ میں اس پریشانی پر خوب جزع فزع کروں، خوب واویلا کروں۔ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرو اور کہوں کہ ''اس مصیبت کے لیے میں ہی رہ گیا تھا؟'' اب نفس تو اس کو ان کاموں کی طرف لے جا رہا ہے، لیکن اس نفس کو

زبردستی باندھنا کہ یہ کام مت کرو۔ بلکہ جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، وہی درست ہے، میں اس پر راضی ہوں اور مجھے اس پر کوئی شکوہ نہیں، کوئی اعتراض نہیں، کوئی گلہ نہیں۔ اس کا نام ''صبر'' ہے۔

## ''صبر'' نصف ایمان ہے

بہرحال! ''صبر'' ایک ایسی جامع چیز ہے کہ سارے دین کا اگر حاصل دیکھو تو وہ ''صبر'' ہے۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ، نِصْفٌ شِکْرٌ وَ نِصْفٌ صَبْرٌ''(۱)

یعنی ایمان دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ آدھا حصہ ''شکر'' ہے اور آدھا حصہ ''صبر'' ہے۔

یہ دو چیزیں ہیں، جو انسان کو ''انسان'' بناتی ہیں اور جو انسان کو اللہ تعالیٰ کا بندہ بناتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا رضا کا راستہ دکھاتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝ (۲)

یعنی یہ ساری نشانیاں جو ہم بیان کر رہے ہیں، یہ سب ان کے لیے ہیں جو بہت زیادہ صبر کرنے والے ہیں اور جو بہت زیادہ شکر کرنے والے ہیں۔

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی ۱۲ / ۱۹۲ (۹۲۶٤) ومسند الشهاب القضاعی ۱ / ۱۲۷ (۱۵۹) وقال المناوی فی فیض القدیر ۳ / ۱۸۸ وفیه یزید الرقاشی قال الذهبی وغیره متروك ورواه القضاعی بهذا اللفظ وذكر بعض شراحه أنه حسن.

(۲) سورۃ ابراهیم: آیت (۵)

## دنیا کے کاموں میں نفس پر زبردستی

اگر غور کر کے دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ سارا ایمان، سارا عملِ صالح اور نیکی کے تمام کام اور گناہوں سے بچنے کا راستہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ تم اپنے اوپر زبردستی کرو۔ دیکھو! دنیا کے معاملات میں ہم اپنے اوپر کتنے کاموں میں زبردستی کرتے ہیں؟ ایک آدمی کسی دفتر میں ملازم ہے اور اس کو صبح ۹ بجے دفتر پہنچنا ہے۔ اب طبیعت کے اندر سستی ہو رہی ہے۔ طبیعت کسمسا رہی ہے۔ دفتر جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ دفتر نہیں جاتے۔ اگر کوئی بے وقوف ایسا کرے گا تو اس کو دنیا میں رہنے کا حق بھی حاصل نہیں۔ بلکہ عقل مند آدمی یہ سوچے گا کہ چاہے سستی ہو رہی ہو، چاہے دل نہ چاہ رہا ہو لیکن میں دفتر جاؤں گا۔ اب اس شخص نے اپنے نفس پر زبردستی کی اور دفتر چلا گیا۔

## ملکی قوانین پر عمل کرنے میں زبردست

دنیا کا کوئی کام "زبردستی" کے بغیر نہیں ہوتا۔ جب تک آدمی اپنے نفس کے اوپر زبردستی نہ کرے۔ اب دیکھیے ملکی قوانین بنے ہوئے ہیں اور بعض اوقات آدمی کا دل چارہ رہا ہوتا ہے کہ میں "قانون شکنی" کروں، مگر کبھی زبردستی کر کے اپنے آپ کو قانون شکنی سے روکتا ہے۔ بہرحال! زبردستی کیے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ جب تک آدمی اپنے اوپر زبردستی نہ کرے، جو کام انسان کے لیے ضروری ہے، اس کے لیے اپنی خواہشوں کو قربان کرنا پڑے گا، کچلنا پڑے گا۔

## دین کے معاملات میں بھی نفس پر زبردستی کرو

اب مطلوب صرف اتنا ہے کہ جس طرح تم دنیا کے کاموں کے لئے اپنے نفس کو کچلتے ہو اور کچلنے کے نتیجے میں تم اپنے نفس پر زبردستی کرتے ہو، اسی طرح دین کے معاملات میں بھی کیا کرو۔ جیسے ایک انسان نے اپنے معمولات مقرر کر لیے۔ لیکن اب شکایت یہ ہوتی ہے کہ ان معمولات کی پابندی نہیں ہوتی، کیوں نہیں ہوتی؟ اس لیے کہ دین کے معمولات میں اپنے اوپر زبردستی کرنے کی عادت نہیں۔ اپنا وقت بے کار اور فضول کاموں میں ضائع کر دیں گے، لیکن جو کرنے کے کام ہیں، ان میں سستی اور کاہلی برتی جارہی ہے اور ان کی پابندی نہیں ہوتی۔ کبھی کوئی عارض پیش آگیا، کبھی کوئی عارض پیش آ گیا۔

## جس کام کی اہمیت نہیں، اس کے لیے فرصت نہیں

حضرت مولانا خیر محمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص کسی ضروری کام کے لیے یہ کہے کہ مجھے فرصت نہیں مل رہی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں اس کام کی اہمیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس کام کی اہمیت ہوتی ہے، اس کام کے لیے انسان کسی نہ کسی طرح وقت نکال لیتا ہے۔ مثلاً معمولات ادا کرنے کا ایک وقت مقرر کر رکھا تھا، اب اس وقت نیند آرہی ہے، سستی اور کاہلی ہو رہی ہے اور دل نہیں چاہ رہا ہے، چنانچہ معمول ادا کرنے کے بجائے لیٹ گئے۔ اگر اسی وقت تمہارے پاس صدرِ مملکت کا پیغام آجائے کہ ”تمہیں ملاقات کا وقت دیا گیا ہے، تم اسی وقت آجاؤ“ بتاؤ اس وقت سستی اور کاہلی باقی رہے گی؟ سب رخصت ہوجائے گی، کیوں؟ اس لیے کہ دل میں اس

کی اہمیت ہے کہ مجھے صدرِ مملکت نے بلایا ہے اور اس کا بلانا میرے لیے بڑا اعزاز ہے اور اس اعزاز کی اہمیت ہے۔ لہٰذا آدمی اس سستی کو چھوڑ کر فوراً ملاقات کے لیے روانہ ہوجائے گا۔ اور معمولات کی دل میں اہمیت نہیں ہے۔ اس لیے اس کو ادا کرنے میں سستی ہورہی ہے۔

## اللہ تعالیٰ تمہیں بلا رہے ہیں

ارے بھائی! صدرِ مملکت کی کیا وقعت ہے؟ وزیرِ اعظم کی کیا وقعت ہے؟ اللہ جل شانہ کے ذکر کے لیے حاضری کا وقت ہے اور ''فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ'' والے کام کے لیے اللہ تعالیٰ بلا رہے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ مجھے سستی ہو رہی ہے۔ سستی کیوں ہورہی ہے؟ اس لیے کہ دل میں اس کام کی اہمیت نہیں ہے۔

## جب نماز کی اہمیت دل میں پیدا ہوجائے

دیکھیے: بچپن میں ہمیں والدین جب نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، ظاہر ہے کہ اس وقت ہمیں سستی اور کاہلی محسوس ہوتی تھی اور نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تھا، لیکن والدین کے جبر اور زبردستی کی وجہ سے نماز کے لیے چلے جاتے تھے، حالانکہ دل نماز پڑھنے کو نہیں چاہ رہا تھا، بلکہ دل یہ چاہتا تھا کہ جلدی سے یہاں سے بھاگ جائیں۔ لیکن جب رفتہ رفتہ والدین نے نماز پڑھنے پر مجبور کیا تو پھر ہم نے بھی اپنے آپ کو مجبور کرنا شروع کردیا۔ اور اپنے اوپر زبردستی کرنی شروع کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نماز کی عادت ہوگئی۔ اور اب کیا حال ہے؟ اگر نماز کا وقت آجائے تو کیا بغیر نماز پڑھے چین آجائے گا؟ نہیں۔

نمازی کو کبھی چین نہیں آئے گا بلکہ کوئی شخص لاکھوں روپے پیش کردے کہ تم یہ نماز قضا کردو، انشاء اللہ وہ نمازی ایسا نہیں کرے گا، کیوں؟ اس لیے کہ اس کے دل میں نماز کی اہمیت اور وقعت پیدا ہوگئی ہے اور اس وقعت اور عظمت کے نتیجے میں وہ اپنے اوپر زبردستی کرنے کو تیار ہے۔

## تم جہنم میں پڑے رہو

اللہ تعالیٰ کی تمام طاعات اور عبادات میں اگر انسان اس کو اپنا لے گا تو ''صبر'' کی جزا کا حقدار ہوگا۔ بہرحال! یہ جو جملہ ہے کہ ''اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا'' کہ میں نے آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں اور تم جہنم میں پڑے رہو، اس لیے کہ تم نے نہ صرف یہ کہ ''صبر'' نہیں کیا، شکر نہیں کیا بلکہ جو لوگ صبر اور شکر کرنے والے تھے، تم نے ان کا مذاق اڑایا، لہٰذا جہنم میں پڑے رہو۔

## ابھی بات چیت کا دروازہ کھلا ہوا ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی عظمت کو سمجھو، یعنی اس کے ذکر کی عظمت کو اور اس کی طاعت اور عبادت کی عظمت کو سمجھو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا ہوا ہے کہ مرتے دم تک جب چاہیں، اس کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اس سے عرض معروض کرلیں۔ ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا دروازہ بند ہوجائے گا اور استغفار اور توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، جس وقت ''سکرات الموت'' طاری ہوں گے، اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا،

لیکن اب اس وقت یہ دروازہ کھلا ہوا ہے، اس کی قدر کرلیں، چاہے آپ کوئی کام کررہے ہوں، لیکن آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو:

"دست بکار و دل بیار"

ہاتھ دوسرے کام میں لگے ہوئے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

## حضرت مفتی محمد حسن صاحب

میرے والد ماجد ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے خلفاء میں آپس میں بہت محبت تھی اور ہر ایک دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ ہیں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب جو جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی ہیں، پہلے یہ مدرسہ امرتسر میں تھا بعد میں لاہور منتقل کردیا۔ مفتی صاحب حضرت والا کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت والا کی صحبت بھی بہت اٹھائی اور حضرت والا کے مزاج اور رنگ کو اپنایا ہوا تھا۔ الحمد للہ! بچپن میں مجھے ان کی بارہا زیارت کی توفیق ہوئی ہے۔ ہمیشہ جب بھی لاہور جانا ہوتا تو حضرت والد صاحب کی وصیت ہوتی کہ ان کی خدمت میں ضرور جایا کرو، اس وقت سمجھ بھی نہیں تھی، لیکن جب وہاں جاکر بیٹھتے تو عجیب نورانی ماحول ہوتا تھا۔

## جامعہ اشرفیہ میں خلفاء کی دعوت

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت تھانوی کے کافی سارے خلفاء

کو اپنے جامعہ اشرفیہ امرتسر میں جمع کیا۔ ان میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب بھی تھے۔ وہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پہ تھے، لیکن حضرت تھانوی کے ایسے شیدائی ہوئے کہ ان کو دیکھ کر کوئی یہ پتہ نہیں لگا سکتا کہ انگریزی تعلیم یافتہ اور ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ حضرت تھانوی صاحب کے عاشقِ زار تھے اور شاعر بھی تھے۔ ان کو بلایا ہوا تھا، والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بھی بلایا تھا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے خلفاء بھی تھے (یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کا ہے)

## ''الحمد للہ'' مجھے غفلت نہیں ہوئی

وہاں حضرت مفتی محمد حسن صاحب نے بڑی دعوت کی۔ آم کا زمانہ تھا۔ آموں کی بھی دعوت تھی۔ پہلے کھانا کھایا، پھر آم چوسے اور اس دوران حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب اشعار بھی سناتے رہے اور اس میں مزاحیہ اشعار بھی سنائے۔ حضرت مجذوب فی البدیہہ اشعار کہتے تھے۔ اس مجلس میں آم پر بھی بہت سے اشعار کہے۔ جب کھانے وغیرہ سے فارغ ہوگئے اور حضرت خواجہ صاحب نے دوسرے حضرات سے پوچھا کہ بھائی بتاؤ، اس دعوت میں کس کس کو غفلت ہوئی؟ ''غفلت'' کے کیا معنیٰ؟ یعنی کس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں رہا، بلکہ کھانا کھانے میں اور آم چوسنے میں اور شاعری میں لگے رہے۔ کسی نے جواب دیا کہ ہم سب کھانے پینے میں اور شاعری اور ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے، اس لیے سب ہی غافل تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: الحمد للہ! مجھے غفلت نہیں ہوئی۔ یعنی اس وقت جبکہ مزاحیہ اشعار پڑھ رہے ہیں اور آموں کے

بارے میں شعر پڑھ رہے ہیں، لیکن اس وقت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ''مجھے غفلت نہیں ہوئی'' یعنی اس وقت بھی میرا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا تھا۔

## خیالات کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دو

یہ کیفیت حاصل ہونا ''ناممکن'' نہیں ہے بلکہ حاصل ہوجاتی ہے اور یہ بھی نہیں کہ یہ کیفیت پہلے زمانے کے لوگوں کو حاصل ہوتی تھی اور اس دور کے لوگوں کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے جُڑنا چاہے تو چاہے وہ شخص ''قرونِ اولیٰ'' میں رہتا ہو، یا ''قرونِ اخیرہ'' میں رہتا ہو۔ وہ آج بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جُڑ سکتا ہے۔ ''الحمد للہ'' اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے اوپر زبردستی کر کر کے اپنے خیالات کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دو۔ وہ اس طرح کہ جب کوئی نعمت حاصل ہو تو کہو ''یا اللہ! آپ نے کیسی اچھی نعمت دے دی'' اور جب کسی مشکل سے نجات ملے تو کہو ''یا اللہ! کیسا اچھا معاملہ ہوگیا'' اور جب کھانا کھا رہے ہو تو کہو، ''یا اللہ! آپ نے کیسا اچھا کھانا دے دیا''۔ بس دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ باتیں کرتے رہو۔ یہ ہے جڑنے کا طریقہ اور جتنا جڑو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ

## حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوبصورت دعا

اصل طریقہ یہ ہے کہ دل کے خیالات کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دو۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا مانگی کہ:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِىْ خَشْيَتَكَ وَ ذِكْرَكَ

وَاجْعَلْ هِمَّتِيْ وَ هَوَايَ فِيْمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى "(۱)

اے اللہ! میرے دل کے جو خیالات ہیں ان کو بدل کر اپنی خشیت اور اپنی یاد میں تبدیل فرما دے اور میرے ارادے اور میری خواہشات کو اپنی رضا کے تابع بنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو اس طرح کردے اور ہمارے دلوں کا رُخ اپنی طرف پھیر دے۔ (آمین)

## دل کی سوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنی چاہیے

حضرت والد صاحب اس کی یہ مثال دیا کرتے تھے کہ جیسے ''قطب نما'' کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے، اس قطب نما کو جس طرف چاہو گھماؤ پھراؤ، لیکن اس کی سوئی شمال کی طرف ہی رہے گی۔ اسی طرح تمہارے دل کی سوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنی چاہیے۔ چاہے تم کسی بھی کام میں مشغول ہو، حضرت والد صاحب اپنے شیخ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ ''اب مجھے ایسا لگتا ہے کہ جس طرح ''قطب نما'' کی سوئی ''شمال'' کی طرف رہتی ہے۔ الحمد للہ! اب میرے دل کی سوئی آپ کے ارشادات کی طرف رہتی ہے۔'' انسان جب اس کی مشق کرتا ہے تو یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے، ناممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ کیفیت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) زہر الفردوس ۲ / ۲۶۰ (۵۷۶)

# دعا نمبر ۲۶

## ''عباد الرحمٰن'' پہلا حصہ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ
اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۲۶ ''عباد الرحمٰن'' پہلا حصہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر اپنے نیک بندوں کی وہ صفات ذکر فرمائی ہیں جو اللہ جل شانہ کو پسند ہیں اور جن کا حاصل کرنا ایک مؤمن کے لئے ضروری ہے اور اس کے بغیر نہ دنیا درست ہوسکتی ہے اور نہ آخرت درست ہوسکتی ہے۔ ان مختلف مقامات میں سے ایک مقام ''سورۂ فرقان'' کا آخری رکوع ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ''رحمٰن کے بندوں'' کا عنوان اختیار فرما کر وہ صفات بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا

خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۱)

## ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کا لقب

فرمایا کہ ''رحمٰن'' کے بندے وہ ہیں، کون ہیں؟ جن کی صفات آگے بیان کی گئی ہیں۔ اس کا عنوان ہی یہ بتا رہا ہے کہ ان کی اصل صفت جو اللہ جل جلالہ کو محبوب ہے اور جو اُن کے لئے طرۂ امتیاز کے طور پر بیان کی گئی ہے وہ ''بندگی'' ہے ''رحمٰن کے بندے'' دنیا میں اگر کسی کو بڑا کہا جائے تو اس کے لئے طرح طرح کے القاب استعمال ہوتے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ نے اپنے نیک بندوں کا جو ''لقب'' اختیار فرمایا ہے وہ ''لقب'' بھی بڑا پیارا ہے کہ یہ ''رحمٰن کے بندے'' ہیں۔ یعنی ان کی اصل صفت ''بندگی'' ہے۔ ان لوگوں نے اپنے دل میں بٹھا لیا ہے کہ میں ''رحمٰن کا بندہ'' ہوں۔

## ''رحمٰن'' کی صفت سے اشارہ

''رحمٰن'' کی صفت لا کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ واللہ سبحانہ اعلم جس ذات نے کسی کو رحمتوں سے ڈھانپا ہوا ہو۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کی رحمتیں ہیں، جن میں انسان ڈھکا ہوا ہے تو اس ذات کا ''جو بندہ'' ہوگا وہ اپنے آقا کا سب سے زیادہ فرمانبردار ہوگا۔ ''آقا'' سے بہت زیادہ محبت کرنے والا ہوگا۔ ''آقا'' کی ہر بات کو ماننے والا ہوگا اور اس کے اشاروں کو بھی دیکھنے والا ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ''غلامی'' کا نظام اس وقت نہیں ہے، لیکن جس زمانے میں غلامی کا

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۳)

نظام تھا تو جو آقا ہوتا تھا وہ غلام کے لئے سب کچھ ہوتا تھا۔ یعنی وہ آقا غلام کا مالک ہوتا تھا اور ''مالک'' ہونے کے ناطے وہ غلام سے جو کام چاہتا کروالیتا تھا۔

## ظالم آقا کے غلام کا طرزِ عمل

فرض کرو کہ آقا جابر اور ظالم قسم کا ہے اور وہ غلام کو کوڑے مار کر کام کراتا ہے، وہ ''غلام'' اس ظالم کے کام تو پھر بھی کرے گا، کیونکہ وہ غلام ہے تو وہ تو کام کرے گا، اب چاہے خوشی سے کرے، چاہے ناراضگی سے کرے، لیکن اس غلام کے دل میں ایسے ظالم آقا کے لئے ایسا جذبہ نہیں ہوگا کہ وہ یہ سوچے کہ یہ میرا آقا ہے تو میں اس کی ہر بات مانوں۔ ہر وقت اس غلام کو ''کوڑا'' نظر آرہا ہے، اس کی وجہ سے وہ اس آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے، لیکن اس کے دل میں آقا کی کوئی محبت نہیں۔ اس لئے کہ وہ ظالم اور جابر ہے۔

## خیال رکھنے والے آقا کے غلام کا طرز

اور ایک آقا وہ ہے جو صبح سے لے کر شام تک اپنے غلام کا خیال رکھتا ہے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو، یہ آرام سے رہے اور اس کی نیند بھی پوری ہو، اور کوئی کام ایسی مشقت کا اس سے نہ لوں جو اس پر بھاری ہوجائے، پیار سے اس کو پکارتا ہے، پیار سے اس سے معاملہ کرتا ہے، پیار سے اس کو کوئی حکم دیتا ہے۔ پیار سے اس سے باتیں کرتا ہے، ایسے آقا کا جو غلام ہوگا، وہ اپنے آقا پر فریفتہ ہوگا کہ یہ آقا تو مجھے مار بھی سکتا ہے، مجھے ڈانٹ بھی سکتا ہے، لیکن اس آقا نے مجھے اتنا پیار سے رکھا ہوا ہے، اتنی شفقت اور محبت سے رکھا ہوا ہے کہ میں اس کی

شفقتوں میں نہال ہوں۔ اس غلام کے دل میں آقا کی جو محبت ہوگی، اس کی جو عظمت ہوگی، وہ پہلے والے غلام کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگی۔

## ''الرحمٰن'' کی صفت لانا

اسی طرح یہاں پر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو فرمایا کہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ''عباد الجبار'' نہیں فرمایا ''عباد القھار'' نہیں فرمایا بلکہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' فرمایا کہ یہ ''رحمٰن'' کے بندے ہے، جس ''رحمٰن'' نے ان کو اپنی نعمتوں میں نہلایا ہوا ہے اور یہ دل میں اس بات کا تصور رکھتے ہیں کہ میں ایک ایسی ذات کا بندہ ہوں اور اس کا غلام ہوں، جس کی نعمتوں میں صبح سے لے کر شام تک نہایا ہوا ہوں جو بندہ دل میں یہ بات رکھے گا کہ میں ''رحمٰن'' کا بندہ ہوں تو وہ بندہ اس کی اطاعت، اس کی تابعداری، اس کی فرمانبرداری محض زور زبردستی سے نہیں کرے گا۔ بلکہ دل سے اس کی فرمانبرداری کرے گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا تمغہ کوئی اور نہیں ہوسکتا، جو تمغہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کے عنوان سے دیا ہے جو تمغہ آقا اپنے غلام کو دے یا جو مالک اپنے بندے کو دے ''بندگی'' ان کی سب سے اعلیٰ صفت ہے۔

## ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی پہلی صفت: ''تواضع''

ان کی ''بندگی'' کا جو مظاہرہ ہے، وہ ان صفات سے واضح ہے، چنانچہ ان کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ:

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

یعنی ''رحمٰن'' کے بندے وہ ہیں جو زمین پر ''عاجزی'' سے چلتے ہیں اور اگر نادان لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ سلامتی کی بات کرتے ہیں۔

اب یہاں ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی سب سے پہلی صفت جس کو سب سے مقدم فرمایا، وہ یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ زمین پر عاجزی سے کیوں چلتے ہیں؟ اس لئے عاجزی سے چلتے ہیں کہ دل میں ''تواضع'' ہے اور اس کے ذریعہ سے ''تواضع'' کی تعریف کرنا مقصود ہے اور اس کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے۔ نماز کا ذکر بعد میں آرہا ہے، لیکن پہلا وصف جو مطلوب ہے، وہ ہے ''تواضع'' اور ''بندگی'' کا پہلا سبق ''تواضع'' ہے۔

## ''تواضع'' کے معنی

''تواضع'' کے کیا معنی ہیں؟ ''تواضع'' کا مطلب یہ ہے کہ انسان دل میں یہ سمجھے کہ میری کوئی حقیقت نہیں۔ دل میں یہ سمجھے، صرف زبان سے کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر زبان سے یہ کہہ دیا کہ ''میں ناچیز ہوں''، ''ناکارہ ہوں'' صرف یہ تواضع نہیں ہے۔ جب تک دل میں بھی یہ بات نہ ہو کہ واقعی میری کوئی حقیقت نہیں، میں تو گندہ قطرہ تھا، اس گندے قطرے کو ہی میرے مالک نے خون بنادیا، اس کو لوتھڑا بنادیا، اس کی ہڈیاں بنادی اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا: ''ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ'' پھر ہم نے اس کو ایک اور چیز ہی بنادیا۔ ''فَتَبٰرَكَ

اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ''(۱)۔

## انسان اپنے کمالات میں گم رہتا ہے

اگر آدمی کو اپنی یہ حقیقت مستحضر رہے تو یہ ''تواضع'' ہے، ورنہ زبان سے کہنے کو تو میں بھی کہہ لوں گا اور ہر آدمی کہہ دے گا کہ ''میری کوئی حقیقت نہیں ہے'' لیکن کسی متواضع کی صحبت کے بغیر یہ بات دل میں جاگزیں نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان اپنے ہی ''کمالات'' میں گم رہتا ہے، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں، میرا علم دیکھو، میرا کمال دیکھو، میری تجارت دیکھو، میری دولت دیکھو، میرا مکان دیکھو، میری کار دیکھو، میرے اثرات دیکھو، میری شہرت دیکھو، لوگوں میں میری مقبولیت دیکھو۔ انسان بس اس میں گم رہتا ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے پوچھو تو وہ یہ کہے گا کہ میری حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ عقیدہ تو ہے، لیکن ''عقیدہ'' اور چیز ہے اور اس ''عقیدے'' کے نتیجے میں زندگی پر اس کا ''عکس'' یہ اور چیز ہے۔

## اپنی ظاہری خوبیوں کا ''مراقبہ'' کرتا رہتا ہے

اس لئے کہ دن رات جس چیز میں وہ گم ہے، وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ میں عالم ہوں، میری اتنی تصانیف ہیں، میرے اتنے بیانات ہیں، اتنے لوگ میرے گرویدہ ہیں، میری بات کا لوگوں پر اثر ہوتا ہے۔ لوگ میرے گرد گھومتے ہیں، چار دانگِ عالم میں میرا شہرہ ہے، تجارت میں میرا اعلیٰ مقام ہے، دوسرے لوگ

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱٤)

میرے آگے کیا ہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ ''عقل'' تو کہہ رہی ہے کہ تو کچھ نہیں ہے، لیکن ''دماغ'' اور ''عملی جذبات'' اس حقیقت پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور انسان اپنی ظاہری خوبیوں کا ''مراقبہ'' کرتا رہتا ہے۔

## کمالات پر نظر کا اثر چال ڈھال پر

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ''مراقبہ'' کرنا تھا، اور اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ کرنا تھا، لیکن انسان ہر وقت اس مراقبہ میں رہتا ہے کہ ''میں نے یہ کام اچھا کرلیا''، ''یہ کام میں نے اچھا کرلیا''، ''مجھے یہ کمال حاصل ہوگیا'' بس! صبح شام اس کے مراقبہ میں لگا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''تواضع'' اصل نہیں، بلکہ اپنے کمالات پر نظر ہے کہ ان کمالات کی وجہ سے مجھے دوسروں پر فوقیت حاصل ہے اور کمالات پر نظر کا اثر انسان کی چال ڈھال پر پڑتا ہے۔ اب چلے گا تو ذرا اکڑ کر چلے گا اور یہ سمجھ کر چلے گا کہ میں بڑا ہوں اور دوسرے چھوٹے ہیں۔ میں کامل ہوں۔ دوسرے ناقص ہیں۔ میں افضل ہوں۔ دوسرے فضول ہیں، اس لئے جب وہ چلے گا تو سینہ تان کر چلے گا۔

## تواضع کا اثر چال ڈھال پر

اور جس شخص کے دل میں ''تواضع'' عقیدۃً ہی نہیں، بلکہ مراقبۃً اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے، اس کو اپنا کوئی کارنامہ نظر ہی نہیں آتا۔ اس کے دل میں تواضع کی بنیاد پڑ چکی ہوگی اور اس کا ''مراقبہ'' کرتا ہوگا تو اس کی تواضع کا اثر اس کی چال ڈھال پر بھی ظاہر ہوگا، کیا اثر ظاہر ہوگا کہ:

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا[1]

کہ وہ لوگ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔

عاجزی سے چلنے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بہ تکلف اپنے آپ کو عاجز بنا کر چلے۔ اگر بہ تکلف عاجز بنا کر چلے گا تو یہ ''عین تکبر'' ہے اور ''عین ریاکاری'' ہے۔ عاجزی سے چلنے کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔ یقین کریں کہ حقیقی متواضع جب چل رہا ہوتا ہے تو جتنے آدمی اس کو نظر آرہے ہوتے ہیں، ان سب سے اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہے اور جب اپنے آپ کو کمتر سمجھے گا تو وہ کیسے اکڑے گا؟ ایسا شخص طبعاً ہی عاجزی کے ساتھ چلے گا۔

## ایسی چال تواضع کے منافی نہیں

اگر کسی کی طبعی رفتار ہی اس قسم کی ہو کہ اور ایسی رفتار تکبر کی وجہ سے نہیں ہو رہی ہے اور نہ وہ تکلف کر رہا ہے اور وہ کسی دوسرے کو حقیر نہیں سمجھتا، وہ جانتا ہے کہ میں تکبر کرنے والا نہیں ہوں، ایسے شخص کی چال میں اس طرح کی کوئی چیز نظر آ بھی جائے تو وہ اس کے تواضع کے منافی نہیں، لیکن جو آدمی تکلف کے ساتھ چلے اور اس تکلف ہی کو اپنی عادت بنا لے اس کے بارے میں فرمایا:

لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا[2]

زمین پر اکڑ کر مت چلا کرو۔

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (٦٣)

(۲) سورۃ الاسراء: آیت (٣٧)

بہر حال! انسان پر تکبر کے جو اثرات ہوتے ہیں وہ بعض اوقات اس کی چال پر بھی آجاتے ہیں۔ اس لئے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ: ''الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا''۔

## ''تکبر'' کا اثر آواز پر

بعض اوقات انسان کے تکبر کا اثر اس کی آواز پر بھی آجاتا ہے، اس لئے کہ جب طبیعت میں تکبر ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو ایسے شخص کی آواز بھی بلند ہو جاتی ہے۔ اور ایسا شخص یہ سمجھتا ہے کہ سب لوگ بیوقوف ہیں، میں عقلمند ہوں۔ جو بات میں بولوں گا، اور جو میں سوچوں گا، وہی افضل ہوگی۔ کسی دوسرے کی بات قابلِ قبول نہیں، بس میری بات قابلِ قبول ہے۔ میں جو کہوں وہ سچ اور حق ہے اور دوسرے لوگ اس کے خلاف کہہ رہے ہیں تو وہ غلط ہیں، بیوقوف ہیں، پاگل ہیں، بد سلیقہ ہیں اور جب ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے تو ایسے شخص کی آواز بھی بلند ہو جاتی ہے۔

## حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے کو نصیحت

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائیں، وہ سورۂ لقمان میں آئی ہیں، اس نصیحت میں انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ [1]

---

(۱) سورۃ لقمان: آیت (۱۹)

یعنی اپنی چال میں بھی اعتدال رکھو۔ یعنی تکلف نہ کرو، جیسی طبعی چال ہے اس کے مطابق چلو، نہ تکبر و کرو، نہ تواضع تکلفاً اختیار کرو۔ اور اپنی آواز کو پست رکھو، زور سے بولنے سے منع فرمایا اور پھر آگے زور سے بولنے کو تشبیہ دی کہ:

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ

کہ ساری مخلوقات کی آوازوں میں سب سے بھدی آواز گدھے کی ہوتی ہے وہ بلند آواز سے بولتا ہے۔

## ''تواضع'' مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے

لہٰذا عاجزی سے چلنا، اور دھیمے انداز میں گفتگو کرنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں ''تواضع'' کی شمع روشن ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی۔ لیکن یہ چیز بڑے مجاہدات سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اپنی حقیقت سمجھے کہ ''میں کچھ نہیں ہوں'' اور جب کسی انسان کو دنیا میں کچھ اوصاف عطا ہو جاتے ہیں، مثلاً کوئی اعلیٰ درجے کا عالم بن گیا، کوئی اعلیٰ درجے کا ڈاکٹر بن گیا، کوئی اعلیٰ درجے کا انجینئر بن گیا۔ اب ایسا شخص اپنے کمال کی نفی تو نہیں کر سکتا۔ مثلاً جو شخص عالم ہے، وہ یہ تو نہیں کہے گا کہ میں نے درسِ نظامی نہیں پڑھا ہے۔ لہٰذا جب ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں درسِ نظامی کا فاضل ہوں، یا میں ڈاکٹر ہوں یا میں انجینئر ہوں، لیکن اس کے دل میں یہ بات ہے کہ میں حقیقت میں خود سے کچھ نہیں ہوں، بلکہ میرے مالک نے مجھے ایسا بنایا ہے، یہ اس کی عطا ہے۔ میں اگر دولتمند ہوں تو یہ خود سے نہیں ہوں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے۔

## شیطان انسان کو کیا سبق پڑھاتا ہے؟

اس بات کا استحضار رکھنا اور دھیان رہنا، مجاہدات اور بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے، ورنہ شیطان انسان کو اسی چکر میں لگائے رکھتا ہے کہ تو ہی سب کچھ ہے، اگر کوئی اس سے پوچھے تو وہ یہ کہے گا کہ میرا یہ عقیدہ ہے، میرا یقین ہے کہ میری حقیقت کچھ نہیں، جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، لیکن خدا کے بندے تیرا طرزِ عمل کیا ہے؟ تو طرزِ عمل سے ظاہر کرتا ہے کہ ''میں کچھ کمال رکھتا ہوں''۔

## ''اکمل'' سمجھنا جائز ہے

بزرگوں نے ایک بات یہ بھی بیان فرمائی کہ اپنے آپ کو ''اکمل'' سمجھنا تواضع کے خلاف نہیں۔ لیکن اپنے آپ کو ''افضل'' سمجھنا غلط ہے۔ ''اکمل'' سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھنا کہ دوسروں کے مقابلے میں مجھے یہ کمال زیادہ حاصل ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے MA اور PHD کرلیا ہے وہ یہ سمجھے کہ یہ میٹرک کرنے والا مجھ سے زیادہ کامل نہیں ہے یا وہ یہ سمجھے کہ میں نے جو ڈگریاں حاصل کی ہیں وہ اس کے مقابلے میں اعلیٰ درجہ کی ہیں تو ایسا سمجھنے میں کوئی حرج نہیں۔

## ''اکمل'' سمجھنا بھی تکبر ہو جاتا ہے

لیکن دو خرابیاں ہیں۔ ایک یہ کہ اس شخص کا یہ سمجھنا کہ میں فلاں سے زیادہ پڑھا ہوا ہوں، لیکن یہ پڑھائی کا کمال کیا مجھے خود حاصل ہو گیا؟ کیا میرے اندر بذاتِ خود ایسی بات تھی کہ جس کے نتیجے میں یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے؟ نہیں! بلکہ یہ ''کمال'' اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس بات کا مراقبہ، استحضار اور دھیان

نہیں ہے تو پھر انسان کا اپنے کو دوسرے سے کسی صفت میں ''اکمل'' سمجھنا بھی تکبر ہے۔

## ''افضل'' سمجھنا کسی طرح بھی جائز نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ ''اکمل'' سمجھنا تو چلو درست ہے، لیکن ''افضل'' سمجھنا! یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ تجھے کیا پتہ کہ کون ''افضل'' ہے۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهٗ (۱)

بعض لوگ جن کے بال پراگندہ، غبار آلود، اور اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو لوگ دھکے دے کر نکال دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا یہ مقام ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم بھی کھالیں کہ ''اللہ کی قسم! یہ کام ہوگا'' تو اللہ تعالیٰ وہ کام کروالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے قرب کا یہ مقام ہوتا ہے۔

## میں اس شخص سے افضل ہوں

ایک آدمی ہے، جس کی داڑھی نہیں ہے اور مسجد میں بھی نہیں آتا، پتہ نہیں کہ نماز پڑھتا ہے یا نہیں؟ آوارہ لوگوں کے ساتھ پھر رہا ہے، آپ یہ کہیں کہ میں اس شخص سے افضل ہوں، کیونکہ یہ آوارہ پھر رہا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیا پتہ

---

(۱) صحيح مسلم ٤ / ٢٠٢٤ (٢٦٢٢)

اس کا کون سا کام اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کو تم حقیر سمجھنے لگو اور اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھو، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں اور یہ تکبر ہے۔

## اپنی حقیقت سامنے رکھو

بہر حال! ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ یعنی تواضع اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنی حقیقت ہر وقت سامنے رکھو کہ تم کیا ہو؟ تم کیا تھے؟ اور اب کیا ہو؟ کیا تم اپنی قوت بازو سے اس حالت تک پہنچے ہو؟ یا اپنے ذاتی کمالات کے نتیجے میں اس حالت میں پہنچے ہو؟ یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوئے؟ اس بات کا جب آدمی بار بار مراقبہ کرتا ہے اور استحضار کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں وہ تواضع پیدا فرما دیتے ہیں جو تواضع مطلوب ہے۔

## ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی دوسری صفت

پھر ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا [1]

یعنی جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو یہ سلامتی کی بات کرتے ہیں۔

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۳)

اور ''جاہل'' کے معنیٰ ''نادان'' کے ہوتے ہیں۔ یعنی نادان لوگ جب ان سے بات کرتے ہیں تو یہ لوگ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ اب ایک شخص صحیح کام کر رہا ہے اور دوسرا شخص بلاوجہ اس پر اعتراض کر رہا ہے۔ وہ بلاوجہ اعتراض اس لئے کر رہا ہے کہ اس کو حقیقتِ حال کا پتہ نہیں ہے، وہ جاہل، نادان ہے، اس لئے اعتراض کر رہا ہے۔

## ''جہالت'' کے معنیٰ ''لڑائی جھگڑا''

''جہالت'' کے دوسرے معنیٰ ہوتے ہیں ''لڑائی جھگڑا'' عربی زبان میں ''جہالت'' کا لفظ لڑائی جھگڑے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سبعہ معلقہ کا ایک شعر ہے:

اَلَا لَا یجهلن احد علینا
فنجهل فوق جهل الجاهلین(۱)

کوئی ہمارے ساتھ جہالت کی بات نہ کرے، یعنی لڑائی نہ کرے، ورنہ پھر ہم بھی اس کے ساتھ جہالت کا ایسا معاملہ کریں گے کہ جاہلوں سے بھی آگے بڑھ جائیں گے۔

اب شعر میں جہالت سے مراد لڑائی ہے "جَاهِلُوْنَ" کے معنیٰ اس آیت میں جھگڑے کے بھی ہو سکتے ہیں کہ جب جھگڑا کرنے والے لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو یہ اس کے جواب میں "سَلَامًا" کہتے ہیں۔

---

(۱) سبعہ معلقة، پانچواں معلقہ، معلقہ عمرو بن کلثوم تغلبی

## "سَلٰمًا" کے دو مطلب

"سَلٰمًا" کے بھی دو مطلب ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ وہ سلامتی کی بات اور شرافت کی بات کہتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ لفظ "سلام" کہتے ہیں اور سلام سے مراد رخصتی، کہ معاف کرنا، اب آئندہ میں آپ سے کچھ بات کرنے والا نہیں ہوں۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا تھا کہ:

سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ (۱)

اور دوسری جگہ قرآنِ کریم نے خود کہا کہ:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (۲)

ایک "سلام" وہ ہوتا ہے جس کا مقصد سلامتی کی دعا دینا اور "تحیۃ" کرنا "السلام علیکم" اور ایک سلام ہوتا ہے "رخصتی والا" کہ اچھا بھائی! "السلام علیکم" یعنی اب ہم تم سے بات نہیں کریں گے، اب ہم جا رہے ہیں۔

## "جھگڑا" اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے

لٰہذا "عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" کی ایک صفت یہ ہے کہ جب جاہل لوگ جھگڑا کرنے والے ان سے کوئی خطاب کرتے ہیں تو جواب میں یہ لوگ ایسا نہیں

---

(۱) سورۃ مریم: آیت (٤٧)

(۲) سورۃ القصص: آیت (٥٥)

کرتے کہ یہ بھی جہالت پر اتر آئیں۔ نہیں! بلکہ یہ لوگ ان کے ساتھ ''سلامتی'' کی بات اور شرافت کی بات کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جھگڑے میں نہیں پڑتے۔

یہ ''جھگڑا'' اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے اور انتہائی مکروہ چیز ہے یہ وہ چیز ہے جس کی خاطر ''شبِ قدر'' کی تعیین اٹھائی گئی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شب قدر کی تاریخ بتا دی گئی تھی کہ فلاں تاریخ کو شبِ قدر ہوگی۔ لیکن جب تاریخ بتانے کیلئے باہر نکلے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اس لڑائی کی نحوست کی وجہ سے آپ بھول گئے کہ وہ کون سی رات تھی اور اللہ تعالیٰ کو بھلانا بھی مقصود تھا۔[1]

## ''جھگڑا'' علم کا نور لے کر چلا جاتا ہے

فرمایا کہ ''جھگڑا کرنا'' شیطان کو اپنے گھر میں مقیم کرنے کے مترادف ہے۔ چاہے گھر والے آپس میں جھگڑا کر رہے ہوں یا کسی باہر کے آدمی سے جھگڑا کر رہے ہوں۔ یہ جھگڑا ''روحانیت'' کو ختم کر دیتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْمِرَاءُ یَذْهَبُ بِنُوْرِ الْعِلْمْ[2]

فرمایا کہ ''جھگڑا'' علم کا نور لے کر چلا جاتا ہے، علم کا نور زائل کر دیتا ہے۔ تم اچھے خاصے آدمی ہو، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو، قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے

(۱) صحیح البخاری ۳ / ٤٧ (۲۰۲۳)
(۲) ترتیب المدارك باب اتباعه السنن ۲ / ۳۹

ہو، نماز پڑھتے ہو، نفلیں پڑھتے ہو، لیکن طبیعت میں جھگڑا کرنے کی عادت ہے، ذرا ذرا سی بات پر لوگوں سے الجھ جاتے ہو، جھگڑا شروع کر دیتے ہو تو ذکر کرنے سے، تلاوت سے اور نمازیں پڑھنے سے جو نور پیدا ہوا تھا، وہ سب نور اس لڑائی جھگڑے کے نتیجے میں ختم ہو جائے گا۔

## ''مناظرہ'' آج کل بھی جھگڑا ہے

میں کہتا ہوں کہ جھگڑا ''روحانیت'' کا نور زائل کر دیتا ہے وہ چاہے ہاتھا پائی کا جھگڑا ہو یا باتوں کا جھگڑا ہو کہ یہ اس کو برا بھلا کہہ رہا ہے وہ اس کو برا بھلا کہہ رہا ہے، یہ اس کی تردید کر رہا ہے، وہ اس کی تردید کر رہا ہے۔ یا ''مناظرے'' کی طرح ہو اس لئے آج کل کے ''مناظرے'' درحقیقت جھگڑے ہیں۔ ''مناظرہ'' کے اصل معنیٰ تھے ''اجتماعی غور وفکر'' اور ''نظر کرنا'' یعنی غور کرنا ''مناظرہ'' بابِ مفاعلہ سے ہے اور بابِ مفاعلہ کی خاصیت مشارکت ہے۔ یعنی باہم بیٹھ کر غور وفکر کرنا کہ اس کا کیا مطلب ہونا چاہئے۔ اس کا کیا نتیجہ نکلنا چاہئے؟ اور غور وفکر کے اندر ایک دوسرے کو سمجھانے میں مدد کر رہے ہیں۔ یہ تھا اصل ''مناظرہ'' لیکن آج کل مناظرہ ''مجادلہ'' یعنی جھگڑے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

## ''مناظرے'' سے فائدہ نہیں ہوتا

اس لئے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ''مناظرے'' سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ الاّ یہ کہ بعض خاص خاص مقامات پر ''مناظرے'' کی ضرورت پڑ جاتی

ہے۔ جیسے وہ لوگ جو کھلے اہلِ باطل ہیں۔ ان کے ساتھ بعض اوقات مناظرے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ بہرحال! یہ جو فرمایا کہ "عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" کی یہ صفت بیان فرمائی کہ جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ ان سے "سلامتی" کی بات کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھگڑے سے پرہیز کرتے ہیں۔

## جھگڑا چھوڑنے پر جنت کی بشارت

"رحمٰن" کے بندے ہونے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ "تواضع" ہو اور دوسرے یہ کہ "جھگڑے" سے پرہیز ہو، اگر یہ بات ہمارے دل میں بیٹھ جائے تو ہماری بہت سی بیماریاں خود بخود ختم ہوجائیں، بہت ساری بیماریاں ہمارے اندر پائی جاتی ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ "تواضع" کی حقیقت حاصل نہیں اور جھگڑے کی شناعت دل میں نہیں ہے۔ آدمی سب کچھ گوارہ کرلے، لیکن جھگڑے سے پرہیز کرے۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ اَعْلَى الْجَنَّةِ وَ بِبَيْتٍ فِيْ وَسْطِ الْجَنَّةِ وَ بِبَيْتٍ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ (۱)

میں اس شخص کو جنت کے اندر گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، حق پر ہے، اور چاہے اپنے حق کو ثابت کرسکتا ہے اور اس حق کے مطابق اپنا فائدہ حاصل کرسکتا ہے، لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ کون

---

(۱) سنن أبي داؤد ۵ / ۳۵۵ (۴۷۶۷) والمعجم الکبیر للطبرانی ۸ / ۱۸۶ (۷۷۷۰) ومسند الرویانی ۲ / ۲۷۹ (۱۲۰۰)، وسنن الترمذی ۳/ ۵۳۰ (۱۹۹۳) وقال هذا الحديث حديث حسن۔

اس جھگڑے میں پڑے۔

## جائیداد پر شوہر اور بیوی کے جھگڑے کا واقعہ

مجھے یاد آیا۔ حضرت والد صاحب کے زمانے میں ایک خاتون تھیں، ان کا اپنے شوہر سے بہت جھگڑا رہتا تھا اور جھگڑے کی بنیاد یہ تھی کہ ایک جائیداد تھی۔ بیوی کہتی کہ یہ جائیداد میری ہے اور شوہر کہتا کہ یہ جائیداد میری ہے۔ کچھ دلائل بیوی کے حق میں جا رہے تھے اور کچھ دلائل شوہر کے حق میں جا رہے تھے۔ حضرت والد صاحب نے ان خاتون کو یہ حدیث سنائی کہ دیکھو حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ خاتون نے کہا: اچھا جی! جب حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلانے کی ذمہ داری لی ہے تو پھر یہ گھر کیا چیز ہے؟ میں بس گھر کو چھوڑتی ہوں اور دست بردار ہوتی ہوں۔ بس لڑائی ختم ہوگئی۔ یہ جھگڑا بڑی خراب چیز ہے۔

## خلاصہ

آج کی مجلس میں ہمیں یہ دو سبق ملے۔ ایک یہ کہ اپنی حقیقت سمجھ کر ہر اس عمل سے پرہیز کرنا جس میں سے تکبر کی بو آتی ہو۔ چاہے وہ چال ڈھال میں ہو، چاہے گفتگو میں ہو، چاہے آواز بلند کرنے میں ہو، چاہے جھگڑے میں ہو۔ اور دوسرا سبق یہ ہے کہ حتی الامکان لڑائی جھگڑوں سے اجتناب کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۲۶

## ''عباد الرحمٰن'' دوسرا حصہ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ
هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۲۶ ”عباد الرحمٰن“ دوسرا حصہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ اتوار کو میں نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کے بارے میں عرض کیا تھا کہ مناجاتِ مقبول میں آگے جو دو دعائیں آنے والی ہیں۔ ان کا تعلق ”سورۃ الفرقان“ سے ہے۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی آیات ”عِبَادُ الرَّحْمٰنِ“ کی عظیم صفات کا مجموعہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ”رحمٰن کے بندے“ قرار دیا ہے۔ ”عِبَادُ الرَّحْمٰنِ“ کی سب سے پہلی صفت جو بیان فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ

الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (۱)

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۳)

یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ یعنی اکڑ کر نہیں چلتے۔ کیونکہ اکڑ کر چلنا یا سینہ تان کر چلنا، اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

## بندگی کا پہلا تقاضا ''تواضع''

قرآنِ کریم میں ''سورۂ بنی اسرائیل'' میں فرمایا:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا [1]

یعنی زمین پر اکڑ کر مت چلا کرو، کیونکہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ تم لمبائی میں پہاڑ کو پہنچ سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی بندگی کا خیال کرو اور اکڑ کر مت چلو۔ بلکہ عاجزی سے چلو۔

لہٰذا سب سے پہلے جو صفت بیان فرمائی، وہ یہ ہے کہ ''رحمٰن کے بندے'' زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، کیونکہ ان کا نام رکھا ہے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ''، ''رحمٰن کے بندے'' اور رحمٰن کا بندہ ہونے کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اللہ جل شانہ کا بندہ ہوں تو کبھی اس کے دل میں تکبر نہیں پیدا ہونا چاہئے۔ عجب نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ میں بہت اعلیٰ درجے کا آدمی ہوں۔ لہٰذا ''بندگی'' کا سب سے پہلا تقاضا ''تواضع'' ہے۔

## یہ تواضع نہیں

''تواضع'' کے کیا معنیٰ ہیں؟ اور وہ کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ اس کو ذرا

---

(۱) سورۃ الاسراء: آیت (۳۷)

اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے "تواضع" کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو عام طور پر ہم لوگ اختیار کرتے ہیں کہ جب ہم ذکر کریں گے تو اپنے آپ کو "احقر" کہیں گے، "ناچیز" اور "ناکارہ" کہیں گے۔ اپنے آپ کو "عاجز" اور "فقیر" کہیں گے، لیکن یہ سارے الفاظ جو ہم اپنے لئے استعمال کرتے ہیں، درحقیقت یہ الفاظ تواضع نہیں ہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ تواضع کا دکھاوا ہوتا ہے۔ تواضع کی "ریا" ہوتی ہے تا کہ دوسرا بندہ مجھے تواضع کرنے والا سمجھے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تواضع کرنے والا نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ حقیقت میں اپنے آپ کو "حقیر" اور "ناکارہ" سمجھتا ہے۔ اگر واقعی وہ اپنے آپ کو حقیر اور ناکارہ سمجھتا ہوتا تو جب اس نے کہا کہ "میں ناچیز ہوں"، "میں ناکارہ ہوں" دوسرا اس کے جواب میں یہ کہے کہ: "بیشک، آپ واقعی ناکارہ ہیں" تو اس کے جواب پر اس کو خوش ہونا چاہئے کہ اس نے میری بات کی تائید کردی، لیکن خوش ہونے کے بجائے اس کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اور اس کو یہ جواب پسند آتا ہے یا نہیں؟

## حقیقی تواضع یہ ہے

اس سے پتہ چلا کہ "ناکارہ" اور "ناچیز" کے جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں وہ رسمی الفاظ ہوتے ہیں، حقیقی تواضع نہیں ہوتی۔ حقیقی تواضع یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو واقعتاً یہ سمجھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، میری کوئی حقیقت نہیں، میرا کوئی ذاتی کمال نہیں، میری کوئی ذاتی صفت نہیں، اگر کچھ ہے تو وہ محض اللہ جل شانہ کی عطا ہے اور "عطا" ہونے کی وجہ سے وہ جب چاہے اس کو سلب کرلے۔

## اپنی صفات پر نظر کرنے سے تکبر پیدا ہوتا ہے

دراصل دل میں کبر، خود پسندی اور بڑائی اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنی صفات کے اوپر ناز کرنا شروع کر دیتا ہے۔ دیکھئے! ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صفات اور کچھ اچھائیاں دی ہیں۔ مثلاً کوئی خوبصورت ہے، اس کا چہرہ بہت اچھا ہے، یہ ایک اچھائی ہے۔ یا ایک آدمی کے پاس دولت ہے۔ دولت اللہ کی ایک نعمت اور اچھائی ہے۔ یا کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ عابد ہے۔ یہ ایک اچھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ یہ تمام صفات بسا اوقات انسان کے دماغ میں یہ بات ڈالتی ہیں کہ تو ان صفات کا حامل ہے، لہٰذا تو بہت اچھا آدمی ہے۔ مثلاً تو عالم ہے، اور تیرا علم بڑا وسیع ہے، عمیق ہے۔ لہٰذا تو بہت اچھا آدمی ہے۔

## یہ صفات اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

یہ چیز انسان کے اندر ''عجب'' اور ''کبر'' پیدا کرتی ہے، جبکہ ''تواضع'' یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ بیشک یہ صفات میرے اندر ہیں، لیکن ان صفات کے حصول میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے۔ بلکہ یہ محض اللہ جل شانہ کی عطا ہے اور جب اس کی عطا ہے تو میں کس بات پر ناز کروں؟ اور کس طرح اپنے آپ کو بہتر سمجھوں؟

## عارضی مکان پر تکبر نہیں ہوگا

مثلاً ایک آدمی نے آپ کو بہت شاندار اور عالی شان مکان دے دیا کہ

ایک ہفتہ کے لئے دے دیا کہ ایک ہفتہ کے لئے میرے اس مکان میں قیام کریں۔ وہ مکان تمام سہولتوں سے آراستہ ہے۔ جس وقت تم اس مکان میں رہائش پذیر ہو، کیا اس وقت تمہارے دماغ میں یہ خیال آئے گا کہ میں اس کا مالک ہوں؟ چونکہ میں مالک ہوں، لہٰذا میں بڑا آدمی ہوں۔ آپ کے دماغ میں مالک ہونے کا خیال نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ آپ کو یقین ہے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں ہوں، بلکہ اس شخص کا احسان ہے کہ اس نے ایک ہفتہ کے لئے بطور رہائش کے مجھے دے دیا ہے، میں تو ایک جھونپڑے کا بھی مستحق نہیں تھا، میں تو سفر میں تھا اور میرے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ میں ہوٹل میں قیام کروں اور نہ میرے پاس کوئی اور ایسی جگہ تھی جہاں اطمینان سے قیام کرتا۔ اس اللہ کے بندے نے مجھے اچھی رہائش کا گھر دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

## میرا کوئی کمال نہیں

لیکن اس مکان کی وجہ سے اس کے دل میں کوئی اکڑ پیدا نہیں ہوگی کہ میں اس کا مالک ہوں۔ لہٰذا بندے کے اندر جتنی بھی صفات ہوتی ہیں، مثلاً ایک شخص بہت بڑا عالم ہے اور اس نے علم کے دریا بہا دیئے ہیں، اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ہے اب وہ عالم ناز کرنے لگے کہ میں نے تو اتنے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ یہ تکبر ہے لیکن اگر وہ عالم یہ سوچے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے علم کی بات دوسروں تک پہنچانے کی توفیق دی، چاہے زبانی طور پر، چاہے تحریری طور پر۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔

میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہوں اور اگر میں اپنی اصلیت پر غور کروں تو وہ یہ ہے کہ گندے پانی سے میری پیدائش ہوئی اور میں اس حالت میں دنیا میں آیا کہ نہ میرے بدن پر کوئی کپڑا تھا اور نہ میرے اندر کوئی صلاحیت تھی، پرورش کے لئے بھی دوسروں کا محتاج تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پرورش کردی۔ ماں باپ کو پرورش کا ذریعہ بنادیا۔ پھر میرے پاس علم بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے استادوں کو علم کا ذریعہ بنادیا، ان کے ذریعہ مجھے کچھ علم حاصل ہوگیا۔

## سب کچھ اللہ کا دیا ہے

لہٰذا جو کچھ "علم" مجھے ملا ہوا ہے وہ میرا ذاتی کمال نہیں بلکہ وہ محض اللہ جل شانہ کی عطا ہے اور وہ جب چاہے چھین لے۔ اس طرح دولت ہو، عزت ہو، شہرت ہو، علم ہو، عبادت ہو، کچھ بھی ہو وہ سب اللہ جل شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ چاہے تو دے دے، چاہے تو چھین لے۔ لہٰذا ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ کسی کا دیا ہوا ہے، میرا اپنا نہیں ہے اور جب میرا اپنا نہیں ہے تو میں کس بات پر ناز کروں؟ یہ ہے "تواضع" اور جب بندہ کسی ولی کی صحبت میں رہتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کے دل میں یہ باتیں آتی ہیں، اس کے بغیر وہ اکڑتا پھرتا ہے۔ کبھی اپنے علم پر ناز ہے، کبھی اپنی قدرت بیان پر ناز ہے، کبھی اپنے حسن پر ناز ہے، کبھی اپنی صحت پر ناز ہے۔ ارے! تمہارے پاس کیا ہے؟ اور کیا تم ان چیزوں کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے پر قادر ہو؟ نہیں!

## شیخ الہند کا واقعہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس کے اندر بڑی

عالمانہ اور عارفانہ تقریر کی، ایسی تقریر کہ جتنے سامعین تھے، ان کے دلوں پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی کہ ایسی ایسی باتیں سنیں، اور علمی نکتے، معرفت کے نکتے بیان فرمائے۔ جب بیان ختم ہوا تو لوگوں نے آپ کی تعریف کی کہ آج تو آپ نے حقائق اور معارف کے سمندر بہا دیئے۔ حضرت کو بھی احساس ہوا کہ یہ لوگ اس سے خوش ہو رہے ہیں۔ اس کمرے میں ایک روشن دان تھا، جس سے روشنی اور دھوپ آرہی تھی۔ حضرت نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ روشن دان سے جو روشنی اور دھوپ آرہی ہے یہ روشن دان کا کمال ہے کہ اس نے نور اور روشنی پیدا کر دی؟ ظاہر ہے کہ اس میں روشن دان کا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو سورج کا ہے جو اپنی روشنی پھینک رہا ہے۔ البتہ یہ روشن دان اس روشنی کا ذریعہ بن گیا اور وہ روشن دان تو بے جان ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورج کی روشنی ہم تک پہنچانے کا ذریعہ بنا دیا۔

## میری مثال ''روشن دان'' جیسی ہے

اسی طرح میں نے کچھ بھی بیان کیا، اس بیان میں میری حیثیت اس روشن دان کی سی ہے۔ جیسے یہ روشن دان اپنی ذات میں کچھ نہیں۔ اگر اس روشن دان کا دروازہ بند کر دو تو پھر کمرے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، لیکن سورج نے جب اپنی روشنی روشن دان پر پھینکی تو روشن دان نے اس روشنی کو آگے بڑھا دیا۔ فرمایا کہ میری مثال اس روشن دان جیسی ہے، لہٰذا کبھی یہ مت سمجھنا کہ میں نے کوئی بہت بڑا تیر مار دیا ہے اور اتنی اچھی تقریر کر دی ہے۔ دینے والا کوئی اور ہے وہی قلب پر وارد فرماتا ہے۔ بندہ کا کوئی کمال نہیں۔

## ملازم، غلام اور بندہ میں فرق

جب بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں ''رحمٰن'' کا بندہ ہوں اور بندہ سے زیادہ نچلی چیز کوئی اور نہیں ہوتی۔ ایک ''ملازم'' ہوتا ہے جو خاص وقت کے لئے اور خاص کام کے لئے ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہوتا ہے اور ایک ''غلام'' ہوتا ہے جو اپنے آقا کے حکم کے تابع ہوتا ہے، جس کام کا آقا نے حکم دیا وہ کام اس کو کرنا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے آقا کی بندگی اور عبادت نہیں کرتا۔ وہ اس آقا کو اپنا خالق اور اپنا رازق نہیں سمجھتا۔ ''بندہ'' وہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی کا پیدا کیا ہوا ہوں، وہی میرا خالق ہے، وہی میرا مالک ہے، وہی میرا رازق ہے مجھے علم دینے والا بھی وہی ہے، مجھے دولت دینے والا بھی وہی ہے، صحت دینے والا بھی وہی ہے، حسن دینے والا بھی وہی ہے، لوگوں میں میری عزت کرانے والا بھی وہی ہے، میں اس کے آگے سرِ تسلیم خم کروں گا، اس کے آگے سجدہ ریز ہوں گا، لہٰذا ''بندگی'' سب سے نچلا درجہ ہے۔

## ''بندہ'' کبھی کسی عمل پر ناز نہیں کرتا

لہٰذا جب بندہ اپنے آپ کو بندہ سمجھے گا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، تو کسی کے سامنے کیا غصہ کرے گا؟ کسی کے سامنے کیا ناز کرے گا؟ کیا وہ اپنے علم پر، اپنی صحت پر، اپنی قدرت پر ناز کرے گا، بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ جو کچھ ہے وہ اس کی عطا ہے، وہ دکھا بھی دیتا ہے، بڑے سے بڑا علامہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہ ہو تو وہ گمراہی کے راستے پر پڑجاتا ہے۔

## ''تواضع'' کا حاصل

بہر حال ''تواضع'' کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بندہ سمجھے اور جو بھی صفت اس کے اندر پیدا ہوئی ہے، اس کو اپنی صفت اور اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ دینے والے کی عطا سمجھے۔ یہ ہے ''تواضع'' جب آدمی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہی نہیں، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میں تو خالی ہاتھ ہوں، اگر مجھے نماز کی توفیق ہو رہی ہے تو یہ بھی میرے مالک کی دی ہوئی توفیق ہے۔ اگر مجھے اچھی بات کہنے کی توفیق ہو رہی ہے تو یہ بھی میرے مالک کا کرم ہے۔ مجھے اگر دولت مل گئی ہے تو یہ بھی میرے مالک کا کرم ہے۔ جب انسان کے دل میں یہ ''تصور'' جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کا نام ''تواضع'' ہے۔

## مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ ''تواضع'' اپنے آپ کو ''حقیر'' سمجھنے کا نام ہے۔ ''حقیر'' کہنے کا نام ''تواضع'' نہیں۔ اور حقیر کس کے سامنے؟ اللہ جل جلالہ کے سامنے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیر ہے تو اللہ کی مخلوق کے سامنے بھی وہ اپنے آپ کو اس طرح ظاہر نہیں کرے گا کہ دوسروں کی تحقیر کرے۔

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ[1]

---

(۱) مسند البزار ۱۳/ ۳۳۲ (٦٩٤٧) ومسند أبي يعلى ٦/ ٦٥ (٣٣١٥) كلاهما من حديث أنس بن مالك رضی الله عنه، وقال الهيثمی فی "المجمع" ٨/ ٣٤٩ (١٣٧٠٦)=

کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے، لہٰذا مخلوق کے ساتھ اس کا برتاؤ اس طرح کا نہیں کہ جس سے دوسرے کا دل دکھے۔ یا جس سے دوسرے کی تحقیر اور تذلیل ہو۔ بلکہ اس کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ عاجزانہ ہوگا۔ اس کا نام ''تواضع'' ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین

## تمہاری حقیقت تو یہ ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ جھگڑا ہوگیا تو اس نے کہا کہ ''تم جانتے نہیں میں کون ہوں؟'' یہ جملہ اس شخص کے منہ سے نکلتا ہے جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جانتے نہیں کہ میرا مرتبہ کیا ہے؟ اور میں کتنا بڑا آدمی ہوں؟ تم میرے سامنے حقیر آدمی ہو اور میرے ساتھ جھگڑ رہے ہو؟ دوسرے شخص نے اس کا جواب دیا کہ: ہاں! جانتا ہوں کہ تم کون ہو؟

أوّلك نطفة مذرة و آخرك جيفة قذرة و أنت بين ذالك تحمل العذرة [1]

تمہاری ابتداء ایک ناپاک اور حقیر نطفہ سے ہوئی تھی اور تمہاری انتہاء ایک

---

= وفيه يوسف بن عطيه الصفار، وهو متروك، وشعب الإيمان للبيهقي ٩/ ٥٢٣ (٧٠٤٩) من حديث عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، قال البيهقي: ضعيف. وزهر الفردوس ٤/ ٤٣١ (١٥١٣) من حديث أبي هريرة رضي الله عنه، ورواه عبد الله بن أحمد فى زوائد الزهد عن الحسن مرسلاً كما فى جمع الجوامع للسيوطى ١/ ١٦٩ (٦١٩) وذكره المناوى فى ''فيض القدير'' ١/ ١٧٤ (١٧٢)، وقال بإسناد ضعيف.

(١) تنبيه الغافلين ص ١٨٥، أدب الدنيا والدين للماوردى ص ٢٣٦

مردار جسم پر ہوگی۔ جس کو لوگ اپنے پاس رکھنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ جب مر جائیں گے تو لاش کو کوئی بھی اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرے گا، بدبو پھیلے گی، جلدی سے جاکر قبر میں دفن کردیں گے اور درمیان کے عرصہ میں تم ہر وقت نجاست اٹھائے پھر رہے ہو۔

## جسم نجاستوں سے بھرا ہوا ہے

اللہ تعالیٰ نے اس کھال کو ہماری نجاستوں کا پردہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی کھال کسی جگہ سے چیر دو تو اندر سے خون نکلے گا، پیپ نکلے گی، دونوں نجس ہیں اور تمہارا پیٹ نجاست سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کھال پر پردہ ڈال دیا ہے، جس کی وجہ وہ سب نجاستیں چھپی ہوئی ہیں ورنہ پورا جسم نجاست ہی نجاست ہے، لہٰذا تم جو کہہ رہے ہو کہ ''جانتے نہیں میں کون ہوں؟'' ہاں میں جانتا ہوں، تمہاری حقیقت یہ ہے، تو انسان کی حقیقت یہی ہے۔

## بیت الخلاء کی حالت کو سوچ لیا کرو

ایک آدمی لوگوں کے سامنے بڑا اکڑتا پھرتا ہے اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ وہ آدمی چاہے بادشاہ ہو، سرمایہ دار ہو، دولتمند ہو، جب کبھی کسی آدمی کو اپنی برائی کا خیال آئے تو ذرا یہ سوچ لیا کرے کہ جب میں بیت الخلاء میں بیٹھتا ہوں تو وہاں میری کیا حالت ہوتی ہے؟ کیا کوئی آدمی یہ چاہے گا کہ دوسرا آدمی مجھے اس حالت میں

دیکھے کہ میں بیٹھا ہوا ہوں اور میرے جسم سے نجاست نکل رہی ہے؟ ایسی نجاست جو بدبو سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن باہر نکل کر دوسروں کے سامنے اکڑتا پھرتا ہے۔ ارے تو وہی ہے جو چند لمحات پہلے بیت الخلاء میں اس حالت میں تھا کہ تو اس حالت میں دوسروں کا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اب کوٹ پتلون پہن کر اور ٹائی لگا کر اور اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہن کر باہر نکل آیا اور اب اکڑتا پھرتا ہے کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں۔

## ''خودرائی'' تواضع کے خلاف ہے

بہرحال: ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی سب سے پہلی صفت ''تواضع'' ہونی چاہئے۔ اب ایک آدمی اپنے آپ کو بڑا دانشمند سمجھتا ہے کہ میں بڑا عقلمند انسان ہوں اور اس کو اپنی رائے پر اتنا جزم ہوتا ہے اور ''خودرائی'' میں مبتلا ہوتا ہے کہ جو میں نے سمجھا، بس وہی ٹھیک ہے۔ دوسری ساری دنیا سب بیوقوف ہے اور جو میں کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے، ساری دنیا غلط ہے، میں صحیح ہوں۔ یہ بات دل میں کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اس لئے پیدا ہو رہی ہے کہ وہ آدمی اپنے رائے کو، اپنی عقل کو، اپنی سمجھ کو اپنا سمجھتا ہے اور اپنی سمجھنے کی وجہ سے دوسروں کی رائے کو حقیر سمجھتا ہے، حقیر جانتا ہے۔ اگر کوئی اس کے سامنے بولے تو وہ اس کا مذاق اڑا دے گا کہ تو ہمارے سامنے بول رہا ہے؟ تو ہمارے مقابلے میں اپنی رائے پیش کر رہا ہے؟ یہ ''خودرائی'' ہے جو بڑی زبردست بیماری ہے۔ یعنی ہر حالت میں اپنی رائے پر اتنا بھروسہ ہو جائے کہ دوسرے کی رائے سننے کو تیار ہی نہ ہو، بس جو میں نے سمجھا، وہ صحیح ہے، یہ ''تکبر'' ہے۔

## ہر کام مشورے سے انجام دو

جو آدمی ''تواضع'' کا حامل ہوگا وہ کبھی دوسرے کے مشورے سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔اسی لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ نصیحت فرمائی کہ جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، ''ضابطے کے بڑے'' اس لئے فرمایا کہ حقیقت میں بڑا کون ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ضابطہ میں باپ بڑا ہوتا ہے، بیٹا چھوٹا ہوتا ہے، استاد بڑا ہوتا ہے، شاگرد چھوٹا ہوتا ہے، شیخ بڑا ہوتا ہے، مرید چھوٹا ہوتا ہے۔ یہ سب ضابطے کے بڑے ہیں۔ حقیقت میں بڑا کون ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مرید شیخ سے آگے نکل جائے، شاگرد استاد سے آگے نکل جائے، بیٹا باپ سے کہیں آگے نکل جائے۔ لیکن ضابطے میں یہ سب بڑے کہلاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، ان سے اپنے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کا اہتمام کرو اور ان کے مشوروں کی بنیاد پر فیصلے کرو۔خودرائی سے نہ چلو، اور جب ضابطے کے بڑے ختم ہوجائیں تو پھر اپنے ہم رتبہ جو لوگ ہوں، ان سے مشورے کرو۔ مثلاً ایک استاذ کے دو شاگرد ہیں، وہ دونوں آپس میں ہم رتبہ ہیں، اگر استاذ نہ رہے تو ان شاگردوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے سے مشورہ کرے۔

## چھوٹوں سے بھی مشورہ کرو

اور جب برابر کے لوگ بھی نہ رہیں، یا میسر نہ ہوں تو پھر اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ کرو۔ اس وجہ سے تا کہ تمہارے دماغ میں یہ بات نہ آئے کہ میں

چونکہ بڑا ہوں، لہٰذا میری رائے ہمیشہ درست ہی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ چھوٹا کوئی اچھی رائے دے دے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈال دے۔ اچھی رائے آنا، یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات چھوٹے کی بات بھی کارآمد ہوجاتی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں موجود ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہاں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کہاں؟ وہ پیغمبر ہیں، ان پر وحی نازل ہو رہی ہے اور ان کا ہر وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہے، لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرما رہے ہیں کہ یہ صورتِ حال پیش آگئی ہے، بتاؤ! کیا کرنا چاہیے؟ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع بلا کر ان سے مشورہ ہیں کہ بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟

## حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رائے چھوڑ دی

بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مشورے پر اپنی رائے بھی چھوڑ دی۔ ''غزوۂ احد'' کے موقع پر آپ کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ نہ کیا جائے، بلکہ مدینہ میں محصور رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت جوشِ جہاد سے معمور تھی۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم باہر نکل کر مقابلہ کریں گے۔ آپ نے اپنی رائے چھوڑ دی اور ان کی رائے پر عمل کیا ہے۔[1]

---

(۱) المغازی للواقدی ۱ / ۲۰۹

## حضرت مفتیٔ اعظم کا طرزِ عمل

لہٰذا ''تکبر'' اور ''عجب'' کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، جو انسان کے اندر پیدا ہوجاتی ہیں اور کسی اللہ والے کی صحبت سے ہی پتہ چلتا ہے کہ میں آیا اس بیماری کے اندر مبتلا ہوں یا نہیں؟ اور بعض اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ تواضع سے محروم ہے۔ ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو ساری زندگی دیکھا جو کہ ''مفتیٔ اعظم پاکستان'' کے لقب سے مشہور تھے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے۔ ساری زندگی ''فتویٰ'' لکھنے میں گزار دی، لیکن جب کوئی نیا مسئلہ آتا اور جس پر غور کرنا ہوتا تو آپ سب مفتیانِ کرام کو جمع کرتے اور ہم تو ''طفلِ مکتب'' تھے، بچے تھے، لیکن اگر ہمارے دماغ میں کوئی بات آتی تو وہ اس کو اس طرح سنتے تھے کہ کوئی چھوٹا بڑے کو سنتا ہو کہ بھائی دیکھو! ہوسکتا ہے کہ یہ بات صحیح کہہ رہا ہو۔

## ''خودرائی'' بہت بڑا فتنہ

بہرحال! ''خودرائی'' بہت بڑا فتنہ ہے۔ دنیا میں جتنے بھی اصحابِ صفات ہیں یعنی جن کو کوئی خاص صفت حاصل ہے، چاہے وہ ''عالم'' ہو، چاہے وہ ''دولتمند'' ہو، چاہے وہ ''صحتمند'' ہو، چاہے وہ ''قوی'' ہو، چاہے وہ ''ہنرمند'' ہو۔ کچھ بھی ہو۔ لیکن شیطان اس کے دل میں یہ خیال ڈال دیتا ہے تو زبردست آدمی ہے اور تیرا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ تیری رائے جو ہوگی وہ رائے اعلیٰ ہوگی اور باقی سب لوگ بے وقوف ہیں یا کم از کم وہ غلط رائے پر ہیں۔ جب دماغ میں یہ بات آگئی تو سمجھ لو کہ ''تکبر'' پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اس کا علاج شروع کرو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کا سب سے پہلا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ جب انسان کے اندر تواضع ہوتی ہے تو پھر انسان کی نقل وحرکت پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب انسان اندر سے یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی ذات میں کچھ نہیں ہوں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو اس کا مظاہرہ اس کی نقل وحرکت پر بھی ہوگا۔ پھر وہ اکڑ کر چل نہیں سکتا۔ کس بات پر اکڑے؟ بلکہ جب وہ چلے گا تو عاجزی سے چلے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو یہ صفت عطا فرما دے اور ہم رحمٰن کے بندے بن جائیں۔ شیطان کے بندے نہ بنیں۔ اپنے نفس کے بندے نہ بنیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۲۶

## ''عباد الرحمٰن'' تیسرا حصہ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعَا

## دعا نمبر ۲۶ ''عباد الرحمٰن'' تیسرا حصہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ دو ہفتوں سے ان دعاؤں کا ذکر چل رہا ہے، جن کو قرآنِ کریم میں ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی طرف منسوب فرمائی گئی ہیں کہ ''رحمٰن'' کے بندے کیا دعا کرتے ہیں؟ ان دعاؤں سے پہلے جو صفات ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی بیان کی گئی ہیں، مناسب معلوم ہوا کہ ان صفات کے بارے میں بھی کچھ بات کی جائے۔ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ یہ ہے:

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

کہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' وہ لوگ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

اس سے ان کی ایک باطنی صفت کی طرف اشارہ ہے، وہ ہے ''تواضع'' لہٰذا رحمٰن کے بندے ہونے کا پہلا تقاضا یہ ہوا کہ انسان میں ''تواضع'' ہو اور ''تواضع'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ ''وہ اپنے آپ کو کسی سے بھی افضل نہ سمجھے''، کسی صفت میں انسان کا اپنے آپ کو دوسرے سے ''کامل'' سمجھنا یا ''اکمل'' سمجھنا تواضع کے منافی نہیں، لیکن اپنے کو دوسرے سے ''افضل'' سمجھنا ''تواضع'' کے منافی ہے۔ لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ''بندگی'' کا پہلا تقاضا یہ بیان کرنا کہ ان کے اندر ''تواضع'' ہوتی ہے۔

## ''سَلٰمًا'' کے دو معنیٰ

اس کے بعد ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ:

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۱)

جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ خود تو لڑنے جھگڑنے والے نہیں ہوتے بلکہ جب دوسرے جھگڑے والے ان سے مخاطب بھی ہوتے ہیں تو ان کا جواب لڑ جھگڑ کر نہیں دیتے، بلکہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ بیان میں عرض کیا تھا کہ ''سلاماً'' کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ وہ ''سلام'' کہتے ہیں کہ ''میرا الوداعی سلام'' ہمارا راستہ اور ہے اور آپ کا راستہ اور ہے۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ جب وہ دوسرے کو جواب دیتے ہیں تو ''سلامتی والا جواب'' دیتے ہیں۔ مزید لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کرتے کہ تم نے مجھ سے یہ کہا اس کا جواب یہ دیتا ہوں، تم

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۳)

نے مجھ سے یہ کہا، اس کا جواب یہ دیتا ہوں۔ یعنی جو لوگ ناشائستہ گفتگو کر رہے ہیں، انہی کی سطح پر آ کر میں بھی ان کا جواب دینا شروع کر دوں۔

## گالی کا جواب گالی سے دینا

مثلاً اس نے کہا کہ ''تم جاہل آدمی ہو'' تم نے جواب میں کہا کہ تو جاہل، تیرا باپ جاہل، تیرا دادا جاہل، میں یہ نہیں کرتا بلکہ میں تو سلامتی کی بات کہوں گا وہ اگر گالی بھی دے رہا ہو وہ اگر میرے اوپر بہتان اور الزام بھی لگا رہا ہو۔ لیکن میں صرف سلامتی کی بات کروں گا اور جواباً اس پر کوئی چلتا ہوا الزام نہیں ڈالوں گا جو بغیر دلیل ہو اور نہ میں اس کی گالی کا جواب گالی سے دوں گا، بلکہ سلامتی کی بات کہوں گا۔ یہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کا ایک وصف ہے۔

## اختلاف کی صورت میں ہمارا طرزِ عمل

آج کل ہم لوگوں کو ان باتوں کا استحضار کرنے کی بڑی ضرورت ہے، ہمارے ماحول میں ''مخالفت'' دشمنی کا نام ہے۔ ''اختلاف'' دشمنی کا نام ہے۔ جس کسی سے ''اختلاف'' ہوگیا تو اب اس کی جان، مال، عزت، آبرو، سب حلال ہوگئیں جو لوگ تھوڑی بہت احتیاط کرنے والے ہیں، وہ شاید ''جان'' پر تو حملہ نہ کریں ''مال'' پر حملہ نہ کریں، لیکن آبرو تو بالکل حلال ہے۔ یعنی جس شخص سے ''رائے'' کا اختلاف ہے، ''مسلک'' کا اختلاف ہے تو اس کی ''آبرو'' حلال ہے، اس کو جو چاہو، کہہ دو۔ جو بات چاہو بغیر تحقیق کے اس کی طرف منسوب کر دو کہ وہ تو یہ کہتا ہے، وہ تو یہ کہتا ہے اور اگر کہیں اس نے ہمارے اوپر زبانی حملہ

کردیا تو پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اس کے زبانی حملہ کا جواب ایسا دیا جائے گا کہ وہ منہ چاٹتا رہ جائے گا، اور آج اسی کو بہت بڑا وصف قرار دیا جاتا ہے کہ "میں نے اس کو دندان شکن جواب دے دیا"، "میں نے اس کو لاجواب کردیا"، "میں نے اس کی حقیقت اس کے اوپر واضح کردی"، "میں نے اس کو۔۔۔۔بنادیا"۔

## آج کل "اختلاف" کے معنیٰ "لڑائی"

اور ان کے جو مریدین اور معتقدین ہوتے ہیں، وہ اور آگے بڑھ کر کیا سے کیا بنادیتے ہیں، اور اس قسم کے جملے اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ عام مزاج بنتا جارہا ہے۔ چاہے مذہب اور دین ہو، چاہے سیاست ہو، یا کوئی اور شعبۂ زندگی ہو، آج کل "اختلاف" کے معنیٰ ہیں "لڑائی"۔ لڑائی بھی نچلی سطح کی لڑائی، شریفانہ لڑائی نہیں، بلکہ "رذالت" والی لڑائی "اختلاف" کے نتیجے میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، ایک دوسرے پر الزام عائد کرنا، اور تحقیق کے بغیر کسی کی طرف برائیاں منسوب کردینا۔

## یہ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب یہ خرابی صرف سیاسی لوگوں میں ہی نہیں، بلکہ خود ہمارے اہلِ علم، اہلِ دین کے طبقے میں بھی آچکی ہے اور آدمی جتنا زیادہ چرب زبان ہوتا ہے، اور جتنا وہ دوسرے کی پگڑی اچھالنے والا ہو، اتنا ہی اس کو محبوب اور معقول قرار دیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی ہدایات اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی سنت اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اب صرف چند ظواہر کے اندر منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ مثلاً ہمارا لباس ایسا ہے، ہمارا حلیہ ایسا ہے، ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں۔ الحمد للہ۔ یقیناً یہ صفات قابلِ قدر ہیں اور یقیناً یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا تقاضا ہے۔ لیکن سنت صرف ان اعمال میں منحصر نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ بھی ہے کہ کبھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا۔ آپ کی سنت یہ بھی ہے کہ لوگوں سے بشاشت کے ساتھ معاملہ فرمایا۔ آپ کی سنت یہ بھی ہے کہ چند مواقع کے علاوہ مخالفین کے لئے کبھی بددعا نہیں فرمائی، آپ کی سنت یہ بھی ہے کہ کبھی کسی کے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا جو دل آزاری پر مشتمل ہو۔

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

آپ کی سنت یہ ہے کہ

مَنْ رَاٰہُ بَدِیْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً اَحَبَّهُ[1]

اگر کوئی شخص اچانک آپ کو دیکھ لیتا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی۔ لیکن جب کوئی شخص آپ کے ساتھ بشاشت کے ساتھ رہتا تو وہ رعب محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تجربہ ہے جو انہوں نے بیان فرمایا۔ یہ سب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "حلم" دیکھئے کہ کس طرح بردباری سے لوگوں کے ساتھ معاملہ فرمایا۔ کس طرح آپ

---

(۱) سنن الترمذی ۶ / ۲۷ (۳۶۳۸) وقال هذا حديث ليس اسناده بمتصل وشعب الايمان للبيهقی ۳ / ۱۳ (۱۳۵۰)

نے اپنے دشمنوں کو یہ کہہ کر معاف کردیا کہ:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ(۱)

## آج یہ سنتیں کہاں چلی گئیں

یہ سب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔ آج یہ سنتیں کہاں چلی گئیں؟ اور صرف ظواہر کی سنتیں کیوں باقی رہ گئیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج باطنی تربیت نہیں۔ باطن میں تکبر کے اور حسد کے جذبات پیدا ہورہے ہیں کہ وہ کیوں مجھ سے آگے بڑھ گیا؟ اگر کسی کی معمولی سی غلطی سامنے آگئی تو وہ ایک پہاڑ بنا کر اس کو آسمان پر چڑھا دیا گیا۔ اب اس کے لئے طنز، تعریض، استہزاء، سب حلال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ یہ ایک بڑی خطرناک وبا ہے جو پھیلی ہوئی ہے اور ''اختلاف'' کو اختلاف کی حدود میں رکھنے کا معاملہ کہیں دور چلا گیا۔

## اس بیماری کی اصل ''حبِ جاہ'' اور ''تکبر'' ہے

اللہ تعالیٰ کسی غلط بات کو دل میں بٹھانے سے مجھے معاف فرمائے۔ آمین۔ لیکن بظاہر بزرگوں سے جو سنا اور ان سے جو سمجھا، وہ یہ کہ اس چیز کا اصل مبنیٰ دو چیزیں ہیں۔ ایک حُبِ جاہ اور دوسری تکبر۔ ''حبِ جاہ'' کا مطلب ''لوگوں میں مقبولیت'' کا شوق ہوجانا کہ دنیا کے اندر لوگوں میں میری مقبولیت ہو، لوگ میری

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی ۹/ ۱۹۹ (۱۸۲۷۵ و ۱۸۲۷۶)

اچھائیوں کے گن گائے۔ لوگ مجھے اچھا سمجھیں، لوگ میری تعریف کریں۔ اب اگر کسی اور کی تعریف ہو رہی ہے، جبکہ خواہش تو تھی کہ میری تعریف ہو تو یہ چیز انسان کے دل میں ''حسد'' پیدا کر دیتی ہے اور جب دل میں ''حسد'' آجاتا ہے تو پھر یہ ''تکبر''، ''حسد'' اور ''حبِ جاہ'' یہ سب چیزیں مل کر انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ میں دوسرے کی مٹی پلید کروں۔ پھر اس کے نتیجے میں ''سخت کلامی''، ''استہزاء''، ''بدگمانی''، ''تجسس''، ''غیبت'' یہ سب برائیاں آجائیں گی۔ پھر اس کا نتیجہ ''بدکلامی'' میں نکلے گا۔ تو یہ جو ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کا وصف تھا کہ

اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

اس سے ہم کتنا دور چلے گئے؟

## اپنے اندر ''حلم'' پیدا کریں

بہرحال! یہ ایک بیماری ہے، جس میں ہم سب مبتلا ہوتے جا رہے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔ اس بات کو بہت پھیلانے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر ''حلم'' پیدا کریں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِىْ بِالْعِلْمِ وَزَيِّنِّىْ بِالْحِلْمِ (۱)

اے اللہ! علم کے ذریعہ غنی بنا اور حلم کے ذریعہ زینت عطا فرما۔

''حلم'' کے معنی ہیں ''بردباری'' یہ نہیں کہ آدمی فوراً غصہ میں آجائے۔ بلکہ

(۱) الأمالی الخمیسیة للشجری ۱ / ۴۸، الحلم لابن أبی الدنیا ص ۲۰

''بردباری'' ہو۔ علم کی زینت ''حلم'' سے ہوتی ہے اس ''حلم'' کی سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، جس کے خلاف عملی مہم چلی ہوئی ہے۔ جس نے ہمارے ماحول کو بھی گندہ کیا ہے اور ہمارے درمیان فرقہ بندی اور گروہ بندی کو فروغ دیا ہوا ہے۔

## اکابرِ علماءِ دیوبند نے اسی پر عمل کر کے دکھایا

ہمارے اکابر حضرات علماء دیوبند، جن کے ہم نام لیوا ہیں، انہوں نے اس سنت پر جس طرح عمل کر کے دکھایا اور اس کے جو نتائج سامنے آئے، ان کو کبھی کبھی پڑھنا چاہئے اور ان کے حالات کو جاننا چاہئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو ایک جگہ وعظ کہنے کے لئے بلایا گیا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور جس جگہ وعظ کے لئے بلایا گیا تھا وہ سارا علاقہ وہ تھا جہاں کے لوگ آپ کے بارے میں محض غلط فہمی کی بنیاد پر سمجھتے تھے کہ آپ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے اور وہ لوگ ان چیزوں کے قائل تھے جو حضرت تھانوی کے مسلک میں مناسب نہیں تھیں، یا جائز نہیں تھیں۔ مثلاً میلاد، قیام وغیرہ

## حضرت تھانوی کا سبق آموز واقعہ

جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ کے لئے وہاں تشریف لائے تو کسی نے حضرت کے پاس ایک پرچہ بھیجا، اس پرچہ میں یہ لکھا تھا کہ:

''مولانا: ہم نے سنا ہے کہ آپ کافر ہیں؟ دوسرا یہ کہ ہم نے سنا ہے کہ

آپ ''جولاہے'' ہیں؟ جو لوگ کپڑا بنتے ہیں، انہیں ''جولاہا'' کہا جاتا تھا اور جولاہے کو ایک کمتر پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ تیسرا یہ کہ اگر آپ نے وعظ میں کوئی اختلافی بات بیان کی تو ہم برداشت نہیں کریں گے۔''

آپ اندازہ لگائیں کہ پہلے نمبر پر آپ پر کافر کا حکم لگا دیا، دوسرے نمبر پر ''نسب'' میں طعن کیا اور تیسرا یہ کہ اگر اختلافی بات کی تو ہم برداشت نہیں کریں گے۔ مطلب یہ تھا کہ حسبِ معمول اپنا کردار ادا کریں گے۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ:

''میرے پاس یہ ایک پرچہ آیا ہے، میں وعظ سے پہلے اس پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پرچہ میں پہلی بات یہ کہی کہ ''میں کافر ہوں'' میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ پہلے میں کافر تھا، یا نہیں تھا، میں آپ سب حضرات کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں ''اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله'' یہ وہ کلمہ ہے ستر برس کا کافر بھی اس کے پڑھنے سے مسلمان ہوجاتا ہے۔ میں نے آج آپ کے سامنے یہ کلمہ پڑھ لیا۔ اب تو میں مسلمان ہوگیا؟

(۲) دوسری بات اس پرچہ میں یہ کہی ہے کہ ''آپ جولاہے ہیں'' نسب کے اعتبار سے؟ تو بھائی میں یہاں کوئی رشتہ لے کر تو نہیں آیا ہوں کہ میرے نسب کی تحقیق کی ضرورت ہو؟ اگر میں جولاہا بھی ہوں اگر صحیح بات کہوں تو اس کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہئے۔ لہٰذا اس بحث میں پڑنا بھی فضول ہے کہ میں جولاہا ہوں یا نہیں؟

(۳) تیسری بات اس پرچے میں یہ کہی ہے کہ ''اختلافی مسائل نہ بیان کرنا'' پہلی بات یہ ہے کہ میں یہاں خود سے نہیں آیا ہوں بلکہ کسی کی دعوت پر وعظ کہنے کے لئے آیا ہوں، اگر آپ میرا وعظ سننا نہیں چاہتے تو آپ میں سے ایک آدمی بھی کھڑا ہو کر کہہ دے کہ ہم آپ کا وعظ نہیں سننا چاہتے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن اگر آپ حضرات یہ کہتے ہیں کہ میں وعظ کروں تو یہ قید برداشت نہیں کروں گا کہ اختلافی مسائل نہ بیان کئے جائیں۔ اگرچہ میری عادت اختلافی مسائل بیان کرنے کی نہیں ہے بلکہ دین کی مثبت باتیں بیان کیا کرتا ہوں۔ لیکن اثناءِ کلام کوئی اختلافی مسئلہ آجاتا ہے تو پھر چھوڑتا بھی نہیں ہوں۔ میری یہ باتیں اگر آپ حضرات کو قبول ہیں تو میں وعظ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر ایک آدمی کھڑے ہو کر یہ کہہ دے کہ ہمیں منظور نہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا۔''

## آج سب اشکالات آپ نے ختم کر دیئے

جب یہ جواب دیا تو مجمع پر سناٹا چھا گیا، بلکہ کسی نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضرت! آپ سے کسی نے بھی یہ کہہ دیا ہو لیکن آپ وعظ فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت والا نے بیان فرمایا اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سارے اختلافی مسائل جو اس علاقے میں رائج تھے۔ تقریباً ان سب پر بیان ہوا، لیکن بیان اس طرح ہوا کہ اس میں کسی پر طعن و تشنیع نہیں تھی۔ اس میں کسی کی دل آزاری نہیں تھی، اس میں کسی کی توہین اور تذلیل کے الفاظ نہیں تھے۔ بس مسئلہ کی حقیقت بیان فرمادی۔ جب وعظ ختم ہوا تو وہ صاحب جنہوں نے ''پرچہ'' بھیجا تھا، وہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ:

''وہ پرچہ میں نے بھیجا تھا اور میرے ذہن میں جو کچھ بھی آپ کے بارے میں اشکالات تھے، آج وہ آپ نے سب ختم کردیئے۔''

## جواب دینے کا دوسرا طریقہ بھی تھا

یہ درحقیقت اسی آیت ''اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا'' پر عمل تھا۔ اگر حضرت والا اس کے جواب میں یہ کہتے کہ جس شخص نے یہ پرچہ بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا کافر ہے، بلکہ ''اکفر'' ہے اور جو مجھے ''جولاہا'' کہتا ہے وہ خود ''جولاہا'' اس کا باپ ''جولاہا'' اس کا دادا ''جولاہا''، کون ہے، میدان میں آئے اور مجھے وعظ کہنے سے روکے؟ جواب دینے کا ایک طریقہ یہ تھا۔ لیکن اس طریقہ کا انجام لڑائی تھا اور ہوسکتا تھا کہ وہ لڑائی خونریزی تک پہنچ جاتی۔ لیکن حضرت والا نے جو طریقہ اختیار فرمایا، اس میں سارے معاملات آسانی کے ساتھ طے کر کے لوگوں کی اصلاح کا ایک راستہ نکال دیا۔ یہ ہے اس آیت ''اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا'' پر عمل۔

## حضرت نانوتوی کا سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے ایک شعر کہا، اور اس شعر میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہہ دیا اور آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ حضرت کے ایک مرید جو شاعر تھے، انہوں نے اس شعر کا جواب شعر میں دیا اور بڑا زبردست چبھتا ہوا جواب دیا، فرمایا:

مرا اگر کافر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلماند بخوانم در جوابش
دروغ را جزا باشد دروغے

مجھے اگر تم نے کافر کہا ہے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، اس لئے کہ جھوٹ کا چراغ زیادہ دیر جلا نہیں کرتا۔ اور دوسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ: تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جھوٹ کا جواب جھوٹ ہی سے دیا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے "کافر" کہہ کر جھوٹ بولا تھا، میں تمہیں "مسلمان" کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں۔

## ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے

جب وہ صاحب یہ شعر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لکھ کر لے گئے کہ حضرت میں نے یہ اس کے جواب میں شعر کہا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے شاعری کے اعتبار سے تو کمال ہی کر دیا۔ لیکن تم نے لپیٹ کر بالکل کافر تو کہہ دیا اور ہم ایسی بات نہیں کرتے، ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے، لہٰذا اس شعر کو بدلو اور یوں کہو:

مرا گر کافر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغ
مسلماند بخوانم در جوابش
دہم شکر بجائے تلخ دروغے

یعنی میں تمہیں ''کافر'' کہنے کے جواب میں ''مسلمان'' کہوں گا اور تم نے مجھے جو کڑوی چیز دی ہے، میں اس کے مقابلے میں میٹھا کھلاؤں گا۔

اگر تو مؤمن فبہا والا
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی اگر میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں اگر واقعی مسلمان ہو تو اچھی بات ہے، اگر خدا نہ کرے تم مسلمان نہ ہو تو جھوٹ کا جواب جھوٹ ہی سے دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح آپ نے اس جواب کو تبدیل کر دیا۔

## شاعری کے بگاڑ کو گوارہ کر لیا

''شعر'' ایسی چیز ہے جو قانونی باریکیوں میں نہیں جایا کرتا۔ بلکہ شعر کے اندر ایک لطافت ہوتی ہے، اس لحاظ سے اگر ان اشعار کو دیکھا جائے تو حضرت والا نے جو قانونی قیود وشرائط درمیان میں بڑھائی ہیں، اس سے شعر کا تو ستیاناس ہو گیا، لیکن شاعری میں بھی کسی کو غلط بات کہنا گوارہ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت والا نے شاعری کے بگاڑ کو گوارہ کر لیا۔ لیکن حقیقت بیان کرنے سے نہیں رکے۔ یہ وہی اس آیت پر عمل ہے کہ ''اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا''۔

## آپس کے جھگڑے ختم کر دو

آج ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اور آج یہ وصف کس کے اندر ڈھونڈا جائے؟ آج کون ہے جو یہ کہے کہ ''میں جھگڑا نہیں چاہتا'' اگر قرآن وحدیث کے احکام پر غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ شریعت نے قدم قدم پر اس بات کا لحاظ رکھا

ہے کہ آپس کے جھگڑے ختم ہوں۔ دین کو جھگڑوں سے بیر ہے اگر دین ہے تو جھگڑا نہیں ہوگا، یا کم سے کم ہوگا۔ اگر دین ہے اور اتباع سنت ہے تو پھر جھگڑے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جھگڑا وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں جھگڑے والے متکبر ہوں پھر وہ دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوجاتے ہیں، لیکن اگر ان کے دلوں میں ''تکبر'' نہیں ہے، ان کے دلوں میں ''حبِ جاہ'' نہیں ہے ''حسد'' نہیں ہے تو پھر جھگڑا کہاں سے آئے گا؟

## جنت کے درمیان گھر کی ضمانت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر جھگڑوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے ایک حدیث شریف میں فرمایا:

اَنَا زَعِیْمٌ بِبَیْتٍ فِیْ اَعْلَی الْجَنَّةِ وَ بِبَیْتٍ فِیْ وَسْطِ الْجَنَّةِ وَ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَھُوَ مُحِقٌّ (۱)

فرمایا کہ اس شخص کو جنت کے بیچو بیچ گھر دلوانے کا ذمہ لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔ حق پر تھا، اگر جھگڑا کرتا تو شرعاً اس کے لئے جائز تھا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو جھگڑے سے بچانے کے لئے اپنا حق

(۱) سنن أبی داوٗد ٥ / ٣٥٥ (٤٧٦٧) و مسند الرویانی ٢ / ٢٧٩ (٢٠٠) والمعجم الکبیر للطبرانی ٨ / ١٨٦ (٧٧٧٠)، وسنن الترمذی ٣ / ٥٣٠ (١٩٩٣) وقال ھذا الحدیث حدیث حسن.

چھوڑ دیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں ایسے شخص کے لئے جنت میں گھر دلوانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ یہ کوئی معمولی بات ہے؟ کیوں؟ اس لئے آپ یہ نہیں چاہتے کہ لوگوں کے درمیان جھگڑا ہو۔

## بیت اللہ میں تبدیلی کا ارادہ موقوف کر دیا

''بیت اللہ'' کعبہ شریف، جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، آپ نے جن بنیادوں پر تعمیر کیا تھا، قبیلہ قریش نے اس میں کمی کردی اور چنانچہ ''حطیم'' کی جگہ پہلے بیت اللہ کے اندر داخل تھی۔ قریش نے اس کو نکال دیا اور بیت اللہ کے دو دروازے تھے ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف۔ قریش نے مشرق کے دروازے کو برقرار رکھا اور مغرب والے دروازے کو نکال دیا۔ اس کے علاوہ بیت اللہ کی چھت میں بھی کچھ تصرف کیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میں اس بیت اللہ کو ازسرِ نو اصل بناءِ ابراہیمی پر تعمیر کردوں۔ لیکن میں اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں، اگر کعبہ کو چھیڑا جائے گا تو کہیں ان لوگوں کے اندر ردِ عمل پیدا نہ ہو جائے اور کہیں جھگڑے کا راستہ نہ نکل جائے۔ جھگڑے کی وجہ سے اتنا بڑا اہم کام آپ نے چھوڑ دیا۔ کیوں چھوڑ دیا؟ تاکہ جھگڑا نہ ہو۔(۱)

---

(۱) صحیح البخاری ۲ / ۱٤٦ (۱٥٨٤)

## مفضی اِلَی النزاع معاملہ ناجائز ہے

قدم قدم پر شریعت میں آپ کو یہ احکام ملیں گے کہ جھگڑے سے پرہیز کرو۔ فقہاءِ کرام کے ہاں ایک مستقل اصول ہے، وہ ہے ''مفضی الی النزاع'' یعنی ہر وہ عقد، معاملہ، ٹرانزیکشن، جس میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ آگے چل کر فریقین کے درمیان جھگڑا ہو جائے گا۔ ایسا معاملہ ناجائز اور فاسد ہے اور ناقابلِ قبول ہے۔ کیوں؟ تاکہ معاشرے سے جھگڑے ختم ہوجائیں۔ آج ہم لوگ جھگڑوں کو دعوت دیتے ہیں، میرا مدِ مقابل میرے سامنے آئے۔

## قرآنِ کریم کی اس آیت پر عمل کرو

قرآنِ کریم کی یہ آیات صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں، بلکہ یہ سب آیات عمل کے لئے ہیں۔ اگر آدمی یہ شیوہ اپنا لے کہ جو اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ: ''اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا'' تو دنیا سے جھگڑوں کا وجود ختم ہوجائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب آدمی کوئی بات کرتا ہے تو اس کی ایک بنیاد یہ ہوتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش کو پورا کروں۔ مثلاً یہ خواہش کہ دل چاہتا ہے کہ میں اس کا منہ نوچ لوں۔ دل چاہ رہا ہے کہ میں اس کو ترکی بہ ترکی جواب دوں۔ یہ ''نفسانیت'' ہے۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی نفسانیت کی بنیاد پر بات کر رہا ہے تو وہ جھگڑے کی طرف لے جائے گا اور وہ ''نفسانیت'' اس کو حدود کے اندر نہیں رہنے دے گی، بلکہ حدود سے آگے بڑھا دے گی۔

## اللہ کے لئے کام کرو گے تو حدود کی پابندی ہوگی

اگر کوئی آدمی جو بات کر رہا ہے یا جو کام کر رہا ہے وہ "اللہ" کے لئے کر رہا ہے، اور اس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر قربان کر دیا ہے۔ ایسے شخص کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ دوسرا مجھے اچھا سمجھے یا برا سمجھے یا دوسرا آدمی میرے لئے اچھے الفاظ استعمال کرے یا برے الفاظ استعمال کرے۔ کرتا رہے مجھے تو اپنے "اللہ" کو راضی کرنا ہے۔ مجھے تو اس جھگڑے میں نہیں پڑنا کہ اس نے مجھے کیا کہا تھا اور جب مجھے اپنے "اللہ" کو راضی کرنا ہے تو میری زبان اور میرا قلم حدود کی پابند ہوگی۔ "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ" یہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدیں ہیں، ان حدود سے آگے بڑھنا یہ "نفسانیت" ہے۔

## محبت اور بغض سب اللہ کے لئے ہو

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ پہچان ہمارے اندر پیدا فرمادے کہ ہم کون سی بات "نفسانیت" کے تحت کر رہے ہیں؟ اور کون سی بات "اللہ" کے لئے کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپس کے دوستوں کے درمیان جو بات چیت ہوتی ہے اس میں بھی یہی پیشِ نظر رکھے کہ اگر کسی سے دوستی کرے تو وہ بھی "اللہ" کے لئے کرے۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ"(۱)

---

(۱) سنن أبي داؤد ۵/۲۸۱ (۴۶۵۲) وأخرجه الذهبي في "معجم الشيوخ" ۲ / ۲۴۷ من طريق أبي داؤد وقال هذا حديث صحيح.

کہ جس شخص نے ''اللہ'' کے لئے محبت کی اور کسی سے بغض ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ جب بغض بھی اللہ کے لئے ہے اور وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ فلاں شخص اللہ کی نافرمانی پر تلا ہوا ہے اور یہ فساد پھیلا رہا ہے، اس وجہ سے مجھے اس شخص سے بغض ہے تو جب ''بغض'' اللہ کے لئے ہوگا تو اس شخص کو جواب دیتے وقت ''اللہ'' کے احکامات بھی سامنے ہوں گے، لیکن اگر ''نفسانیت'' کی بنیاد پر بغض ہوگا تو پھر احکامات سامنے نہیں ہوں گے، بلکہ اس وقت میرا جوش اور میرا جذبہ ہوگا اور میرا غصہ ہوگا، اور اس غصہ کے تحت میں سارے کام کروں گا۔

## اس آیت کی مخالفت چھوڑ دو

میرے بھائیو! میرے عزیزو! میں اپنا دل کس طرح آپ کے سامنے کھولوں اور کس طرح اس بات کو بیان کروں کہ اس آیتِ کریمہ ''وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا'' کی مخالفت پر لوگوں نے کمر باندھی ہوئی ہے۔ اور اس کی وجہ سے آج ہمارا پورا معاشرہ لڑائیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ جھگڑوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کہیں سیاسی جھگڑے، کہیں مذہبی جھگڑے، کہیں معاشرتی جھگڑے، کہیں عصبیاتی جھگڑے، گروہی جھگڑے، یہ سب کیوں ہو رہے ہیں۔ یہ اس آیت کی مخالفت کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں یہ جو فرمایا گیا کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ اس میں یہ تو بیان کر دیا کہ جاہلوں کو جواب کس طرح دینا چاہئے ؟ لیکن اگر کوئی جاہل خطاب نہیں کر رہا۔ اس وقت میں جب بات کروں تو کس طرح کروں؟ اس کا ذکر اس آیت میں براہ راست نہیں ہے۔

## خود لڑائی کا آغاز کبھی نہ کرے

لیکن ''دلالت النص'' کے طور پر اس آیت میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ جب دوسرے کی گالی کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہئے تو خود گالی سے ابتداء کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ لہٰذا اس میں یہ بات خود پنہاں ہے کہ گالی سے بات کا آغاز کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس بات کا اس آیت میں ذکر ہی نہیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ خود لڑائی کا آغاز کرے اور آغاز کرکے دوسرے پر حملہ کرے، بلکہ جب دوسرے لوگ اس کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں تو بھی یہ ان کا جواب ''سلامتی'' ہی سے دیتا ہے۔

## رائے کا اختلاف کبھی ختم نہیں ہوسکتا

ان سب باتوں کا کوئی شخص یہ مطلب نہ سمجھے کہ اس آیت کے ذریعہ اختلاف سے منع کیا جارہا ہے۔ یاد رکھیے: اختلافِ مسلک ایک حقیقت ہے اور اس کو بالکل مٹانا تقریباً ناممکن ہے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ سب لوگ ایک رائے پر متفق ہوجائیں، یہ نہیں ہوسکتا اور اس وقت تک یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ سارے لوگ یا تو ''بیوقوف'' ہوجائیں، عقل سے خارج ہوجائیں یا سب کے سب لوگ ''بددیانت'' ہوجائیں کہ ایک نے جو بات کہہ دی کہ سب نے کہا: سبحان اللہ! بالکل درست ہے۔ اپنی عقل استعمال نہیں کررہا ہے۔ اس لئے کہ سب بیوقوف ہیں۔ تب تو اتحاد ہوجائے گا۔ یا سب لوگ ''بددیانت'' ہوجائیں کہ مجھے اس رائے سے اختلاف تو ہے، مگر میں

اپنی رائے کو ظاہر نہیں کرتا یہ "بد دیانتی" ہے۔ لہٰذا جب تک "دیانت" موجود ہے اور "عقل" موجود ہے، اختلاف باقی رہے گا۔

## "اختلاف کو دشمنی نہ بنایا جائے

لیکن اس اختلاف کو "اختلاف" ہی رکھا جائے، اس کو "دشمنی" نہ بنایا جائے۔ اس کو "شقاق" کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے "وحدتِ امت" یعنی کیا یہ اختلاف ہے یا شقاق ہے؟ اس لئے ان باتوں سے کوئی یہ نتیجہ نہ نکالے کہ ہم اختلاف رائے سے منع کر رہے ہیں۔ اختلافِ رائے تو ہو جاتا ہے، لیکن اس اختلاف کو "دشمنی" کا ذریعہ بنانا اس کو طعن و تشنیع کا ذریعہ بنانا، اس کی بنیاد پر دوسرے کو ذلیل کرنا، کسی بھی انداز سے کرنا اس آیتِ قرآنی کے خلاف ہے۔

## اپنی زندگی میں یہ سبق لے لیں

اگر ہم اس آیت کو پڑھتے ہوئے اپنی زندگی کے اندر یہ سبق لے لیں کہ کچھ بھی ہو جائے۔ ہم اپنے آپ کو پرسکون رکھیں گے۔ ہم اپنے آپ کو "سلامتی کے راستے پر رکھیں گے، کوئی کتنا بڑا دشمن ہمارے سامنے آجائے، اور وہ ہم سے کتنی ہی بدکلامی کرے، ہم اس کے جواب میں بدکلامی نہیں کریں گے، بلکہ اس آیت "وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" پر عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۲۶

## ''عباد الرحمٰن'' چوتھا حصہ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعَا

# دعا نمبر ۲۶ ''عباد الرحمٰن'' چوتھا حصہ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند مجلسوں سے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی صفات کا بیان چل رہا ہے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کے دو وصف جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں: اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ان دو صفات پر گزشتہ مجلسوں میں کچھ عرض کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## راتوں میں عبادت کرنے والے

آگے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا [1]

یعنی وہ لوگ راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ کبھی اپنے پروردگار کے لئے سجدے میں ہیں، کبھی اپنے پروردگار کے لئے قیام میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو رات کی عبادت بڑی پسند ہے۔ رات کی عبادت اس لئے پسند ہے کہ دن میں تو آدمی کاروبار میں لگا ہوا ہے۔ مسائل میں الجھا ہوا ہے، اس میں نماز کا وقت آ گیا تو نماز میں کھڑا ہو گیا۔ اب نماز کے اندر ہزار قسم کے خیالات بھی آ رہے ہیں اور نماز بھی ہو رہی ہے، لیکن رات کے وقت جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت دوسرے خیالات ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات سے کنارہ کش ہو کر بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ بس وہ ہے اور اس کا اللہ ہے۔ تیسرا کوئی نہیں۔ یہ چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

## رات کی عبادت "اللہ" کے قرب کا ذریعہ

اور جب بندہ اس طرح رات کے وقت کھڑا ہوتا ہے، رات کا سماں ہے، خاموشی ہے، خلوت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے، یہ کیفیت دن کے وقت میں حاصل ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے رات کو منتخب فرمایا اور دوسری جگہ ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی گئی ہے کہ

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (٦٤)

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ○ (١)

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد میں۔

دوسری جگہ فرمایا:

کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ ○ وَ بِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (٢)

رات جو کم سوتے ہیں اور سحری کے وقت میں استغفار کرتے ہیں۔

بہر حال! یہ رات کی عبادت ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قریبی تعلق پیدا کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔

## رات کی عبادت ''نفس'' کو کچلنے میں مؤثر

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ○ اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ○ (٣)

ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ دن میں تو آپ بہت سے کاموں میں رواں دواں رہتے ہو اور تمہارے لمبے لمبے کام ہوتے

---

(١)سورۃ السجدۃ:آیت (١٦)

(٢)سورۃ الذاریات: آیت (١٧ و ١٨)

(٣)سورۃ المزمل: آیت (٦، ٧)

ہیں۔ رات کو اٹھنا نفس کو کچلنے میں اور بات بہتر طریقے پر کہنے میں مؤثر ہے۔ لہٰذا رات کی عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچنے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔ رات کے بھی آخری حصے میں عبادت بہت بہتر ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی آخری شب میں اٹھنے کا تھا۔

## عشاء کے بعد نوافل رات میں شامل

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فضل وکرم فرمایا کہ اگر کوئی شخص آخری شب میں نہیں اٹھ سکتا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ رکھا ہے کہ ''عشاء'' کی فرض نماز کے بعد نفل کی نیت سے جتنی رکعتیں بھی پڑھی جائیں، اس میں ''صلاۃ اللیل'' کا ثواب مل جاتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ: ''اَلَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا'' میں شمار کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اس آیت کا اصل اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ لوگ رات اس طرح گزارتے ہیں کہ کبھی سجدے میں ہیں اور کبھی قیام میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت بڑا حصہ اس طرح گزار دیتے ہیں یا پوری رات اس طرح گزارتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اگر کسی شخص نے مغرب کی نماز جماعت سے پڑھ لی۔ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لی اور عشاء کے بعد کچھ نفلیں پڑھ لیں تب بھی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو محروم نہیں فرماتے بلکہ ان لوگوں میں شامل فرمادیتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق قائم کرو

یہ آیت یہ بتا رہی ہے کہ جو ''رحمٰن کے بندے'' وہ رات کے وقت

اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہیں۔ ''بندگی'' کا کم سے کم حق یہ ہے کہ وہ رات کے وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔ جو فرائض ہیں وہ تو ادا کرنے ہی ہیں، لیکن کچھ نوافل بھی ادا کرنے ہیں، اس لئے کہ ''فرائض'' تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی حاکمیت کا حق ہے۔ وہ تو ادا کرنے ہی ہیں، لیکن ''نوافل'' اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے۔ کسی سے تعلق رکھنے کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آپ اس سے کھردرا اور قانونی تعلق قائم کرلیں۔ مثلاً بیوی سے آپ نے قانونی تعلق قائم کرلیا اور اس سے کہا کہ ہم تم کو نان نفقہ دیں گے، کھانا پینا دیں گے، لیکن بیوی سے کبھی خوش طبعی سے بات ہی نہیں کرتا اور نہ اس کے ساتھ حسنِ معاشرت نہیں کرتا۔ یہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ صرف قانونی تعلق ہے۔ لیکن اگر محبت کا تعلق ہے تو پھر نان ونفقہ دینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو خوش رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی کے ساتھ صرف قانونی تعلق رکھے گا تو اس کی زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی۔

## ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' رات کے وقت کبھی قیام میں کبھی سجدے میں

اسی طرح اگر کوئی شخص صرف فرائض کی ادائیگی پر اکتفا کرے اور نوافل ادا نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے صرف قانونی تعلق قائم رکھا ہے کہ یا اللہ! تو میرا رب ہے اور میرا تیرا بندہ ہوں۔ بس! آگے مجھ سے کچھ مطالبہ نہ کرنا۔ لیکن اگر بندہ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو وہ بندہ صرف فرائض کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کرے گا، بلکہ وہ نوافل بھی ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع بھی کرے گا اور ذکر واذکار بھی کرے گا اور تلاوت قرآنِ کریم بھی

کرے گا۔ اس لئے یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے۔ لہٰذا یہ جو ''رحمٰن کے بندے'' کے بارے میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا (۱)

مطلب یہ ہے کہ وہ صرف فرائض کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ نوافل پڑھتے ہوئے کبھی سجدے میں ہوتے ہیں اور کبھی قیام میں رہتے ہیں۔

## رات کو تہجد پڑھنے کا معمول بنائیے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب نقشہ کھینچا ہے اور بڑے پیار سے فرمایا کہ: ''اَلَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا'' اس لئے رات کو تہجد پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے۔ اس کے لئے سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آخری شب میں اٹھ کر کچھ نوافل ادا کرے، البتہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی وجہ سے آخر رات میں نہیں اٹھ سکتے تو کم از کم عشاء کی فرض کے بعد کچھ رکعتیں ''صلاۃ اللیل'' کی نیت سے پڑھنا چاہئے اور ساتھ میں یہ نیت بھی ہو کہ اگر آخری شب میں آنکھ کھل گئی تو انشاء اللہ اس وقت بھی اٹھ کر مزید رکعتیں پڑھوں گا۔

## وتر کی نماز کب پڑھی جائے؟

وتر کی نماز تو اوّل شب میں ہی پڑھ لینا ہم جیسے کمزوروں کے لئے بہتر ہے۔ اور آخر شب میں جب آنکھ کھل جائے تو اس وقت نمازِ تہجد اور ''صلاۃ اللیل''

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (٦٤)

آدمی پڑھ لے اور اس وقت دوبارہ وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وتر کے بعد کوئی نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ یاد رکھئے ناجائز نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اول رات میں وتر اس لئے پڑھ لے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخری رات میں میری آنکھ نہ کھلے اور میں وتر سے محروم رہ جاؤں۔

## اس صفت کا تعلق حقوق اللہ سے

''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی پہلی صفت جو اس آیت میں بیان فرمائی کہ ''الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا'' یہ خود بندے کی اپنی صفت کا ذکر ہے۔ وہ ہے ''تواضع'' اور دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ: ''وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا'' اس صفت کا تعلق ''حقوق العباد'' سے ہے اور تیسری صفت جو اس آیت میں بیان فرمائی کہ: ''الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا'' میں اس صفت کا تعلق ''حقوق اللہ'' سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## اس صفت پر عمل کرنے کا موقع کم ملتا ہے

عام حالات میں اس تیسری صفت پر عمل کرنے کا موقع کم ملتا ہے۔ بہت سے اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جو الحمد للہ! قیام اللیل کے بعد رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے عبادت کرنے کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی ہے، لیکن بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو رات کو اٹھ کر عبادت نہیں

کر پاتے۔ اب رمضان المبارک کا مہینہ آ رہا ہے، یہ اس لئے آ رہا ہے کہ اس ماہ مبارک میں "قیام اللیل" کا کچھ حصہ ہم نے سنتِ مؤکدہ قرار دے دیا۔ گویا کہ جبری قیام کروادیا ہے۔ اب چاہے تم کسی بھی حالت میں ہو، سستی ہو رہی ہو، لیکن بیس رکعات تو پڑھنی ہے اور بیس رکعتیں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ چالیس سجدے کرنے ہیں۔ ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ "چالیس مقاماتِ قرب ایک مؤمن کے لئے رمضان المبارک میں بڑھا دیئے۔"

## یہ رمضان المبارک کی برکت ہے

وہ لوگ جو عام دنوں میں پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور مسجدوں میں نہیں آتے، لیکن تراویح کے اندر وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جو سارے سال مسجدوں میں نظر نہیں آتے۔ یہ کون ان کو بلا رہا ہے؟ کون ان کو کھینچ کر لا رہا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں ایسی برکت عطا فرمادی کہ دل کے اندر خودبخود ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، چاہے کیسا بھی گیا گزرا مسلمان کیوں نہ ہو، لیکن اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ رمضان ہے، اس رمضان میں وقت ضائع نہ کروں اور جو وقت ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزاروں۔ یہ احساس ہر ایک کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تراویح کے اندر بڑا اجتماع ہو جاتا ہے۔

## سحری کے وقت نماز پڑھ لو

اور آخری شب، یعنی سحری میں آدمی کھانے کے لئے تو اٹھتا ہی ہے، ذرا

پہلے اٹھ جائے اور اس وقت میں تہجد کی چند رکعات ادا کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا خاص وقت ہوتا ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو تراویح کے لئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد میں لوگوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ سب لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک تو آپ نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا، لیکن ساتھ میں اس وقت یہ جملہ فرمایا کہ:

اَلصَّلَاۃُ الَّتِیْ یَنَامُوْنَ عَنْھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاۃِ الَّتِیْ یَقُوْمُوْنَ بِھَا(۱)

فرمایا کہ جو لوگ اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں یہ رات کو اٹھ کر جو تہجد پڑھی جاتی ہے اور اس وقت وہ لوگ سو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ بہتر ہیں ان لوگوں سے جو اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں۔

## تہجد کی کتنی رکعات؟

اس سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوئی کہ تراویح علیحدہ چیز ہے اور تہجد علیحدہ چیز ہے اور دوسرے تہجد کی فضیلت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ لہٰذا سحری سے پہلے جتنی رکعتیں ہو سکے، چاہے ۴ رکعات ہوں، لیکن ان

(۱) صحیح البخاری ۳ / ٤٥ (۲۰۱۰)

کو دھیان سے پڑھو کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ''اَلَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا'' ایسے لوگوں میں داخل کردے کہ ہم رات اس طرح گزاریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں۔ اس کے آگے کھڑے ہوں۔ ۴ رکعتیں ۶ رکعتیں، ۸ رکعتیں۔ جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دے، ادا کریں اور جب سجدہ کرے تو اس وقت یہ تصور کرے کہ میں کہاں سجدہ کر رہا ہوں۔

سر بہ قدم حسن قدم بر کلاہ و تاج
دیوانہ بڑی شان سے دیوانہ بنا ہے

## ''سجدہ'' قربِ خداوندی کا ذریعہ

سورۃ اِقرأ میں اللہ تعالیٰ نے کتنے پیار سے فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ [1]

''سجدہ کرو اور پاس آجاؤ۔''

اس سے پیاری اور کوئی دعوت ہوگی؟ کہ سجدہ کرو اور پاس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے اس کی توفیق دے دے۔ آمین۔ اس لئے کہ رحمٰن کے بندے کی صفت ہے ''عبدیت''۔ اور ''عبدیت'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوجائے اور عاجزی اختیار کرے، ناک رگڑے اور اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ پھر اس کو سب کچھ ملے گا۔ انشاء اللہ۔ کوئی پریشانی ہے؟ اللہ سے

---

(۱) سورۃ اقرا: آیت (۱۹)

مانگو۔ کوئی حاجت ہے؟ اللہ سے مانگو، فقر ہے؟ افلاس ہے؟ مانگو اللہ سے۔ البتہ یہ مت سمجھو کہ جو مانگ رہے ہو وہ فوراً مل جائے گا۔ یہ ضروری نہیں۔ اس لئے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو بندے کا گڑگڑانا پسند آتا ہے۔ جتنا گڑگڑائے گا وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا۔ اس لئے وہ چیز فوراً نہیں دی جاتی بلکہ کچھ وقت گزرنے کے بعد دے دی جاتی ہے۔

## ''دعا'' ہی عبادت ہے

بعض اوقات بندہ اللہ تعالیٰ سے ایک چیز مانگ رہا ہوتا ہے، لیکن وہ چیز اس کے حق میں مفید نہیں ہوتی، اس لئے وہ چیز نہیں دی جاتی، بلکہ کوئی اور اس سے اچھی چیز دے دی جاتی ہے۔ لیکن ''دعا'' بذاتِ خود مقصود ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ''(۱)

ایک حدیث میں ''مُخُّ الْعِبَادَةِ''(۲) کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں ''هُوَ الْعِبَادَةُ'' کے الفاظ ہیں۔ یعنی دعا ہی عبادت ہے۔

یابم او را یا نیابم جستجوئے میکنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

بندے کا کام یہ ہے کہ جستجو کرتا رہے، مجھے ملے یا نہ ملے، میں مانگتا رہوں

---

(۱) سنن أبی داؤد ۲ / ۳٦۲ (۱٤۷٤) و سنن الترمذی ٥ / ۳۸٦ (۳۳۷۲) وقال هذا حدیث حسن صحیح.

(۲) سنن الترمذی ٥ / ۳۸٦ (۳۳۷۱) وقال: هذا حدیث غریب.

گا۔ میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، لیکن میں جستجو کرتا رہوں گا۔ لہٰذا ''دعا'' بذاتِ خود مقصود ہے۔ بس آدمی اس راستے پر چلتا رہے۔

## عبادت میں اپنے آپ کو تھکاؤ

عمل کرتے کرتے ''تھک جانا'' بذات خود مقصود ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ [1]

یعنی جب فارغ ہوجائیں تو عبادت میں اپنے آپ کو تھکائیں۔

میرا اس پر ایک شعر ہے کہ ؎

قدم ہیں راہِ الفت میں تو منزل کی ہوس کیسی
یہاں تو عین منزل ہے تھکن سے چور ہوجانا

جب تھک کر چور ہوگیا تو منزل حاصل ہوگئی۔ یہی مقصود تھا۔ بس! انسان ذرا اپنی ہمت کو بڑھانے کی کوشش کرے اور یہ کہ میں ایک عظیم زمانے سے گزر رہا ہوں، آنکھوں سے انوار نظر نہیں آتے جو انوار اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے مہینے میں رکھے ہیں وہ برکات نظر نہیں آتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ معنوی چیز ہیں۔ ان معنوی چیزوں کا بعض اوقات یہ اثر انسان پر پڑتا ہے کہ بندے کی رغبت عبادت کی طرف بڑھ جاتی ہے۔

---

(۱) سورۃ الانشراح: آیت (۷)

## ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرو

لیکن اس ہمت کو اور آگے بڑھاؤ کہ پہلے جتنی عبادت کیا کرتے تھے اب اس سے کچھ زیادہ عبادت کرے اور اگر سستی ہو رہی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کرو۔ مجاہدہ کرو، دل نہ چاہ رہا ہو، پھر بھی نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تلاوت میں دل نہیں لگ رہا، مگر تلاوت کر رہا ہوں۔ نماز میں دل نہیں لگ رہا ہے، لیکن نماز پڑھ رہا ہوں۔ جب آدمی اپنے اوپر زبردستی کر کے یہ اعمال انجام دے گا تو اسی کا نام ''مجاہدہ'' ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کبھی محروم نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم میں صاف صاف فرمادیا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (1)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے تھے کہ: ''جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں''۔ ''مجاہدہ'' کے معنیٰ ہیں ''اپنے اوپر زبردستی کرنا'' فلاں عمل کو دل نہیں چاہ رہا ہے، مگر کر رہا ہوں اور میری خاطر زبردستی کرتے ہیں۔ ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستوں پر پہنچا دیں گے۔ گود میں اٹھا کر پہنچا دیں گے۔

## ان کو گود میں اٹھا کر پہنچا دیں گے

اس لئے کہ اس آیت میں ''لَنَهْدِيَنَّهُمْ'' کا فعل بلاواسطہ متعدی ہو رہا ہے۔ یعنی اس فعل کے دو مفعول بلا واسطہ آرہے ہیں۔ اگر ''اِلٰی'' آجائے، جیسے

---

(1) سورۃ العنکبوت: آیت (٦٩)

''لَنَهْدِيَنَّهُمْ اِلٰى'' تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں: ''اِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ'' لیکن جہاں یہ فعل براہ راست دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں: ''ایصال الی المطلوب'' اس آیت میں ایسا ہی ہے۔ اس لئے حضرت والا اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ''ہم ان کو گود میں اٹھا کر اور انگلی پکڑ کر ان کو اپنے راستے میں پہنچا دیں گے۔'' اور یہ صلہ ہے ''مجاہدہ'' کرنے کا اور ''مجاہدہ'' یہ ہے کہ دل میں تنگی ہے، بدن میں تھکن ہے، ارادہ ڈھیلا ہے، طبیعت حاضر نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا تو یہ ''مجاہدہ'' ہے۔

## بس! ہمت کرنے کی ضرورت ہے

اب یہ ضروری نہیں کہ اس کو عبادت میں مزہ بھی آنے لگے۔ لیکن عبادت انجام دیئے جا رہا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم ہو ہی جاتا ہے اور پھر اس کو زبردستی کی ضرورت نہیں رہتی اور پھر اس کے پاؤں خود بخود اٹھتے ہیں۔ اس کی ہمت خود بخود جوان ہوتی ہے۔ اس کے اعمال خود بخود اس طرف جاتے ہیں۔ لیکن شروع میں مجاہدہ تو کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ''مجاہدہ'' کرو۔ اب آج کل رمضان المبارک کا مہینہ چل رہا ہے اب دن میں کھا نہیں رہے ہیں، پیاس لگ رہی ہے، لیکن پانی نہیں پی رہے۔ یہ مجاہدہ ہی ہے۔ اسی طرح رات کو سونے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن تراویح میں کھڑے ہیں۔ اسی طرح دل چاہ رہا ہے کہ ذرا دیر سے اٹھیں اور آخر وقت میں سحری کھالیں۔ لیکن آدمی پہلے اس لئے اٹھ رہا ہے تاکہ چند رکعات تہجد کی پڑھ لے۔ اب ''مجاہدہ'' کر کے اٹھ رہا ہے۔ لیکن چند دن مجاہدہ ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس عبادت میں لذت بھی عطا فرما دیں گے۔

## لذّت کی خاطر نماز مت پڑھو

اور اگر لذّت نہ بھی ملے تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ اس لئے کہ لذّت خود مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود تو اللہ کی رضا ہے۔ مقصود تو اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ لہٰذا اگر ساری زندگی عبادت میں لذّت نہ آئے تو کوئی پرواہ نہیں۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اس شخص کو مبارکباد دیتا ہوں جس کو ساری زندگی کبھی نماز میں مزہ نہ آیا، مگر وہ نماز پڑھتا رہا، کیوں؟ اس لئے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص مزہ کی خاطر نماز نہیں پڑھ رہا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر نماز پڑھ رہا تھا۔ اس لئے اگر عبادت میں مزہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اگر نہ آئے تو مزہ نہ آنے کی صورت میں یہ نہ سمجھے کہ میں مطرود یا محروم ہوگیا۔ پہلے لذّت آتی تھی، اب نہیں آتی۔ پہلے زیادہ رونا آتا تھا، اب نہیں آتا۔ پہلے رقت طاری ہوتی تھی، اب نہیں ہوتی۔ لہٰذا میں محروم ہوگیا۔ نہیں! ایسا کچھ نہیں ہوا، اور جب اس ذات نے اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کی توفیق دے رکھی ہے تو یہ کیفیات تو آتی جاتی رہتی ہیں۔ کبھی آئی، کبھی نہیں آئی، آئی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، نہ آئے تو اپنے کو محروم نہ سمجھو۔

## وہ سجدہ جسے تیرے آستاں سے نسبت ہے

بس! عمل کو دیکھو کہ عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟ اگر عمل ہو رہا ہے تو وہ عمل تمہیں ایک دن منزل تک پہنچا دے گا۔ انشاء اللہ! اور اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچائے گا اور جب اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ بندہ میرے لئے عمل کئے جا رہا ہے تو ایک دن لذّت بھی دے دیں گے۔ پھر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سجدہ میں پڑا ہوا

ہے اور اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا ہے۔ نہ بھی ہو تو بھی مقصود حاصل ہے۔

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے
وہ سجدہ جسے تیرے آستاں سے نسبت ہے

## ایک بزرگ کی حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ روزانہ رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تھے اور ان کا ایک شاگرد بھی ساتھ ہوتا تھا، ایک دفعہ وہ رات کو تہجد کے لئے اٹھے، اس وقت آسمان سے ایک آواز آئی کہ نہ تیرا وضو قبول، نہ تیری عبادت قبول، نہ تیری نماز قبول۔ اپنے کانوں سے یہ آواز سنی۔ لیکن پھر اطمینان سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ جب اگلے دن اٹھے تو پھر وہی آواز آئی۔ اپنے کانوں سے آواز سنی اور اب شاگرد کو بھی آنے لگی۔ پھر اطمینان سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ تیسرے دن جب اٹھے تو پھر وہی آواز آئی۔ شاگرد نے کہا کہ حضرت! جب بار بار آپ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ کی نماز قبول ہی نہیں تو پھر کیوں رات کو اٹھ کر محنت کر رہے ہیں اور یہ مشقت برداشت کر رہے ہیں؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر کوئی اور بارگاہ کوئی اور چوکھٹ ہو تو وہاں چلا جاؤں؟ کوئی اور بارگاہ تو ہے نہیں۔ اب چاہیں یہ قبول کریں یا قبول نہ کریں۔ میرے پاس تو یہی ایک بارگاہ ہے، میں تو عمل کرتا رہوں گا۔ جب ان بزرگ نے یہ کہا تو اب آواز آئی کہ

قبول است اگرچہ ہنر نیست
کہ جز ما پناہِ دگر نیست

کہ اب تیرا سب کچھ قبول ہے، تیرا وضو قبول، تیری نماز قبول، تیری عبادت قبول۔ اگرچہ تیری عبادت میں ہنر نہیں ہے۔ کیوں قبول ہے؟ اس لئے کہ ہمارے سوا کوئی اور تیری پناہ گاہ بھی تو نہیں ہے۔ تیرے لئے کوئی جائے پناہ بھی تو نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ان کا امتحان تھا اور اللہ کے بندوں پر اس طرح امتحان بھی آتے رہتے ہیں۔ ان کی آزمائش بھی ہوتی ہے اگر وہ بزرگ اس شاگرد کی بات مان کر عبادت چھوڑ کر بیٹھ جاتے تو معاملہ ختم ہو جاتا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دل میں صحیح بات ڈالی اور انہوں نے کہا کہ اس بارگاہ کو چھوڑ کر اور کہاں جاؤں؟

## خلاصہ

اس لئے بھائی! وہی پناہ گاہ ہے، وہی درگاہ ہے، وہی آستانہ ہے۔ اسی کی طرف ماہِ رمضان میں خاص طور پر بلایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس دعوت کو قبول کرنے اور اس دعوت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۲۶

## ''عباد الرحمٰن'' پانچواں حصہ

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا، اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دعا نمبر ۲۶ ''عباد الرحمٰن'' پانچواں حصہ

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا، اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز! گزشتہ چند مجلسوں سے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی صفات کا بیان چل رہا ہے اور تین صفات کا بیان۔ الحمد للہ۔ قدرے تفصیل سے ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر بھی یہ صفات پیدا فرمادے آمین

آگے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی ایک دعا بیان فرمائی کہ یہ لوگ ایک طرف تو رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی حضور اس کی بارگاہ میں کھڑے ہیں اور کبھی سجدے میں ہیں اور کبھی قیام میں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کا عذاب دور کردیجئے۔ اس لئے کہ جہنم کا عذاب بڑا شدید ہے۔

اب دیکھئے کہ یہاں ان بندوں کا بیان ہو رہا ہے جو متواضع بھی ہیں اور جو لوگوں سے جھگڑتے بھی نہیں ہیں اور راتیں سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ اس کے باوجود زبان پر یہ دعا ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما دیجئے اور یہ دعا نہیں کرتے ہیں کہ ہمیں جنت دے دیجیے۔ بلکہ یہ دعا کر رہے ہیں کہ ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما دیجئے۔

## نیک بندے ڈرتے رہتے ہیں

دوسری جگہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (۱)

وہ نیک بندے ہیں کہ وہ نیکی کا کام کر بھی رہے ہیں، لیکن ان کا دل سہما ہوا ہے اور دل میں خوف ہے کہ ہمیں بالآخر اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے اور اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ جو عبادت ہم کر رہے ہیں وہ عبادت ہماری مقبول بھی ہے یا نہیں؟ اور وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے وہ نیک بندے ڈرتے رہتے ہیں۔

## عمل کرتے رہو اور ڈرتے رہو

اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ عمل کرتا رہے اور

---

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۶۰)

اللہ سے ڈرتا رہے۔ عمل کرنے کے بعد یہ سمجھ کر میں جنت کا مستحق بن گیا اگر ہم عبادت کو کتنی بھی بن سنوار کر لیں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہو سکتی، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ عبادت ہمیں جنت میں لے جانے کے بجائے نفس کے وساوس اور شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ہماری یہ عبادتیں بیکار نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے عمل کرنے کے بعد ڈرتے رہتے ہیں۔ عمل کر بھی رہے ہیں اور ڈر بھی رہے ہیں۔

بعض اوقات شیطان دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ بھائی! تم نے تو تہجد کی نماز پڑھی، تم نے رات کو جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، لہٰذا تم تو بہت اونچے مقام پر پہنچ گئے۔ اس موقع پر آدمی خود اپنے بارے میں سوچتا ہے کہ میں تو بہت اعلیٰ مقام پر پہنچ چکا ہوں۔ عربی میں ایک مثل مشہور ہے کہ

صلی الحائك ركعتين وانتظر الوحي

یعنی ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعتیں پڑھ لی تھیں، اس کے بعد اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ میرے اوپر ''وحی'' نازل ہوگی۔ بعض اوقات ہم لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تھوڑی بہت عبادت کرنے کی توفیق دے دی تو اب دل میں ناز پیدا ہو گیا اور دل میں خیال آنے لگا کہ ''فلاں آدمی کیا ہے؟ وہ تو کچھ بھی نہیں کرتا، ہم تو رات کو کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔'' شیطان یہ خیال دل میں پیدا کر دیتا ہے۔

## شیطانی خیال کا علاج

اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی نیک عمل کرے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے بھی

اور اللہ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں نے جو کچھ عبادت انجام دی ہے وہ کھوٹی پونجی ہے، آپ اپنے فضل وکرم سے اس کو کھرا بنا دیجئے اور اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمالیں تو یہ آپ کی رحمت ہے ورنہ ہمارا عمل اس لائق نہیں کہ وہ ہمیں جنت تک پہنچا دے۔

## حضرت جنید بغدادی کے دو جملے

حضرت جنید بغدادی کا یہ قول ہے کہ ''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کا عمل اس کو جنت میں لے جائے گا تو وہ شخص فضول محنت کر رہا ہے اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر عمل کے جنت میں چلا جائے گا ایسا شخص جھوٹی امیدیں باندھ رہا ہے۔ لہٰذا عمل کرنا بھی ضروری ہے اور اس عمل کو اس قابل بھی نہیں سمجھنا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے بلکہ یہ سمجھو کہ جو ملے گا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ملے گا۔ اگرچہ سنت اللہ یہ ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو قبول فرمالیتے ہیں اور اس پر ثواب بھی مرتب فرمادیتے ہیں اور جنت میں بھی داخل فرمادیتے ہیں۔

## عمل جنت میں نہیں لے جائے گا

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! آپ کا بھی؟ فرمایا: ہاں! میرا بھی۔ اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ[1] جب تک

(۱) صحیح البخاری ۷ / ۱۲۱ (۵۶۷۳)

اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ نہ لے، اس وقت تک میرا عمل بھی مجھے جنت میں نہیں لے جائے گا۔ لہٰذا عمل کرے بھی، اور کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرے بھی اور یہ بات بھی ذہن میں رکھے کہ اپنی ذات میں میرا یہ عمل اس قابل نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلبگار رہیں۔

## عبادت میں کوتاہیوں سے استغفار

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (۱)

یعنی اللہ کے نیک بندے راتوں کو کم سوتے تھے، اللہ کی عبادت کی وجہ سے لیکن سحری کے وقت استغفار کیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ کیا وہ اپنے گناہوں سے استغفار کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ نہیں! بلکہ وہ اپنی عبادت کی کوتاہیوں سے استغفار کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! آپ کی شایانِ شان جیسی عبادت کرنی چاہئے تھی۔ ویسی عبادت تو میں نہیں کر پایا، لہٰذا اس عبادت میں جو کمی کوتاہی رہ گئی یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے اس کو دور فرمادے۔ (۲)

---

(۱) سورۃ الذاریات: آیت (۱۷ -۱۸)

(۲) وروی الترمذی فی سننہ ۵/ ۳۳۱(۳۱۷۵) نحوہ۔

## ہر عبادت کے بعد شکر اور استغفار

اس لئے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی عبادت کی توفیق عطا فرمادیں تو عبادت کے انجام دینے کے بعد دو کام کرے، ایک تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ''الحمدللہ'' کہے، یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے عبادت انجام دینے کی توفیق دے دی۔ دوسرے استغفار کرے کہ یا اللہ! آپ نے تو عبادت کی توفیق عطا فرمائی تھی، لیکن میں اس عبادت کا حق ادا نہیں کر پایا، مجھ سے کوتاہیاں ہوئیں، اے اللہ! اس پر میں استغفار کرتا ہوں، یہ دو کام کرلے۔ انشاء اللہ! اللہ کرم فرمادیں گے۔ ناز نہ کرے کہ میں نے یہ کرلیا، میں نے وہ کرلیا۔

## دو انتہاؤں کے درمیان راستہ

یہ دو انتہائیں ہیں، جن کے درمیان سے راستہ گزرتا ہے، ایک انتہاء یہ ہے کہ ایک آدمی عمل کررہا ہے اور اس کے دل میں یہ خناس پیدا ہوگیا کہ میں بڑا عبادت گزار ہوں۔ اللہ بچائے! یہ بھی انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بارے میں یہ سمجھنے لگے کہ میں بہت بڑا عبادت گزار ہوں اور دوسروں کے مقابلے میں عبادت کے اعتبار سے زیادہ افضل ہوں تو یہ جہنم کا راستہ ہے اور دوسری انتہاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس عبادت کو انجام دینے کی توفیق دی ہے اس پر ناشکری کرے۔ ہمارے حضرت اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ میری عبادت کیا میری نماز کیا۔ میرا قیام کیا، میرا سجدہ کیا؟ ہم تو ٹکریں مارتے ہیں۔ بس! یہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں۔

## یہ پیشانی صرف ایک جگہ جھک سکتی ہے

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ کہنا اس عبادت کی ناقدری ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کی ناقدری ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو اس عبادت سے بھی محروم ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں ایسی جگہ پیدا فرمایا اور ایسے لوگوں سے وابستہ فرما دیا، جس کی وجہ سے ہم ان عبادات کو انجام دینے کے قابل ہوگئے۔ یہ سب اس کی توفیق ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ حضرت والا خود ایک صاحب کا واقعہ بیان فرماتے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے، کہنے لگے کہ ہماری نمازیں کیا ہیں؟ ہم تو ٹکریں مارتے ہیں، جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو اس میں بھی شہوانی خیالات آتے ہیں۔ نفسانی خیالات آتے رہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا! سجدے میں نفسانی اور شہوانی خیالات آتے ہیں، بڑے گندے سجدے کرتے ہو، ایسا کرو کہ یہ گندہ سجدہ مجھے کرو، میں گندہ ہوں۔ لہٰذا گندہ سجدہ میرے لائق ہوگا۔

ان صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ سجدہ تو اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پیشانی کہیں اور جھک نہیں سکتی، یہ پیشانی تو صرف ایک ہی جگہ پر جھک سکتی ہے، چاہے خیالات آرہے ہوں چاہے وسوسے آرہے ہوں، لیکن صرف ایک جگہ پر جھکے گی، لہٰذا پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرلو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے یہ پیشانی اپنے سامنے جھکانے کی توفیق عطا فرمادی۔

## شیطان کا داؤ چل گیا

ہاں! بیشک میری طرف سے کوتاہی ہی کوتاہی ہے کہ میں اس کا حق ادا نہیں کرسکا، اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرلو۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ ''کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ، وَبِالْاَسْحَارِھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ'' کہ سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں، کس چیز سے استغفار کرتے ہیں؟ اس چیز سے کہ یا اللہ! آپ کی عبادت کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہیں ہوسکا، اگر عبادت کرنے والے کے دماغ میں یہ خیال آگیا کہ میں نے عبادت کر کے بہت بڑا تیر مارا ہے۔ میں نے تو بہت بڑی عبادت کرلی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوپر شیطان کا داؤ چل گیا۔

## عمل کرتے رہو اور ڈرتے رہو

لہٰذا کرتے بھی رہو، ڈرتے بھی رہو، استغفار بھی کرتے رہو۔ جو بندہ یہ کام کرتا رہے گا ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر ادا کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ یا اللہ! آپ نے مجھے نماز میں جانے کی توفیق دے دی۔ بہت سے اللہ کے بندے اس سے بھی محروم ہیں۔ اے اللہ! میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس پر میں شکر ادا کرتا ہوں، لیکن جس طرح عبادت کرنی چاہیے تھی، اس طرح عبادت نہیں کرسکا۔ لہٰذا میں اس پر استغفار کرتا ہوں۔ جب بندہ ان دونوں چیزوں کو اکٹھا کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ چل جا! تیری عبادت کیسی بھی ہے، اچھی ہے یا بری

ہے، لیکن جب تو نے میری توفیق پر شکر ادا کر لیا اور میری عبادت کا حق ادا نہ کرنے پر استغفار کر لیا، تیرا سجدہ بھی قبول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

## فارغ آدمی کی نماز

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا: ''لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا''[1] البتہ اس بارے میں آدمی آدمی میں فرق ہے۔ ایک آدمی وہ ہے جس کو دنیا جہاں کی کوئی فکر نہیں، نہ اس کے ذمے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں، ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے، کوئی کام نہیں، جو کچھ کمایا تھا، اس کو کھا رہا ہے، یا اس کو کما کر کھلا رہے ہیں۔ ایسا شخص اگر نماز کے لئے پہلے سے جا کر اطمینان سے مسجد میں بیٹھ جائے اور ذکر کرتا رہے، اطمینان سے نوافل اور سنتیں پڑھے اور جب جماعت کھڑی ہو جائے تو اس طرح اطمینان سے نماز پڑھے کہ دھیان صرف نماز کے اندر رہے، کسی اور چیز کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔

## مشغول اور مصروف آدمی کی نماز

جبکہ دوسرا شخص وہ ہے جو مختلف تشویشات میں گرفتار ہے۔ اس کے اوپر بہت ساری ذمہ داریاں ہیں اور وہ ذمہ داریاں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک طالب علم ہے، اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سبق یاد کرے یا مثلاً ایک استاذ ہے اس کے اوپر پڑھانے اور مطالعہ کرنے کی ذمہ داری ہے۔ ایک

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۳۳

آدمی اپنے روزگار میں پھنسا ہوا ہے اور اس کا دھیان اپنے روزگار کی طرف لگا رہتا ہے۔ پہلے شخص کے خشوع میں اور ان لوگوں کے خشوع میں لازماً فرق ہوگا۔ ان لوگوں کا فریضہ اتنا ہے کہ اپنی طرف سے نماز کی طرف دھیان دینے کی کوشش کر لے۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ تشویشات بہت زیادہ ہیں، کبھی ادھر ذہن جا رہا ہے کبھی ادھر ذہن جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا

لہٰذا غیر اختیاری طور پر تمہارا دھیان ادھر اُدھر چلا گیا تو ہم اس کو تمہارے خشوع کے خلاف نہیں سمجھیں گے۔

## اپنے اختیار سے خیالات مت لاؤ

ہاں! اپنے اختیار سے اِدھر اُدھر کے خیالات مت لاؤ۔ مثلاً یہ کہ جب نماز پڑھوں گا کہ فلاں بات سوچوں گا۔ اب جب نماز میں کھڑے ہوئے تو اس بات کو یا اس مسئلے کو سوچ رہے ہیں۔ یہ گناہ ہے اور اس پر پکڑ ہے، لیکن غیر اختیاری خیالات پر کوئی پکڑ نہیں اور اگر غیر اختیاری خیالات ہیں تو دوبارہ نماز اور اذکار کی طرف لوٹ آئے۔ بس! اس کے ذمہ صرف اتنا کام ہے اور جب وہ نماز کے اندر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خاشعین کی فہرست میں شامل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی آسانی پیدا فرما دی ہے۔

## نماز میں جہاد کی صفوں کی ترتیب

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أجهز جيشي وأنا في الصلاة[1]

**بعض اوقات میں نماز کے اندر جہاد کی صفیں ترتیب دیتا ہوں۔**

مثلاً یہ کہ کس صف میں کس کو کھڑا کرنا ہے، کس کو آگے کھڑا کرنا ہے، کس کو پیچھے کرنا ہے، کس کو داہنے طرف اور کس کو بائیں طرف کرنا ہے۔ وہ خلیفہ ہیں اور آدھی دنیا پر جس کی حکومت ہے، اس کے اوپر جو فرائض اور ذمہ داریاں ہیں اور وہ فرائض اور ذمہ داریاں بھی دین ہیں۔ وہ کوئی دین کے خلاف نہیں ہیں۔ ان فرائض اور ذمہ داریوں کی وجہ سے ان کے ذہن میں نماز کے اندر یہ خیال آرہا ہے کہ فلاں لشکر جب بھیجوں گا تو اس کی صف کس طرح بناؤں گا۔

## یہ خوشی کے منافی نہیں

اب اس کی دوصورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ چونکہ ذہن بہت ساری ذمہ داریوں میں الجھا ہوا ہے، لہٰذا نماز کے اندر ان کا ذہن خودبخود اس طرف غیر اختیاری طور پر چلا جاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ بعض فقہاء نے فرمایا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ وہ یہ کہ اگر آدمی نماز کے اندر کوئی عبادت کی بات سوچے، چاہے اختیار سے سوچے تو یہ بھی خشوع کے منافی نہیں۔ ظاہر ہے کہ ''جہاد'' افضل العبادات ہے۔ اب اگر وہ نماز کے اندر ''جہاد'' کے بارے میں سوچ رہے ہیں تو یہ ایسی بات نہیں ہے، جس پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ فرمالیں۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱ / ۴۰۸ معلقا

## حافظِ قرآن کا تراویح میں سوچنا

بہت سے حافظِ قرآن جو تراویح میں قرآنِ کریم سناتے ہیں، وہ جب نماز پڑھتے ہیں کہ نماز کے اندر سوچتے ہیں کہ اب آگے کہاں سے پڑھنا ہے، کہاں سے شروع کرنا ہے اور کہیں متشابہ تو نہیں آرہا ہے وغیرہ۔ یہ خیالات بھی چونکہ عبادت کے لئے ہیں، اس لئے وہ خشوع کے منافی نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے۔ اس لئے بعض فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر بھی کوئی آدمی نماز کے اندر کوئی فقہی مسئلہ سوچنے لگے تو یہ خشوع کے منافی نہیں۔

## امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ بڑی عالمہ تھیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی بڑے صوفی مزاج کے تھے، بڑے عابد زاہد تھے اور صاحبِ کشف تھے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے، صوفی بھی تھے۔ لیکن علم کا غلبہ تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھاتے تو چھوٹے بھائی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ایک دن ان کی والدہ نے ان سے پوچھا کہ تم ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ نماز میں حیض ونفاس کے مسئلے سوچتے رہتے ہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے میں کیا نماز پڑھوں؟ ان کی والدہ عالمہ اور زاہدہ تھیں، انہوں نے فرمایا کہ وہ تو نماز میں دین کا مسئلہ سوچتا ہے اور تو نماز کے اندر اس کے عیب سوچتا ہے؟ اب بتاؤ، وہ بہتر ہے یا تو بہتر ہے؟

## اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور

بہر حال! انسان اس بات کا مکلف ہے کہ جب وہ نماز شروع کرے تو اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ یا اس وقت یہ تصور کرلے میں کعبہ کے سامنے کھڑا ہوں اوّل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا تصور کرے۔ لیکن ہم جیسے کمزوروں کے لئے ابتداء میں یہ تصور کرنا کہ میں ''بیت اللہ'' کے سامنے کھڑا ہوں اور جب انسان کعبہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دل کو متوجہ فرمادیتے ہیں۔ یہ سوچ لے، اسی طرح جو الفاظ زبان سے ادا کررہا ہے، اس کی طرف دھیان کرلے یا امام کے پیچھے خاموش کھڑے ہونے کے وقت دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے تو مختلف طریقوں سے توجہ کو لگانے کی کوشش کرتا رہے۔

## میرا کام جستجو کرنا ہے

اور یہ کوشش مرتے دم تک جاری رہنی چاہئے۔ چاہے کامیابی ہو، یا نہ ہو، لیکن نہیں چھوڑنی۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم

میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں بس! میرا کام جستجو کرنا ہے، بس! آخری دم تک اس جستجو کو نہ چھوڑے تو ان شاء اللہ خشوع حاصل ہوجائے گا۔

## "عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" کی دعا

بہرحال! "عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" کی ایک صفت تو یہ بیان فرمائی کہ ایک طرف تو وہ لوگ راتیں سجدے کی حالت میں اور قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہوئے گزارتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○
إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ (۱)

یعنی اے پروردگار! ہم سے عذابِ جہنم کو دور کردیجئے کہ ہم عذابِ جہنم کے قریب بھی نہ جائیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا (۲)

یعنی اللہ کے نیک بندے جہنم کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ اے اللہ! ہمیں ان میں داخل فرمادیجئے۔ یہ دعا ہم سب کو مانگنی چاہئے اور وہ جہنم ہر حالت میں بری ہے۔ چاہے آدمی اس کے اندر مستقل طور پر جا کر رہے، چاہے عارضی طور پر جا کر رہے "مستقر" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں آدمی ہمیشہ رہے اور "مقاما" اس جگہ کو کہا جاتا ہے کہ جہاں آدمی سفر کے دوران ایک دو دن کے لئے ٹھہر گیا۔ "جہنم" مؤمن کے لئے "مستقر" نہیں ہوگا انشاء اللہ۔ اس لئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (٦٦-٦٥)

(۲) سورۃ الانبیاء: آیت (۱۰۲)

"مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ"(۱)

لہٰذا جو صاحبِ ایمان ہے اور جس نے کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دیا، اس کے لئے جنت ہے، جہنم نہیں ہے، جہنم ایسے مؤمن کے لئے "مستقر" تو نہیں بن سکتی، لیکن "مقام" بن سکتی ہے۔ یعنی تھوڑے عرصے کے لئے اس کا ٹھکانہ بن سکتی ہے۔

## جہنم ہر اعتبار سے بری ہے

انسان نے جو گناہ کئے ہیں، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو کچھ دیر کے لئے یا کچھ دن کے لئے جہنم میں چھوڑ دیں، چاہے بعد میں اس کو نکال لیں اور جتنے صاحبِ ایمان ہے جن کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا انشاء اللہ، اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا اور وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ لیکن اپنے گناہوں کی بدولت کچھ عرصہ کے لئے جہنم میں اس کو رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے "عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" یہ دعا کررہے ہیں کہ یا اللہ، یہ جہنم بری ہی بری ہے "مستقر" ہونے کے اعتبار سے بھی بری ہے کہ آدمی وہاں پر ہمیشہ رہے اور "مقام" ہونے کے اعتبار سے بھی بری ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں پر آدمی اپنے گناہوں کی سزا بھگت لے۔

## جہنم میں نیند طاری کردی جائے گی

وہ "جہنم" ایسی جگہ ہے کہ ایک دن اور دو دن تو بڑی بات ہے، اگر

(۱) ماخوذ از صحیح البخاری ۱ / ۳۷ (۱۲۸) و مسند البزار کما فی کشف الأستار ۱ / ۱۱ (۷)

چند لمحوں کے لئے بھی اگر کسی آدمی کو وہاں جانا پڑے تو وہ بندے کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، اگرچہ بعض روایات [1] میں یہ بھی آتا ہے کہ جو صاحبِ ایمان ہو، لیکن غلطیوں سے اور نادانیوں میں، جہالت میں اور بے فکری میں گناہ کر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں بھیجیں گے، لیکن وہاں اس کے اوپر نیند طاری کر دیں گے، تاکہ اس کو جہنم کے عذاب کی تکلیف زیادہ نہ ہو۔ یہ اس کے لئے ہوگا جو نادانی میں گناہ کر گزرا، وہ متکبر نہیں تھا اور وہ رعونت والا نہیں تھا اور ''فاجر'' نہیں تھا۔ ''فاجر'' سے مراد ہے وہ شخص جو اپنے گناہوں پر اصرار کرے اور ان کو اچھا سمجھے اور اس پر لوگوں سے بحث کرے اور اس کو گناہ ماننے سے بھی انکار کرے العیاذ باللہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ'' [2]

ایسے لوگ ''مجاہرین'' میں داخل ہیں جو کھلم کھلا گناہ کر رہے ہیں اور جب ان سے کوئی کہتا ہے کہ یہ گناہ ہے، مت کرو تو جواب میں کہتے ہیں کہ ساری دنیا کر رہی ہے، ہم کیوں نہ کریں یہ ''مجاہرین'' ہیں۔

## جہنم کی بو بھی نہ سنگھایئے

ایک شخص وہ ہے کہ جو اعتراف کرتا ہے کہ واقعتاً یہ گناہ ہے، لیکن میں اس گناہ میں پھنسا ہوا ہوں اور میں اپنے نفس پر قابو نہیں پا رہا ہوں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکال دے، ایسے شخص کے بارے میں بعض روایتوں میں

---

(۱) صحیح مسلم ۱ / ۱۷۲ (۱۸۵) ومسند أحمد ۱۷ / ۲۴۰ (۱۱۱۵۱)
(۲) صحیح البخاری ۸/ ۲۰ (۶۰۶۹)

آتا ہے واللہ اعلم کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم میں ڈالیں گے، لیکن وہاں اس پر نیند طاری کر دیں گے، پھر جب ہوش آئے گا اور چلانے لگے لگا، پھر نیند طاری کر دی جائے گی، پھر رونے چلانے لگے لگا، پھر نیند طاری کر دی جائے گی۔ یہ روایت کس درجہ کی ہے؟ واللہ اعلم۔ میں اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اگر ۵ منٹ کے لئے بھی آنکھ کھل گئی اور آگ کا سمندر ہے تو بتاؤ وہ قابلِ برداشت ہے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! ہمیں جہنم کی بو بھی نہ سنگھائے۔ اس کی سرسراہٹ بھی نہ سنائیے۔ اس لئے کہ وہ جہنم مستقل قیام گاہ کے لئے بھی اور عارضی قیام گاہ بننے کے لئے بھی برا مقام ہے۔

## خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنی عبادت کرنے کی اور اپنی طرف رجوع کرنے کی جو توفیق عطا فرمائی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو اور ساتھ ساتھ اس بات سے ڈرتے بھی رہو کہ یا اللہ! ہم نے جو عبادت کی وہ ٹھیک ادا ہوئی یا اس میں غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں، اس پر استغفار کرتے ہیں۔ اگر ساری زندگی اس طرح گزر جائے کہ اس کی توفیق پر شکر ہو اور اس میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، اس پر استغفار کریں۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' میں شامل فرمالیں گے اور اللہ سے یہی امید رکھنی چاہئے کہ وہ داخل فرمالیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۲۷

## ''عباد الرحمٰن'' چھٹا حصہ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا
وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

# فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دُعا

## دعا نمبر ۲۷ ”عباد الرحمٰن“ چھٹا حصہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## ”عِبَادُ الرَّحْمٰنِ“ کی پہلی صفت ”تواضع“

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ”عِبَادُ الرَّحْمٰنِ“ کا بیان کئی ہفتوں سے چل رہا ہے، اللہ جل شانہ نے اپنے خاص بندوں کی جو صفات سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں بیان فرمائی ہیں، ان صفات میں پہلی صفت یہ بیان فرمائی تھی کہ وہ لوگ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، یعنی ان کے اندر ”تواضع“ ہوتی ہے ”تکبر“ نہیں ہے۔ زمین پر عاجزی سے چلنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ بندہ تکبر سے خالی ہے۔ ”تواضع“ کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یہ سمجھے کہ میری ذات میں کوئی کمال نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ سب اللہ جل شانہ کی عطا ہے، وہ جب چاہے، مجھ سے چھین لے۔ جب یہ احساس انسان کے دل میں جاگزیں ہوجاتا ہے تو

اس کا اثر انسان کے عقل وحرکت پر بھی پڑتا ہے۔ پھر اس کی ''چال'' میں بھی تواضع ہوتی ہے۔

## دوسری صفت ''جھگڑوں سے پرہیز''

''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی تھی کہ جب نادان لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کرتے ہیں، لڑائی کا جواب لڑائی سے نہیں دیتے، برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ سلامتی کا جواب دیتے ہیں، اگر جواب نہیں دینا تو بس ''السلام علیکم'' کہہ کر الگ ہوجاتے ہیں کہ آپ کی راہ اور ہے اور میری راہ اور ہے، لڑائی جھگڑے میں نہیں پڑتے۔

## تیسری صفت ''راتیں عبادت میں گزارنا''

''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اس حالت میں راتیں گزارتے ہیں کہ کبھی سجدے میں ہیں، اور کبھی قیام میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## چوتھی صفت ''وحدانیت پر ایمان''

اب آگے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (۱)

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (٦٨)

یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔

یعنی وہ لوگ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کے اسرار اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ انسان کی عقل اور سمجھ بہت محدود ہے۔ اس لئے وہ اس کلام کے اسرار کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ یہ بات بہت عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کے اوصاف ذکر فرمائے کہ ان کے اندر تواضع ہے وہ لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتے، راتیں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر گزارتے ہیں، جو لوگ یہ سب کام کرتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ وہ لوگ مؤمن ہوں گے، اس لئے کہ ''توحید'' تو سب سے پہلی چیز ہے، اس کے بعد ہی یہ سارے اعمال آتے ہیں۔ لہٰذا اب یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ لوگ توحید کے بھی قائل ہیں۔ اگر وہ ''توحید'' کے قائل نہ ہوتے تو سجدے اور قیام میں راتیں کیسے گزارتے؟ اور ان کے اندر ''تواضع'' کیسے پیدا ہوتی؟ اور لوگوں سے لڑائی جھگڑوں سے پرہیز کیسے کرتے؟ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ پہلے ان کے اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے اور پھر ''توحید پر ایمان'' کا ذکر ہے، ایسا کیوں؟

## ''توحید'' سے ''عملی توحید'' مراد ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے اسرار اور رموز تو وہی جانتے ہیں، انسان کی عقل تو بہت محدود ہے۔ البتہ ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے –واللہ سبحانہ اعلم– کہ درحقیقت یہاں ''توحید'' کے بیان کرنے سے مقصود

''علمی توحید'' نہیں بلکہ ''عملی توحید'' ہے۔ دیکھئے! ''توحید'' ایک ''علمی'' ہوتی ہے جو علمِ کلام اور علمِ عقائد کا موضوع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور جب تک آدمی اس بات کا اعتقاد نہ رکھے، اس کا ایمان ہی مکمل نہیں ہے، یہ ''توحیدِ علمی'' ہے اور ''نظریاتی'' ہے اور ''اعتقادی'' ہے کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کائنات کا رازق وہی ہے اور جتنے اعمال ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے صادر ہوتے ہیں۔

## ''عملی توحید'' اور ''مقامِ توحید''

حضرت صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ''توحیدِ علمی'' کافی نہیں بلکہ انسان کو مکمل ہونے کے لئے اور اس کی اصلاحِ نفس اور تزکیہ کے لئے ''توحیدِ عملی'' ضروری ہے جب تک ''توحیدِ عملی'' نہیں ہوگی اس وقت تک بندہ صحیح معنیٰ میں بندہ نہیں بنتا اور وہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' میں شامل ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ صوفیاءِ کرام اس کو ''مقامِ توحید'' سے تعبیر فرماتے ہیں۔ ''مقامِ توحید'' کیا ہے؟ چونکہ صوفیاءِ کرام دل کے حالات سے بحث کرتے ہیں اور دل ودماغ پر جو تصورات چھائے ہوتے ہیں ان کی طرف ان کی نظر ہوتی ہے وہ حضرات ان کو خالص کرنا چاہتے ہیں اور یہ شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ شریعت ہی کا ایک حصہ ہے۔

## تمام کام ''اسباب'' کے پردے میں ہو رہے ہیں

دل میں یہ اعتقاد ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی

مشیت سے ہو رہا ہے، اس کے علم اور اس کے ارادے سے ہو رہا ہے، لیکن یہ ''اعتقاد'' دل میں اس طرح جما ہوا نہیں ہے کہ جو ''معاملہ'' بھی سامنے آئے، آدمی اس کے بارے میں یہ سمجھے کہ یہ میرے مولیٰ کی مشیت کا حصہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں جو معاملہ فرماتے ہیں، وہ کسی واسطے اور سبب کے ذریعہ فرماتے ہیں، اس کے نتیجے میں بندہ کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے بجائے ان اسباب کی طرف چلا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے مجھے تھپڑ مارا تو میں یہ کہوں گا کہ مجھے اس نے تھپڑ مارا ہے۔ اس وقت دل میں یہ تصور نہیں آئے گا کہ اس تھپڑ مارنے والے کی کوئی حقیقت نہیں، اصل تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو کچھ ہوا ہے وہ اس کی مشیت سے ہوا ہے۔

## ہر غم اور ہر خوشی اللہ کی مشیت سے پہنچ رہی ہے

یہ تصور انسان کے دل پر چھاتا نہیں ہے اور اس تصور کا دل میں دھیان نہیں رہتا، ہونا یہ چاہئے کہ انسان کے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آئے، چاہے وہ خوشی کا واقعہ ہو یا غم کا واقعہ ہو، خوشی اور غم کے موقع پر جو طبعی جذبات پیدا ہوتے ہیں، وہ ممنوع نہیں۔ لیکن ساتھ وہ انسان یہ سمجھے کہ یہ مشیتِ باری تعالیٰ کارفرما ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے، اگر مجھے کوئی غم پہنچا ہے تو وہ اس کی مشیت سے پہنچا ہے، اگر مجھے کوئی خوشی پہنچی ہے تو اس کی مشیت سے پہنچی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا

يُّمۡسِكۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ (۱)

یعنی اگر مجھے کوئی صدمہ پہنچا ہے تو وہ بھی اس کی مشیت سے ہے اگر کوئی تکلیف پہنچی ہے تو وہ بھی اس کی مشیت سے ہے، کوئی خوشی پہنچی ہے وہ بھی اس کی مشیت سے ہے۔ یہ خیال دل میں جاگزیں نہیں ہوتا۔

## اللہ کی طرف دھیان نہیں جاتا

اگر کوئی شخص دوسرے سے پوچھے کہ ساری کائنات میں اللہ کی کارفرمائی ہے یا کسی اور کی ہے؟ وہ زبان سے یہی کہے گا کہ اللہ کی ہے۔ لیکن وقت پر اس کا دھیان نہیں رہتا۔ جب صدمہ کا، غم کا، خوشی کا وقت آتا ہے تو دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے بجائے ان واسطوں میں گھر جاتا ہے اور ایک "وہم" آجاتا ہے اور انسان اس وہم کے پیچھے چل پڑتا ہے اور اصل حقیقت کو بھول جاتا ہے۔

## "لاش" کے ساتھ سونے میں وحشت ہوتی ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک بڑی عجیب مثال دی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کی لاش ہے، اس لاش کے بارے میں ہر انسان جانتا ہے کہ یہ بے جان ہے، اس میں روح نہیں ہے، اس کے اندر نہ کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے، نہ نقصان پہنچانے کی طاقت ہے۔ اس بات کا دل میں پکا یقین ہے، لیکن کسی انسان سے یہ کہا جائے کہ تم رات کے اندھیرے میں اس لاش کے ساتھ سوجاؤ! بتاؤ! کیا ہوگا؟ اس کو اس کے ساتھ سونے سے وحشت ہوگی، حالانکہ وہ جانتا ہے

---

(۱) سورۃ الفاطر: آیت (۲)

کہ یہ ''لاش'' نہ تو نقصان پہنچا سکتی ہے، نہ نفع پہنچا سکتی ہے۔ لیکن دماغ میں ایک وہم پیدا ہو رہا ہے، اس لئے اس کے ساتھ لیٹنے کو دل نہیں چاہتا۔(۱)

## ''توحید'' پر یقین کے ساتھ دل میں ''وہم''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ مثال دے کر فرماتے ہیں کہ اسی طرح دل میں ''توحید'' کا یقین تو ہے، لیکن ''وہم'' اس کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ ''وہم'' ظاہری اسباب ہیں۔ مثلاً جو مجھے مارا، وہ فلاں نے مارا، مجھے فلاں نے یہ چیز دی، اس طرح ان واسطوں کی طرف ذہن بھٹک جاتا ہے اور اصل کی طرف نہیں رہتا۔ لہٰذا اس ''وہم'' کو زائل کرکے اور ان اوہام کے بادلوں کو چھانٹ کر اللہ واحد کی طرف دل کو متوجہ کرنا اور اس کا استحضار رکھنا یہ ''توحیدِ حقیقی'' ہے اور ''توحیدِ عملی'' ہے اور ''مقامِ توحید'' ہے۔

## ''مقامِ توحید'' مراقبات سے حاصل ہوتا ہے

اور یہ ''مقامِ توحید'' مراقبات سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ(۲)

---

(۱) احیاء العلوم للغزالی جلد ٤ / ٢٦٠ طبع دار المعرفة، بیروت

(۲) سورۃ آل عمران: آیت (۱۹۱)

یعنی تھوڑی دیر کے لئے آدمی بیٹھ کر یہ مراقبہ کرے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ میرے پروردگار کے حکم سے ہو رہا ہے اور اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ یہ پرندہ جو میرے سامنے اڑ رہا ہے یہ کسی کے حکم سے اڑ رہا ہے، کسی کی مشیت سے اڑ رہا ہے اور کسی مقصد سے اڑ رہا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیا مقصد ہے؟ اب ہم روزانہ پرندوں کو اڑتا ہوا دیکھتے ہیں، لیکن ذہن اس کے خالق کی طرف، اس کے مالک کی طرف، اس کے چلانے والے کی طرف اور اس کے مقصد کی طرف نہیں جاتا۔

## صوفیاءِ کرام کے مختلف مراقبات

صوفیاءِ کرام بعض اوقات جو مراقبات کراتے ہیں وہ اسی قسم کے ہوتے ہیں کہ ذرا یہ سوچا کرو، یہ پرندہ کیوں اڑا جا رہا ہے؟ اور یہ چیونٹی جو جا رہی ہے، اس کا بھی کوئی مقصد ہے۔ یہ چیونٹی خود نہیں چل رہی ہے، بلکہ کوئی ذات اس کو چلا رہی ہے، اس کے پیچھے کوئی مشیت کارفرما ہے اور یہ جا کر اللہ تعالیٰ کی مشیت کا کوئی مقصد حاصل کرے گی۔ یا چھپکلی جا رہی ہے، یا حشرات الارض جا رہے ہیں۔ یہ درختوں پر پتے حرکت کر رہے ہیں، ہوا کبھی تیز چل رہی ہے اور کبھی ہلکی چل رہی ہے۔ گرمی ہو رہی ہے، سردی ہو رہی ہے، یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟ یہ سب ایک خالق، ایک مالک کی مشیت کا عکس ہے۔ جب بندہ بار بار مراقبہ کرتا ہے اور تصور کرتا ہے تو پھر اس کے دل میں توحید جم جاتی ہے، اس کو صوفیاءِ کرام "مقامِ توحید" کہتے ہیں۔

## پھر ہر حرکت کے پیچھے اللہ کی ذات نظر آتی ہے

اور جب یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس بندے کو ہر حرکت کے پیچھے ''اللہ'' کی ذات نظر آتی ہے۔ ہر جاندار کے پیچھے اور ہر بے جان کے پیچھے ''اللہ'' کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس کی مشیت کی کارفرمائی نظر آتی ہے اور جب یہ صورتِ حال پیدا ہوجاتی ہے تو اس کے بعد اگر بالفرض میرے سامنے کوئی خوشی کا واقعہ پیش آتا ہے تو میں اس خوشی کے واقعے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور کہوں گا:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ

اور اگر کوئی غم اور پریشانی کا واقعہ پیش آئے گا تو اس کو باری تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ قرار دے کر اس پر راضی رہوں گا اور یہ کہوں گا:

مَاشَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ

جو اللہ نے چاہا، وہ ہوگیا اور جو اللہ نے نہیں چاہا، نہیں ہوا۔

طبعی طور پر اس غم پر صدمہ ہوگا۔

## یہ اسی کی مشیت کا فیصلہ ہے

مثلاً ایک آدمی کے گھر میں چوری ہوگئی اور اس کی ساری دولت لٹ گئی۔ اس پر اس کو صدمہ تو ہوگا؟ وہ ''صدمہ'' کوئی ممنوع اور گناہ بھی نہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس کے دل میں یہ بات ہوگی کہ اصل میں اس کی کارفرمائی کہیں اور سے ہو رہی ہے اور یہ اسی کی مشیت کا فیصلہ ہے اور یقیناً اس فیصلے میں کوئی حکمت پوشیدہ

ہے۔ لہٰذا میں ''غم'' کا اظہار تو کر رہا ہوں لیکن ساتھ ہی اس فیصلے پر راضی بھی ہوں۔ جیسے ایک ڈاکٹر جب آپریشن کرتا ہے تو اس وقت وہ بندہ تکلیف سے چیختا ہے اور چلاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ اس آپریشن کے لئے راضی بھی ہے کہ یہ ڈاکٹر میری مصلحت کی وجہ سے کر رہا ہے۔ باوجود تکلیف کے وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر میرا دشمن نہیں ہے بلکہ میرا خیر خواہ ہے۔

## توحیدِ عملی کے نتیجے میں رضا بالقضاء

اس طرح بندے کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا غم پہنچتا ہے تو ایک طرف وہ غم بھی کرتا ہے اور اس غم کی وجہ سے رو بھی رہا ہے لیکن اس کے باوجود دل میں یہ اعتقادِ جازم موجود ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ میرے مالک کے فیصلے سے ہوا ہے۔ میں اس پر راضی ہوں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، میری مصلحت کے لئے کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا مصلحت ہے؟ اور جب یہ ''توحیدِ عملی'' حاصل ہو جاتی ہے تو وہ لازماً رضا بالقضاء پر منتج ہوتی ہے کہ میں ''تقدیر'' کے فیصلے پر راضی ہوں۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ مجھے کوئی گلہ نہیں ہے۔

## ایک ایک بندہ کا اس کو علم ہے

لہٰذا بندہ ایک طرف اس بات کا اعتقاد رکھے کہ اس کائنات میں سارے کام باری تعالیٰ کے حکم سے ہو رہے ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے کہ

وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ

الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱)

کسی درخت کا کوئی پتہ بھی نہیں گرتا، مگر یہ کہ اس کے علم میں ہوتا ہے۔ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ بھی حرکت کر رہا ہے تو باری تعالیٰ کے علم اور اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ ان باتوں کا دل میں اعتقاد تو ہے، لیکن اس کا استحضار نہیں ہے، اگر اس کی مشیت اور اس کی حکمت کے تحت مجھے کوئی زخم لگ گیا تو اب اس زخم کی فکر میں پڑا ہوا ہوں اور اس پر صدمہ ہو رہا ہے۔ ہائے یہ مصیبت میرے اوپر کیوں آ گئی؟ ہائے میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا؟ ایسا کیوں ہوا؟ یہ درحقیقت اس اعتقاد کی نفی ہے۔ اس اعتقاد کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ محسوس کرے کہ اس مالک کی طرف سے یہ فیصلہ ہے۔ میں اس کی حکمت کو نہیں مانتا، وہی حکیم ہے، وہی حاکم ہے، لہٰذا میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اگرچہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے یہ چیز ''مقامِ توحید'' حاصل ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

## ''مقامِ توحید'' کے نتیجے میں اعتقادِ جازم

اور ''مقامِ توحید'' اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ جب بندہ بار بار اس اعتقاد کا مراقبہ کرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں یہ ''اعتقادِ جازم'' پیدا ہو جاتا ہے، اس کے بعد نہ تو کوئی ''لالچ'' اس کے اوپر کارگر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ ایک کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا چاہتا ہے، چونکہ اس کو پتہ ہے کہ موت اور زندگی سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ نفع، نقصان سب اس کے ہاتھ میں ہے، اگر کوئی مجھے لالچ دے رہا ہے تو میں لالچ سے مرعوب نہیں ہوں گا، یہ مجھے اگر ڈرا رہا ہے تو میں اس

(۱) سورۃ الانعام: آیت (۵۹)

سے نہیں ڈروں گا۔ بلکہ میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہوں گا۔ ایسے شخص کو شدید ڈر کے موقع پر بھی ڈر نہیں ہوتا اور اس کو شدید لالچ کے موقع پر بھی لالچ نہیں ہوتا۔

## اصل ''موحّد'' کی حالت

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

موحد بر پائے چہ ریزی زرش<br>
کہ شمشیرِ ہندی نہد برسرش<br>
امید وحراست نہ باشد ز کس<br>
ہمیں است بنیاد ''توحید'' وبس

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''موحّد'' وہ ہے کہ اس کے پاؤں میں سونے کے خزانے ڈال دو، اور اس کو یہ لالچ دلاؤ کہ یہ غلط کام کرلو تو کبھی وہ غلط کام نہیں کرے گا اور اس کے سر کے اوپر ہندی تلوار رکھ دو، تو اس کو نہ کسی سے امید وابستہ ہوگی اور نہ کسی سے ڈر ہوگا۔ توحید کی بنیاد یہی ہے۔

## پھر نہ کسی سے امید، نہ کسی کا خوف

لہٰذا جب بندہ کو ''مقامِ توحید'' حاصل ہوجاتا ہے تو وہ بندہ نہ تو کسی سے بہت زیادہ امید وابستہ کرتا ہے کہ یہ مجھے کچھ دے دے گا، یا مجھے کچھ فائدہ پہنچا دے گا اور نہ کسی سے ڈر اس پر اتنا غالب ہوتا ہے، بلکہ وہ یہ جانتا ہے کہ جو کچھ ملے گا وہ میرے مالک کی طرف سے ملے گا اگر کوئی ضرر پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے پہنچے گا۔ اس لئے اس کو نہ تو کسی سے امید وابستہ ہے اور نہ خوف کسی سے وابستہ ہے۔ امید ہے تو ایک سے ہے اور خوف ہے تو ایک سے ہے۔ یہ ہے ''مقامِ توحید''۔

## شر کو اللہ کی طرف منسوب نہ کرے

اور جب بندہ بار بار یہ مراقبہ کرتا ہے کہ اس کائنات میں ہر کام کسی مالک کی مشیت سے ہو رہا ہے، اسی کی مشیت کارفرما ہے اور کسی کی زیر تربیت یہ مراقبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو ''اِفراط اور تفریط'' سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دیکھئے: ایک طرف تو یہ ''مقامِ توحید'' ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے، مجھے اگر کوئی نقصان پہنچا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پہنچا ہے۔ لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ''خیر'' کو اللہ کی طرف منسوب کرے اور اگر ''شر'' ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے اگرچہ وہ ''شر'' بھی انہی کی طرف سے ہے، لیکن ''شر'' کو ان کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنی طرف منسوب کرے۔

## حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ادب

حضرت ابراھیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ○ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○ [1]

(۱) سورۃ الشعراء: آیت (۷۸ تا ۸۰)

میرا پروردگار وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہ ہی مجھے راہ
بھی دکھاتا ہے اور جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور جو مجھے پانی
پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا
ہے۔

اگرچہ بیماری بھی اسی کی طرف سے آ رہی ہے، ان کی مشیت سے آ رہی ہے، لیکن مقامِ ادب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے۔ بلکہ اپنی طرف منسوب کرے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''بیماری'' کو اپنی طرف منسوب کیا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔

## حضرت خضر علیہ السلام کا ادب

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ آپ سب حضرات جانتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے توڑا، لیکن اس کے توڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ
سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۝ (١)

یعنی میں نے یہ چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار بنادوں تاکہ بادشاہ ان کی کشتی کو عیب دار ہونے کی وجہ سے ان سے چھین نہ لے۔ اس لئے ''اَرَدْتُّ'' فرمایا۔

---

(١) سورۃ الکھف: آیت (٧٩)

## اچھے کام کی نسبت اللہ کی طرف کردی

اور جہاں بچے کو قتل کیا تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ○ (۱)

یعنی ہم نے چاہا۔ یعنی اللہ کی مشیت نے چاہا کہ اس بچے کے بدلے میں اس کے ماں باپ کو اچھا بچہ عطا فرمائیں۔ اور جہاں دیوار سیدھی کی تھی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (۲)

یعنی یہ یتیموں کی دیوار تھی، اس دیوار کے نیچے ان یتیموں کا خزانہ تھا، اس لئے تمہارے پروردگار نے ارادہ فرمایا کہ یہ بچے جب جوان ہوجائیں اس وقت وہ اپنا خزانہ دیوار کے نیچے سے نکال لیں۔ چونکہ یہ اچھا کام تھا، اس لئے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی اور کشتی توڑنے کی نسبت اپنی طرف کردی۔ اب ہر عمل میں اسی کی مشیت کارفرما تھی، کشتی کو اسی کے حکم سے توڑا اور بچے کو بھی اسی کی حکم اور مشیت سے قتل کیا، لیکن عیب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔

## ادب کا تقاضا

لہٰذا جب ''توحید'' کا عقیدہ دل میں سما گیا وہ عقیدہ توحید ''حال'' اور

(۱) سورۃ الکھف: آیت (۸۱)

(۲) سورۃ الکھف: آیت (۸۲)

"مقام" بن گیا اور ہر چیز کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ذات کارفرما نظر آتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ادب کا تقاضا یہ ہے کہ "خیر" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے اور "شر" کی نسبت اپنی طرف کرے۔

## بندوں کا بھی شکر ادا کرو

دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ اسباب کی کارفرمائی بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہو رہی ہے، لیکن دنیا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے اسباب سے متعلق کچھ احکام رکھ دیئے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے آپ کے ساتھ کوئی احسان کیا ہے اب حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے واسطہ اس شخص کو بنا دیا۔ لہٰذا اس واسطہ کا حق یہ ہے کہ اس کا بھی "شکریہ" ادا کیا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

"مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ"(1)

جو بندوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس بندے کا "شکریہ" بھی ادا کرنا ہے۔

## ہر چیز اپنے محل پر ہونی چاہئے

اسی طرح اگر کوئی شخص آپ کو تکلیف پہنچائے تو اس کا جواب اور اس کی سزا شرعاً موجود ہے۔ مثلاً اگر کسی نے آپ کو تھپڑ مارا تم بھی اس کو اتنی زور کا ایک تھپڑ

(1) سنن الترمذی ٣ / ٥٠٥ (١٩٥٥) وقال: هذا حديث حسن.

مار سکتے ہو۔ (۱) بہرحال! ایک طرف تو ''توحید'' کا اعتقاد دل میں رچا بسا ہو اور دوسری طرف ہر چیز اپنے محل پر ہو۔ یہ ''تلوار سے زیادہ تیز'' اور ''بال سے زیادہ باریک'' ہے۔ اس لئے کہ ہر حکم کا حق ادا کرنا ہے، ایک طرف ''توحید'' کا عقیدہ ہے اور وہ عقیدہ دل میں رچا ہوا بھی ہے، دوسری طرف اسباب بھی ہیں اور ادب کا تقاضا بھی ملحوظ ہے اور ہر ایک کا حق ادا کیا جا رہا ہے۔

## پھر مخلوق کا خوف ختم ہو جائے گا

یہ کام صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم اور تربیت سے ہوتا ہے یا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثین کی تربیت سے ہوتا ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ دل میں ''توحید'' کا عقیدہ رچایا اور بسایا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر مخلوق سے خوف بھی کم ہو جائے گا اور مخلوق سے زیادہ امیدیں بھی وابستہ نہیں ہوں گی اور جب ''صدمہ'' آئے گا تو وہ صدمہ اپنی حدود میں رہے گا۔ حدود سے متجاوز نہیں ہوگا۔ اگر خوشی ہوگی تو وہ حدود کے اندر ہوگی، حد سے متجاوز نہیں ہوگی۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا:

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (۲)

یعنی جو نعمت تمہارے ہاتھ سے فوت ہوگئی، اس پر زیادہ غم نہ کرو اور جو نعمت حاصل ہوگئی، اس پر زیادہ اکڑ نہ ہو، بلکہ اعتدال ہو۔

---

(۱) کما قال سبحانہ وتعالی: فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (البقرة: ۱۹٤)

(۲) سورة الحدید: آیت (۲۳)

## جو چیز چلی جائے، اس پر زیادہ افسوس نہ کرو

دنیا میں واقعات اس لئے کرائے جاتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ احد میں تمہیں تھوڑی سی شکست دلوائی اور بظاہر تمہارے دشمن تم پر غالب آگیا، یہ سب اس لئے ہوا کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے چلی گئی، اس پر زیادہ افسوس نہ ہو اور جو چیز ہاتھ آگئی، اس پر زیادہ اتراؤ نہیں۔ وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت تھی اور یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت ہے۔ اعتدال پر قائم رہنا یہ آسان کام نہیں ہے اور یہ بزرگوں کی صحبت ہی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں یہ نظریاتی طور پر تو سمجھ میں آگئیں، لیکن عملاً یہ بات حاصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

بہرحال! ان آیات میں ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی صفات بیان کرتے ہوئے درمیان میں ''توحید'' کا بیان لے آئے۔ درحقیقت ان صفات کی علت بیان ہو رہی ہے کہ ''توحید'' ان ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کے دل ودماغ میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ یہ سارے اعمال ان سے صادر ہو رہے ہیں اور وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہتے ہیں۔ اس لئے صفات کے بیان کے درمیان ''توحید'' کا بیان لاتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔

## کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے

پھر آگے دوبارہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی صفات کا بیان شروع کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ [1]

یعنی وہ لوگ کسی ایسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرمت عطا کی ہے۔ مگر برحق۔

''برحق'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقعتاً سزا کا مستحق تھا۔ مثلاً اس نے کسی کو قتل کردیا تھا اور اب قصاصاً اس کو قتل کرنا جائز تھا۔ اگر کسی نے حالتِ احصان میں زنا کا ارتکاب کیا تھا تو اس کو رجم کرنا جائز تھا۔ اسی طرح اگر کوئی مرتد ہوگیا اور اسلام سے پھر گیا تو اس کو قتل کرنا جائز تھا وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ کسی کی جان پر حملہ آور نہیں ہوتے۔

## وہ زنا نہیں کرتے

آگے ایک اور صفت ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' کی بیان فرمائی کہ

وَلَا يَزْنُوْنَ

اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔

یہ درمیان میں جو منفی صفات بیان ہو رہی ہیں کہ وہ لوگ یہ نہیں کرتے، یہ نہیں کرتے۔ یہ درحقیقت کفار اور مشرکین کے اعمال کی طرف تعریض اور اشارہ ہے کہ اے مشرکو! وہ لوگ تمہاری طرح نہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور نہ قتل کرتے ہیں، جس طرح تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل کردیتے ہو اور نہ زنا کرتے ہیں، زنا بھی جاہلیت کے اندر ایک عام وبا تھی۔

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۸)

لوگ اس کو بھی برا عمل نہیں سمجھتے تھے، ان کی طرف اشارہ ہے کہ ''عِبادُ الرَّحْمٰنِ'' کبھی زنا نہیں کرتے۔

## آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں

زنا کے بارے میں چونکہ قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى (۱)

کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے جو مختلف پہلو ہیں، ان میں سے کوئی بھی اختیار مت کرو۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ (۲)

یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا ''دیکھنا'' ہے۔

کسی غیر محرم کو لذت لینے کی نیت سے دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ اللہ بچائے۔ یہ زنا آج کے معاشرے میں ایسا پھیلا ہے کہ اس سے بچنا بظاہر مشکل ہوگیا ہے۔ ہر آدمی کی جیب میں زنا پہنچا دیا ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی حفاظت نہ ہو اور خود اس شخص کی ہمت اور عزم نہ ہو تو پھر آدمی اس گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔

---

(۱) سورۃ الاسراء: آیت (۳۲)

(۲) ماخوذ از صحیح البخاری ۸ / ٥٤ (٦٢٤٣)

## زنا پر سخت وعید

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝[1]

یعنی جو شخص زنا کرے گا وہ اپنے گناہ کی سزا بھگتے گا وہ اس طرح بھگتے گا کہ قیامت کے روز اس کے عذاب کو دوگنا کردیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلیل ہوکر رہے گا۔ اتنی زبردست وعید زنا پر بیان فرمائی۔

## جہنم میں اس کو کھینچ کر لایا جائے گا

فرمایا: ''وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا'' لفظ ''فیہ'' عام عربی میں ''ہ'' کو کھینچا نہیں جاتا، لیکن ہماری قرأت میں ''فیہ'' میں ''ہ'' کھینچ کر پڑھا جاتا ہے۔ ''اشباع'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اس کو جو کھینچ کر پڑھا گیا ہے، اس سے اس طرح اشارہ ہے کہ اس کو جہنم میں کھینچ کر لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین۔

## جو شخص توبہ کرلے اس کی سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا

پھر آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۸ - ۶۹)

اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ [1]

جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور عمل صالح کرے۔ جب بندہ یہ سب کام کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی سیئات کو بھی ''حسنات'' میں تبدیل کردے گا۔ یعنی اس کے گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کردے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو اتنا پسند فرماتے ہیں کہ جہاں اس کے اعمال نامے میں گناہ لکھے ہوئے تھے، حکم ہوگا کہ ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی لکھ دو اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

## چھوٹے چھوٹے گناہ اس کو دکھاؤ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے روز بندہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس کے جو چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں وہ اس کو دکھاؤ۔ چنانچہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ ایک ایک کرکے دکھائے جائیں گے۔ اب یہ بندہ ڈر رہا ہوگا کہ یا اللہ! جب یہ چھوٹے چھوٹے گناہ اتنے زیادہ ہیں تو اگر ان پر ہی میری پکڑ ہوگئی تو میں تو گیا۔ جب سارے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی لکھ دو۔ جب اللہ تعالیٰ یہ حکم فرمائیں گے تو اس وقت وہ بندہ کہے گا کہ یا اللہ! میرے کچھ اور بھی گناہ تھے جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے ہیں؟ یہ بات بیان کرتے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ [2] یہ ہے اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۰)

(۲) صحیح مسلم ۱ / ۱۷۷ (۱۹۰)

رحمت کہ ''فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ''

## توبہ کی عظمت وفضیلت

بہرحال! ''توبہ'' کی اتنی عظیم فضیلت دیکھو کہ آدمی کتنے گناہ کر گیا، سب کچھ کر گیا اور پتہ نہیں کس کس گناہ کے اندر مبتلا رہا، بس ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آکر سچے دل سے کہہ دیا کہ:

''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ''

تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس بندے کے گناہ مٹا دو اور ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی لکھ دو۔ یہ ہے ''توبہ'' کی عظیم فضیلت۔ لہٰذا ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے ڈرایا بھی کہ:

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (۱)

کہ قیامت کے روز ان کو دوگنا عذاب ہوگا اور اسی میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہیں گے اور دوسری طرف خوشخبری بھی سنا دی۔

## ایک مرتبہ سچے دل سے توبہ کرلو

اگرچہ سارے گناہ تم نے کر لئے ہیں، لیکن ہم تمہیں ایسا نسخہ بتادیتے ہیں کہ گناہ کے سارے پہاڑ ایک لمحہ میں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ ماضی میں تم نے جتنے گناہ کئے ہیں، ان سب کا تصور کر کے ایک مرتبہ سچے

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۹)

دل سے توبہ کرلو اور کہو کہ یا اللہ! میرے یہ سارے گناہ اپنے فضل سے معاف کردیجئے اور توبہ کے معنیٰ ہیں ''ندامت''، ''انما التوبة الندم'' کہ ''توبہ'' ندامت اور پشیمانی کا نام ہے کہ یا اللہ! مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی اور کہو:

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ

یا اللہ! میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا اور آپ کے سوا کون ہے جو مجھے معاف کرے گا، لہٰذا آپ اپنے فضل سے معاف کردیجئے اور مجھ پر رحم فرمایئے۔

## ایسی تیسی میرے گناہوں کی

بہرحال! ''ندامت'' کی توبہ کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس طرح دیتے ہیں کہ اس کی سیئات کو حسنات سے تبدیل فرما دیتے ہیں۔ جب یہ ندامت کی آہیں اٹھتی ہے کہ مجھ سے بہت سارے گناہ ہو گئے، بہت غلطیاں ہوگئیں، میں پشیمان اور شرمندہ ہوں، یا اللہ! میں کیسے اس کی تلافی کروں؟ یہ ندامت کی آہیں تمام گناہوں کو مٹانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ ہیں، حضرت بابا نجم الحسن صاحب۔ ہمارے بھائی کلیم صاحب کے منہ بولے نانا تھے، حقیقی نانا تو نہیں تھے، لیکن ان کے گھر میں رہتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت تھے اور صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے۔ شاعر بھی تھے، ان کا ایک شعر

مجھے بہت پسند آتا ہے کہ۔

دولتیں مل گئی ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

## توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے

لہٰذا جب گناہ ہوجانے کے بعد ندامت کی آہیں مل جائیں اور پھر وہ استغفار اور توبہ کرلے تو وہ پہاڑ کے برابر ہو تو وہ ریزہ ریزہ ہوجائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''توبہ'' کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور مرتے دم تک یہ کھلا رہے گا۔ اس لئے ہمارے بزرگ یہ تلقین فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سونے سے پہلے بیٹھ کر توبہ کرلیا کرو۔ دن بھر میں جتنے بھی گناہ ہوئے ہیں، زبان بہکی، آنکھ بہکی تو ان سب سے توبہ کرلو اور کہو ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ'' ان شاء اللہ محروم نہیں رہو گے۔

## رات کو بیٹھ کر توبہ کرلیا کرو

انہی حضرت بابا نجم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک نوجوان حضرت کے پاس آیا۔ وہ اس لئے آیا کہ ان کے والد صاحب اپنا قلم بھول گئے تھے، ان کے والد صاحب نے بابا صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ جا کر قلم لے آؤ۔ حضرت بابا صاحب نے اس کو قلم دے دیا۔ وہ نوجوان بالکل بے فکر قسم کے نوجو ان تھے جس طرح بے فکر قسم کے نوجوان ہوتے ہیں، انہی کی طرح تھا، جب وہ نوجوان جانے لگا تو حضرت بابا نے ان سے فرمایا:

صاحبزادے! لوگ کہتے ہیں کہ دین پر عمل کرنا مشکل ہے، ارے کچھ بھی مشکل نہیں۔ رات کو بیٹھ کر توبہ کرلیا کرو۔

یہ بات اس کے کان میں ڈال دی۔ حالانکہ وہ تو قلم لینے آیا تھا۔ اللہ کے نیک بندے کی بات اس کے دل میں اتر گئی اور اس عمل نے اس نوجوان کی زندگی بدل دی۔

## شیطان زہر، توبہ تریاق

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا کیا، جو زہر ہے اور ہر زہر کا تریاق بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ''استغفار'' اور ''توبہ'' کا تریاق عطا فرمایا۔ بس! اسی ''توبہ'' کے سہارے زندگی گزاردیں۔ بس! باری تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور ''توبہ'' کرتے ہوئے، اسی میں جان نکل جائے تو ان شاء اللہ جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۲۷

## "عباد الرحمٰن" ساتواں حصہ

وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دعا

## دعا نمبر ۲۷ ”عباد الرحمٰن“ ساتواں حصہ

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا

الحمد للہ رب العالمین، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ، وَعَلَى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ أَمَّا بَعْدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! گذشتہ کئی مجلسوں سے ”عباد الرحمن“ کی صفات کا بیان چل رہا ہے، جو صفات اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں بیان فرمائی ہیں۔ ”عباد الرحمٰن“ کی بعض صفات کا بیان گذشتہ مجلسوں میں تفصیل سے ہو چکا۔ یاددہانی کے لئے اور ان کو تازہ کرنے کے لئے دوبارہ عرض کرتا ہوں، سب سے پہلی صفت جو بیان فرمائی ہے وہ ہے: ”تواضع“ یعنی بندگی کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ بندہ تواضع اختیار کرے، تکبر اور عجب سے بچے، عاجزی اختیار کرے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لڑائی، جھگڑے سے بھی پرہیز کرتا ہے، اس لئے اللہ کو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مسلمانوں کے درمیان آپس کے جھگڑوں سے زیادہ مکروہ چیز کوئی نہیں۔

## عباد الرحمن جھگڑوں سے بچتے ہیں

فقہ کی کتابوں میں جہاں معاملات کا ذکر ہے، وہاں بار بار یہ بات فقہاء نے بیان فرمائی ہے کہ جو چیز "مُفضی الی النزاع" ہو وہ عقد کو فاسد کر دیتی ہے، یعنی معاملات صاف صاف کرو۔ اگر کسی جگہ اندیشہ ہو کہ کسی وقت دونوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے گا، اس سے پرہیز کرو تو شریعت نے ایک ایک چیز میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جھگڑا نہ ہو، بہرحال! دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ جھگڑتے نہیں۔ اور اگر دوسرا جھگڑے تو اس سے سلامتی کی بات کرتے ہیں، بعض اوقات جھگڑے سے بچنے کے لئے اپنا حق چھوڑ دیتے ہیں۔

## عباد الرحمن کی تیسری اور چوتھی صفت

تیسرا وصف یہ بیان فرمایا تھا کہ رات کے وقت وہ کبھی سجدوں میں ہوتے اور کبھی قیام میں ہوتے ہیں۔ چوتھا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ جہنم کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ:

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝
اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ (۱)

ان کو اپنے عمل پر کوئی ناز نہیں کہ میں جو عمل کر رہا ہوں، بس اس کے بدلے مجھے جنت مل گئی اور میرا عمل مجھے جنت میں پہنچا دے گا، نہیں، بلکہ وہ

(۱) سورة الفرقان: آیت (٦٥ - ٦٦)

بندے عمل کرتے بھی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں۔

## عبادالرحمن کی پانچویں صفت

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ (۱)

وہ بندے ایسے ہیں کہ جب خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو وہ نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، اس لئے کہ یہ دونوں ہی برے ہیں، ''اسراف'' بھی برا ہے، اور ''بخل'' بھی برا ہے، اور جو اعتدال کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے، جو صحیح راستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ ہے۔

## عبادالرحمن کی چھٹی صفت

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی کہ:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (۲)

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، جیسا کہ گذشتہ مجلس میں عرض کیا تھا کہ اس آیت سے ''مقامِ توحید'' کی طرف

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۷)

(۲) سورۃ الفرقان: آیت (۶۸)

اشارہ ہے اور یہ ان کے ایمان کے بارے میں جو وصف ہے، اس کو دوسرے اوصاف کے بعد لائے ہیں، اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو بندے ان اوصاف کے حاملین ہوتے ہیں، ان کو ایمان میں پختگی حاصل ہوتی ہے۔

## امر بالمعروف سے ایمان میں پختگی

اس کی مثال وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۱)

دیکھیے! اس آیت میں بھی اوصاف کا ذکر پہلے کیا اور ایمان کا ذکر بعد میں کیا، چنانچہ فرمایا کہ وہ لوگ امر بالمعروف کرتے ہیں اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، یعنی لوگوں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا ایمان کے بغیر تو نہیں ہوگا۔ میں نے ''تبلیغی جماعت'' کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے، ان کے واسطے سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ ''اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہتا ہے یعنی تبلیغ کرتا رہتا ہے تو اس تبلیغ کے نتیجے میں خود اس کا اپنا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔اس لئے اس آیت میں ''وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ'' کو بعد میں لائے۔

یہاں بھی ایسا ہی ہے، اس وجہ سے ''ایمان'' کا ذکر بعد میں فرمایا۔

---

(۱) سورۃ آل عمران: آیت (۱۱۰)

## ''عبادالرحمن'' کی ساتویں اور آٹھویں صفت

ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ [1]

یعنی وہ لوگ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرمت عطا کی ہے مگر برحق۔

آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی:

وَلَا يَزْنُوْنَ

اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔

اس کے بعد زنا کی سزا کا بیان فرمایا کہ:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝

آگے توبہ کا ذکر فرمایا:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ [2]

ان آیات کے بارے میں گذشتہ مجلس میں تفصیل سے عرض کر دیا۔

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۶۸)

(۲) سورۃ الفرقان: آیت (۷۰)

## ایسا شخص توبہ ہی کرتا ہے

پھر آگے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝[1]

ابھی پیچھے بیان کر چکے کہ جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے، عملِ صالح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو حسنات میں تبدیل فرمادیں گے، اب یہاں دوبارہ فرمارہے ہیں کہ:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

یہ دوبارہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمارہے ہیں کہ جو شخص توبہ کرلے اور نیک عمل کرے تو:

فَإِنَّهُ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

اب اس آیت میں بظاہر موضوع، محمول ایک ہورہے ہیں، اگر آپ لفظی طور پر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ پہلے تو یہ کہہ دیا کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اور ایمان کے ساتھ عملِ صالح بھی کرتا ہے، اس کی برائیوں کو ہم نیکیوں سے بدل دیتے ہیں، اس کو پہلے ہی اتنا بڑا انعام دے دیا، اب دوبارہ یہ فرمارہے ہیں کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے وہ توبہ ہی کرتا ہے۔ لفظی معنیٰ یہ ہیں تو یہ عجیب جملہ ہے۔

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۱)

## توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ اس آیت میں جو لفظ ''تاب'' آیا ہے، اس سے مراد ہے ''توبہ کرنا''۔ اس آیت کے اندر آگے لفظ ''یتوب'' جو لایا گیا ہے، یہ لفظی اور لغوی معنی میں ہے اور عربی زبان میں ''تاب، یتوب'' کے لفظی معنی ہیں ''لوٹنا'' اور ''متاب'' اس کا مصدر ہے، اگر اس آیت کا صحیح لفظی ترجمہ کیا جائے تو یہ ہوگا کہ ''جو شخص توبہ کرے، اور عمل صالح کرے تو وہ لوٹ آتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھیک لوٹ آنا۔''

اس لئے کہ ''متابا'' مصدر مطلق ہے، کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی اس شخص نے سچی توبہ کی ہے اور سچی توبہ کی علامت یہ ہے کہ بعد میں نیک عمل کرے۔ جب وہ بار بار یہ کرتا ہے کہ توبہ بھی کر رہا ہے اور عمل صالح بھی کر رہا ہے تو پھر انجام اس کا یہ ہے کہ وہ بس اللہ کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

## بعض اوقات توبہ ٹوٹ جاتی ہے

اس آیت میں ہم لوگوں کو زبردست بشارت اور تسلی دی جارہی ہے کہ تم یہ مت سمجھو کہ تمہارا توبہ کرنا اور ہم سے معافی مانگنا، یہ بیکار ہو جائے گا۔ بعض اوقات، خاص طور پر ہمارے جیسے لوگ توبہ کر لیتے ہیں اور توبہ کرتے وقت عزم بھی ہوتا ہے کہ دوبارہ یہ گناہ نہیں کریں گے، لیکن نفس و شیطان کے غلبہ سے بعض اوقات وہ توبہ ٹوٹ جاتی ہے، حالانکہ توبہ کے وقت عہد اور پکا عزم کیا تھا کہ آئندہ یہ حرکت نہیں کروں گا۔ لیکن کسی وقت گناہ کا موقع آیا تو آدمی پھسل گیا اور توبہ توڑ

دی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لئے قرآنِ کریم میں اعلان کر رکھا ہے کہ:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا [1]

اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

جس کو اس اعلان کا خیال آتا ہے تو اگرچہ توڑنے کے نتیجے میں ندامت ہوئی، شرمندگی ہوئی اور بڑا دکھ ہوا اور اپنے سے مایوسی پیدا ہونے لگی کہ میں تو کسی کام کا نہیں، اور میری اصلاح تو نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ میں توبہ کرتا ہوں، ٹوٹ جاتی ہے، توبہ کرتا ہوں، ٹوٹ جاتی ہے۔

## اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوجاؤ

ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ اعلان فرمارہے ہیں کہ ارے تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہٰذا جب تم سے توبہ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ "اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا"۔ لفظ "ذنوب" میں الف لام استغراق کا ہے، یعنی تمام گناہوں کی مغفرت کرتا ہے اور پھر لفظ "جمیعا" سے مزید تاکید فرمادی کہ جتنے گناہ کئے ہیں، سب کی مغفرت کردے گا، لہٰذا تم واپس آجاؤ اور دوبارہ توبہ کرلو۔ لہٰذا جب آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف چلتا ہے تو کبھی وہ گرتا ہے، کبھی پڑتا ہے، پھر اُٹھتا ہے، پھر چل پڑتا ہے، پھر گرتا ہے، پھر اُٹھتا ہے، پھر چل پڑتا

(۱) سورۃ الزمر: آیت (۵۳)

ہے، لیکن ہمت نہیں ہارتا، جب کوئی بندہ ہمت نہ ہارے اور کوشش میں لگا رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر اللہ تعالیٰ اس کو عملِ صالح کی توفیق دیدیں گے۔

## اللہ تعالیٰ تمہیں گود میں اُٹھالیں گے

اور جب اللہ تعالیٰ عمل صالح کی توفیق دیدیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا[1]

یعنی اب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھیک لوٹ آئے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع جاری رکھو گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگتے رہو گے اور پناہ بھی مانگتے رہو گے کہ یا اللہ! میں ماضی پر معافی مانگتا ہوں اور مستقبل پر پناہ مانگتا ہوں اور مایوس ہوئے بغیر اگر یہ کام کرتے رہو گے تو ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گود میں اُٹھالیں گے۔

## باپ بچے کو گرنے نہیں دیتا

جیسے بچے کو جب ماں باپ چلنا سکھاتے ہیں تو اس کو دور کھڑا کرکے اس کو بلاتے ہیں کہ آؤ بیٹا! ہمارے پاس آجاؤ، جب وہ آنے کی کوشش کرتا ہے تو گرنے لگتا ہے، لیکن باپ اس کو گرنے نہیں دیتا، بلکہ پکڑ کر دوبارہ کھڑا کردیتا ہے اور پھر بلاتا ہے کہ میرے پاس آؤ بیٹا، اور جب بیٹے نے دو چار قدم آگے بڑھالئے تو باپ اس کو آگے بڑھ کر گود میں اُٹھالیتا ہے۔

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۱)

## جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں

اب ہم تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بچے سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں، ہم تو اسی طرح گرتے پڑتے رہیں گے۔لیکن اگر ہم نے ہمت نہ ہاری، اور کوشش جاری رکھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا جاری رکھی کہ یا اللہ! میرے بس میں جو تھا، وہ میں نے کرلیا، اب آپ خود مجھے کسی طرح سنبھال لیجئے تو اللہ تعالیٰ ضرور سنبھال لیں گے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۱)

یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے رہتے ہیں تو ضرور بالضرور لام تاکید با نونِ ثقیلہ اپنے راستوں پر ہم خود لیجائیں گے۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ہم خود تمہیں گود میں اُٹھا کر اپنے راستوں پر لے جائیں گے۔

## ہمت مت ہارو

لہٰذا ہمت مت ہارو، اگر گناہ پر ندامت اور شرمندگی ہو رہی ہے، دکھ ہو رہا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہے ہو تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ:

فَإِنَّهُ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آئے گا۔ کبھی کبھی دل میں یہ

---

(۱) سورۃ العنکبوت: آیت (۶۹)

خیال آتا ہے کہ مثلاً ایک گناہ ہے، میں اُس سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہوں، اور توبہ بھی کرتا ہوں اور توبہ کے وقت دعا بھی مانگتا ہوں کہ یا اللہ! آئندہ مجھ سے یہ حرکت نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ گناہ دوبارہ ہو جاتا ہے۔ خیال یہ آتا ہے کہ جب میں نے اپنے اللہ تعالیٰ سے گزارش کر دی اور اللہ تعالیٰ سے میں نے مانگ لیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گناہ سے کیوں نہیں روکا؟

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت تو وہی جانتے ہیں، ہم اور آپ کہاں اس کی حکمت اور مشیت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ لیکن اللہ جل جلالہ کو بعض اوقات بندے کا گرنا پڑنا بھی اس کی مشیت اور حکمت کے اندر داخل ہوتا ہے، کیوں؟ تاکہ یہ مزید روئے اور مزید میری طرف متوجہ ہو جائے، مزید مجھ سے توبہ کرے، مزید مجھ سے معافی مانگے، اور میں پھر اس بندے کو اپنی ستاری کا مورد بناؤں۔ اپنی غفاری کا مورد بناؤں۔

## ”استدراج“ کے معنیٰ اور علامت

دیکھئے! ایک ہوتا ہے ”استدراج“۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ فرمائے، آمین۔ ”استدراج“ کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی گناہ کے اندر مبتلا ہے اور وہ گناہ کئے جا رہا ہے اور اللہ میاں اس کو ڈھیل دے رہے ہیں کہ اور گناہ کر۔ یہ ”استدراج“ بڑی خطرناک چیز ہے۔ ”استدراج“ کی علامت یہ ہے کہ ایسے آدمی کے دل میں توبہ کرنے کی فکر نہیں ہوتی، اور نہ اس کو گناہ پر ندامت ہوتی ہے اور نہ یہ فکر ہوتی ہے کہ میں یہ گناہ کیوں کر رہا ہوں؟ بلکہ وہ آدمی سینہ تان کر گناہ کر رہا ہوتا ہے۔

## ہم سب ان گناہوں کے اندر مبتلا ہیں

اور ایک بندہ وہ ہے کہ جو گناہ سے توبہ کررہا ہے، لیکن شرمندگی کے ساتھ کررہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ظاہر کرتا ہے، روتا ہے، گڑگڑاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوگیا، یا اللہ! مجھے اس گناہ سے بچالیجئے ! آئندہ میں اس گناہ میں مبتلا نہیں ہوں گا۔آج کل جن گناہوں میں ابتلاء ہوتا ہے، ان میں نظر بد کا گناہ سب سے خراب ہے، اس کے بعد غیبت کا گناہ ہے، اب جن لوگوں کا کسی بزرگ سے تعلق ہوتا ہے، ان سے یہ توقع تو مشکل ہے کہ وہ نماز چھوڑنے کا گناہ کریں گے یا وہ شراب پینے کا گناہ کریں گے، لیکن جو گناہ معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے ہیں اور اچھے خاصے پڑھے لکھے اہلِ علم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں، وہ نظر کا گناہ ہے، کان کا گناہ ہے، یعنی غیبت کا سننا اور زبان کا گناہ، کہ زبان سے جو بات نکال رہا ہوں، یہ سچ بول رہا ہوں یا جھوٹ بول رہا ہوں، یا میں کسی بات کو کہتے ہوئے اتنا مبالغہ کررہا ہوں کہ وہ جھوٹ کی حد تک پہنچ رہا ہے، یا کسی کی غیبت کررہا ہوں، کسی پر بہتان لگارہا ہوں، کسی پر الزام لگارہا ہوں، یا کسی کی دل آزاری کررہا ہوں۔

## مایوس نہیں ہونا چاہیے

یہ سب گناہ عام ہیں، ہم سب ان کے اندر مبتلا ہیں، لہٰذا پہلے تو اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ یہ سارے کام گناہ ہیں اور احساس ہونے کے بعد شرمندگی ہونی چاہئے۔غیبت کرلی، لیکن اس پر کوئی شرمندگی نہیں اور اس گناہ سے توبہ کرنے کا بھی دھیان نہیں، یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے، احساس ہوا کہ یا اللہ! مجھ

سے غلطی ہوگئی، اور پھر اس پر توبہ کرلی اور توبہ کرنے کے بعد عہد بھی کرلیا کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن کسی وقت پھر غیبت میں مبتلا ہوگیا تو اس موقع پر اس کو گھبرانا نہیں چاہئے، مایوس نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دوبارہ توبہ کے لئے متوجہ ہونا چاہئے، بقول کسی کے

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ

گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نو امید نیست

صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اگر سو بار بھی توبہ توڑی ہو تو آجاؤ میرے پاس۔

## وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتا ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ کوئی اچھی بات ہے کہ آدمی ہر بار توبہ کرے اور پھر اس کو توڑ دے۔ نہیں۔ بلکہ کوشش تو اس بات کی پوری کرنی چاہئے کہ توبہ نہ ٹوٹے، لیکن اگر کسی وقت نفس سے مجبور ہوکر اور شیطان کے دھوکہ میں آکر گناہ کے اندر مبتلا ہوگیا اور توبہ توڑ دی تو اس وقت مایوس نہ ہو، بلکہ دوبارہ لوٹ آئے، جب یہ عمل بار بار کرتا رہے گا تو پھر یہ ہوگا کہ:

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

یعنی پھر وہ اعمالِ صالحہ کی طرف آجائے گا۔ یعنی اس کے بیشتر اعمال ''اعمالِ صالحہ'' ہوجائیں گے اور جب یہ ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ایسی

طاقت دیں گے کہ وہ گناہ اس سے بالکل چھوٹ جائے تو پھر اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ:

فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا

یعنی صحیح معنی میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ چکا ہوتا ہے۔

## نفس اور شیطان کے راستے سے لوٹ آیا

اب سوال یہ ہے کہ وہ کہاں سے لوٹا؟ اس لئے لوٹنے کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ کسی اور راستے پر جا رہا تھا، وہاں سے واپس لوٹ کر آ گیا، یہاں پر لوٹنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شیطان اور نفس کے راستے سے لوٹ کر آ گیا۔ اور وہ ٹھیک ٹھیک لوٹتا ہے، یعنی اب وہ اچھی طرح تیار ہوکر باری تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آتا ہے اور اس لوٹنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے گناہوں میں لذّت آ رہی تھی، اب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں لذّت آ رہی ہے، اور پہلے گناہوں کے داعیے پیدا ہو رہے تھے اور وہ داعیے دماغ پر مسلط ہو گئے تھے۔ یہ شخص ان داعیوں کے آگے اپنے آپ کو مجبور پا رہا تھا، لیکن وہ بندہ اس مجاہدے کے راستے سے گزرا، تو اب مجاہدے سے گزرنے کے بعد گناہوں کے داعیے یا تو پیدا ہی نہیں ہو رہے ہیں یا پیدا ہو رہے ہیں، لیکن وہ داعیے بہت ہی کمزور اور ناقص پیدا ہو رہے ہیں۔

## گناہوں کے خیالات بڑوں کو بھی آتے ہیں

اس لئے کہ گناہوں کی جھلکی بعض اوقات بڑوں بڑوں کو بھی آتی ہیں، لیکن

وہ اتنی ضعیف ہوتی ہیں کہ اس کے مقابلے میں اللہ جل شانہ کی محبت غالب آجاتی ہے اور وہ محبت غالب آکر نفس وشیطان کے تقاضوں کو شکست دیدیتی ہے۔ اب اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لطف آرہا ہے، چنانچہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ شروع میں جب کوئی بندہ کام شروع کرتا ہے یا ابھی کام شروع نہیں کیا، لیکن اس کو اس بات کا احساس ہے کہ جیسا مجھے ہونا چاہئے، میں ویسا نہیں ہوں، اس موقع پر اس کا نفس ''نفسِ امارہ'' ہے، جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا کہ:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (۱)

یعنی وہ نفس اس کو برائی کی طرف لے جانے والا ہوتا ہے اور جب بندہ نے توبہ کی طرف قدم اُٹھایا اور اپنے ایمان کا استحضار بھی کیا، تو اَب اس کا نفس ''اَمّارہ'' سے ''لوّامہ'' کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

## نفس کے ''لوّامہ'' ہونے کا مطلب

''لوّامہ'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جب وہ گناہ کرتا تھا تو اس کو برائی کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا، اور اس کا ''ضمیر'' جاگتا ہی نہیں تھا، بلکہ اُلٹا سینہ زوری کرتا تھا کہ اس گناہ میں کیا حرج ہے؟ لیکن جوں جوں قدم بڑھانا شروع کیا اور خاص کر جب کسی شیخ یا اُستاذ کی رہنمائی میں بندہ چلا تو اب وہ دل ''لوّامہ'' بن گیا، ''لوّامہ'' کے معنی ہیں ''ملامت کرنے والا''۔ جیسا کہ حدیث شریف میں

---

(۱) سورۃ یوسف: آیت (۵۳)

آتا ہے کہ جب آدمی دین سے بالکل غافل ہوتا ہے تو اگر جب وہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور گناہ کے وقت اس کے دل میں تھوڑا احساس بھی پیدا ہوا کہ بھائی! میں نے یہ اچھا کام نہیں کیا، تو وہ اس خیال اور احساس کو اس طرح اُڑا دیتا ہے کہ جیسے ناک پر بیٹھی مکھی کو اُڑا دیا جاتا ہے، خیال تو اس لئے آیا کہ وہ مؤمن تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نفس ابھی "امّارہ" ہے۔ [1]

## پھر اس کا نفس "مطمئنہ" بن جاتا ہے

لیکن اگر گناہ کرنے کے بعد غم ہوا، دکھ اور افسوس ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع بھی کیا اور اس گناہ سے استغفار بھی کیا، تو اب وہ "لوّامہ" بن جاتا ہے کہ یا اللہ! میں پھر گناہ کے اندر مبتلا ہو گیا، حالانکہ میں نے تو عہد کیا تھا کہ اب گناہ نہ کروں گا، لیکن میں پھر گناہ کے اندر مبتلا ہو گیا، گویا کہ اب اس کا نفس "لوّامہ" بن گیا اور اُس کا ضمیر جاگ گیا اور جب ملامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار رجوع کرتا رہتا ہے اور معافیاں مانگتا رہتا ہے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے پناہ مانگتا رہتا ہے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ کر آجاتا ہے تو پھر اس کا نفس "نفسِ مطمئنّہ" بن جاتا ہے۔

## "نفسِ مطمئنّہ" سے مرتے وقت خطاب

ایسے شخص کے نفس کو مرنے کے وقت آواز دی جاتی ہے کہ:

(۱) صحیح البخاری ۸/ ٦٧ (٦٣٠٨)

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ [1]

اے نفسِ مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ، اس طرح لوٹ آ کہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی۔ اور آ کر میرے ان بندوں میں شامل ہوجا جن کو میں نے جنت میں اپنے انعامات سے نوازا ہوا ہے اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

## تزکیۂ نفس کی ترتیب

بہرحال! ''تزکیۂ نفس'' کی یہ ترتیب ہوتی ہے کہ ابتداء میں وہ نفس ''اَمّارہ'' ہوتا ہے، پھر وہ ''لوّامہ'' ہوتا ہے، اور اس کے بعد پھر ''مطمئنہ'' ہوجاتا ہے۔ پھر اس کو ''الحمدللہ'' اطمینان نصیب ہوجاتا ہے، اس کے بعد کبھی کبھی گناہوں کی جھلکیاں تو آتی رہتی ہیں، آخر دم تک آتی رہتی ہیں ۔

اندریں راہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

یعنی تزکیۂ نفس کے راستے میں تراش وخراش تو چلتی رہے گی، مرتے دم تک ایک لمحہ کے لئے بھی فارغ مت بیٹھنا، اپنے نفس سے بے فکر مت ہونا، اس لئے کہ یہ کسی بھی وقت ڈس سکتا ہے۔

---

(۱) سورۃ الفجر: آیت (۲۷ تا ۳۰)

## ایک لکڑہارے کا قصہ

مثنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک لکڑ ہارا تھا جو جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتا تھا، اور ان کو بازار میں بیچ دیتا تھا، ایک مرتبہ جب لکڑیاں کاٹ کر لایا تو لکڑیوں کے ساتھ ایک بڑا سانپ بھی لپٹ کر آ گیا، اس کو پتہ نہیں چلا، لیکن جب گھر پہنچا تو تب اس نے دیکھا کہ ایک سانپ بھی آ گیا ہے، البتہ اس میں جان نہیں تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مردہ ہے، اس لئے اس لکڑہارے نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی، وہیں گھر کے اندر ہی رہنے دیا، باہر نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، لیکن جب اس کو گرمی پہنچی تو اس کے اندر حرکت پیدا ہونی شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ اس نے رینگنا شروع کر دیا، لکڑہارا غفلت میں لیٹا ہوا تھا، اس سانپ نے جا کر اس کو ڈس لیا، اب گھر والے پریشان ہوئے کہ یہ تو مردہ سانپ تھا، کیسے زندہ ہو کر اس نے ڈس لیا؟

## نفس بھی ایک اژدہا ہے

یہ قصہ نقل کرنے کے بعد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس کا بھی یہی حال ہے، جب انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر مجاہدات اور ریاضتیں کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں یہ نفس کمزور ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب مردہ ہو چکا ہے، لیکن حقیقت میں وہ مردہ نہیں ہوتا، اگر انسان اس کی طرف سے غافل ہو جائے تو کسی بھی وقت زندہ ہو کر ڈس لے گا، چنانچہ مولانا

رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نفس اژدہا است مردہ است
از غم بے آلتی افسردہ است

اسی طرح انسان کا نفس بھی بعض اوقات افسردہ ہو جاتا ہے، مرجھا جاتا ہے تو نفس کے مرجھانے کو بھی غنیمت سمجھو، لیکن ساتھ ساتھ اس سے چوکنے بھی رہو کہ یہ کسی وقت ڈس بھی سکتا ہے، اس لئے آخر وقت تک اس نفس کی نگہداشت تو کرنی ہے، لیکن نگہداشت کے لئے زیادہ محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ معمولی توجہ سے آدمی گناہ سے بچ جاتا ہے، یہی معنی ہیں اس آیت کہ:

فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

## پھر غیر معمولی پریشانی نہیں ہوتی

اس کے بعد ایک وقت ایسا آتا ہے کہ "شریعت طبیعت بن جاتی ہے" یعنی شریعت کے خلاف کوئی عمل کرنے کے لئے طبیعت آسانی سے آمادہ ہی نہیں ہوتی، کبھی کسی وقت کوئی جھلک آجاتی ہے، ورنہ اطمینان کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے بندے کو غیر معمولی پریشانی نہیں ہوتی۔ غم کا موقع آجائے، صدمہ کا موقع آجائے، تکلیف کا موقع آجائے، ایسے موقع پر اس کو اس طرح کی پریشانی اور اس طرح کی بے چینی نہیں ہوتی جو پریشانی غافل آدمی کو ہوتی ہے۔

## سقوطِ ڈھاکہ کا واقعہ اور بے چینی

۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہوگیا، اور بنگلہ دیش بن گیا، اس وقت پاکستان کی نوّے ہزار فوج کافروں کی قید میں چلی گئی، میں بیان نہیں کرسکتا کہ اس وقت دل کے اضطراب کی کیا کیفیت تھی! اس سے کچھ عرصہ پہلے ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس کا سقوط ہوا تھا، اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان چلا گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے مجھے صبر نہیں آرہا تھا، اور بے چینی کی، پریشانی کی اور اضطراب کی وہ کیفیت تھی کہ کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا، اور رات کو نیند نہیں آتی تھی، میں اپنے حضرت کے پاس گیا اور اُن سے جاکر عرض کیا کہ حضرت! میری عجیب حالت ہے، اس صورتِ حال پر مجھ سے صبر نہیں ہورہا ہے، اور مجھے بہت بے چینی ہے۔

## غیر اختیاری اُمور میں اتنی پریشانی؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو خود بھی اپنے صدمہ کا اظہار کیا، لیکن پھر ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ ''غیر اختیاری اُمور میں اتنی پریشانی؟'' کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر ایمان نہیں؟ حضرت والا کا یہ جملہ آج تک میرے دماغ میں بیٹھا ہوا ہے اور دل میں بیٹھا ہوا ہے، کیا تمہارے اختیار میں تھا کہ تم نوّے ہزار فوج کو ہندوؤں کی قید سے چھڑا دیتے؟ کیا تمہارے اختیار میں تھا کہ ڈھاکہ کو بچالیتے؟ یہ تو غیر اختیاری امر ہے اور غیر اختیاری امر ''من جانب اللہ'' ہے اور اس کی مشیت کے تابع ہے، چاہے تمہیں اچھا لگ رہا ہو یا برا لگ رہا ہو، وہی اس عمل کی مصلحت کو جانتے ہیں۔

## یہ تو کوئی طریقہ نہیں

صدمہ اپنی جگہ، غم اپنی جگہ، اس کے لئے تم "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو اور کہو کہ یا اللہ! یہ غم پیش آگیا ہے، اس کی تلافی فرمادیجئے، لیکن اتنی پریشانی کہ اضطراب ہے، بے چینی ہے، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا ہے، اپنا کام چھوڑے بیٹھے ہو، یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہے۔

## پھر رضا بالقضاء حاصل ہوجاتی ہے

لہٰذا یہ جو فرمایا کہ "یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا" اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جب پورا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ گیا تو اس میں "رضا بالقضاء" بھی آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی معاملے میں جو بھی فیصلہ فرمایا، وہ فیصلہ برحق ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا ہوا ہوں، مجھے اس سے کیا غرض کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے؟ اور کیا نہیں ہورہا ہے؟ ٹھیک ہے، جو میرے اختیار کی باتیں ہیں، مجھے انہیں صحیح کرنا چاہئے، اس میں میری جو کوشش ہوسکتی ہے وہ صرف کرنا چاہئے، لیکن اگر غیر اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ایسا کام ہوگیا جس پر تمہیں غم ہے، صدمہ ہے، ٹھیک ہے، غم اور صدمہ کی حد تک کوئی حرج نہیں، "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، اس سے مانگو، اور کہو: یا اللہ! اس کی تلافی فرمادیجئے! حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ فرمایا تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے سینہ پر برف رکھ دی۔

## شیخ کی صحبت سے یہ چیز ملتی ہے

یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شیخ کی صحبت میسر ہوتی ہے اور شیخ کی صحبت سے جو چیز ملتی ہے وہ انسان کا رُخ بدل دیتی ہے، اور وہ ٹھیک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتا ہے، اور پھر اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہیں ہوتا اور جب شکوہ نہیں ہوتا تو غیر معمولی پریشانی بھی نہیں ہوتی، یہ نتیجہ اس بات کا ہوتا ہے کہ:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (١)

توبہ کا دامن مت چھوڑو، توبہ کرتے رہو، توبہ کرتے رہو، بالآخر ایک وقت آئے گا کہ اس توبہ کے اثرات عملِ صالح کی صورت میں ظاہر ہوں گے، ان شاء اللہ اور جب ظاہر ہوجائیں گے تو پھر صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا تحقق ہوجائے گا، پھر کائنات میں جو کچھ ہورہا ہوگا، بندہ اس پر راضی ہوگا۔

## حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج معلوم کرنا

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ "اس شخص کا کیا مزاج پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف ہوتا ہی نہیں،" یعنی کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے وہ میری مرضی کے مطابق ہورہا ہے، اس شخص نے کہا کہ حضرت! ایسا تو کسی کے ساتھ آج تک نہیں ہوا، کسی پیغمبر کے

---

(١) سورۃ الفرقان: آیت (٧١)

ساتھ بھی ایسا نہیں ہوا کہ ہر کام ان کی مرضی کے مطابق ہوا ہو، اس لئے کہ بہت سے کام انسان کی مرضی کے خلاف بھی ہوتے ہیں۔ جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری مرضی کے مطابق اس لئے ہو رہے ہیں کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مشیت کے تابع بنا دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہ رہے ہیں، میں بھی وہی چاہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف دینا چاہتے ہیں، دیدیں، میری خواہش ہے کہ مجھے تکلیف ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی غم میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو میری بھی خواہش ہے کہ میں غم میں مبتلا ہو جاؤں، لہٰذا جب میں نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع بنا دیا، یعنی ''رضا بالقضاء'' حاصل کرلی تو ہر کام میری مرضی پر ہو رہا ہے۔

## ''توبہ'' کا دامن کبھی مت چھوڑنا

خلاصہ یہ نکلا کہ ''توبہ'' کا دامن کبھی بھی مت چھوڑنا، جیسا کہ حضرت بابا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر رات سونے سے پہلے توبہ کرلیا کرو، کوئی گناہ یاد آئے تو اور گناہ یاد نہ آئے تو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب استغفار فرمایا کرتے تھے تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ! جو گناہ میرے علم میں ہیں وہ بھی معاف فرما دیجئے اور جو گناہ میرے علم میں نہیں، وہ بھی معاف فرما دیجئے۔ [1] لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر رات توبہ کرلیا کرو۔ جب بار بار توبہ کرو گے تو ان شاء اللہ منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۸۴ (۶۳۹۸)

# دعا نمبر ۲۷

## ''عبادالرحمٰن'' آٹھواں حصہ

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دعا نمبر ۲۷

دُعا

## ''عباد الرحمن'' آٹھواں حصہ

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَوَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! گذشتہ کئی مجلسوں سے ''عباد الرحمن'' کی صفات کا بیان چل رہا ہے، یہ صفات اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں بیان فرمائی ہیں۔ ''عباد الرحمن'' کی اکثر صفات کا بیان گذشتہ مجلسوں میں ہوچکا، اللہ تعالیٰ ہمیں وہ صفات اپنے اندر لانے کی اور اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

### عباد الرحمن جھوٹی گواہی نہیں دیتے

''عباد الرحمن'' کی اگلی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۱)

اس آیت کے دو مطلب ہیں اور دونوں بڑے ضروری ہیں۔اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ ''عباد الرحمن'' جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ ''زور'' کے معنی ہیں ''جھوٹ''۔ ''عباد الرحمن'' کا یہ وصف بیان فرمایا کہ ان سے کبھی جھوٹی گواہی کا صدور نہیں ہوتا۔

## گواہی دینا ایک عبادت ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ آج کل ''گواہی'' اس کو کہتے ہیں کہ عدالت میں کوئی مقدمہ چل رہا ہے اور وہاں جا کر اس مقدمہ کے سلسلے میں کوئی آدمی قاضی کے سامنے گواہی دے تو صرف اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ گواہی اور شہادت ہے۔بیشک یہ گواہی ہے، شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر تمہیں کسی معاملے میں شہادت دینے کے لئے بلایا جائے تو تم انکار نہ کرو، کیونکہ شہادت دینا یہ بھی ایک عبادت ہے۔

## آج کل گواہی دینا بڑا مشکل کام بن گیا ہے

آج کل مصیبت یہ آگئی ہے کہ ''شہادت'' دینا اپنے سر ایک بڑا وبال مول لینا ہے، شہادت کے نتیجے میں آدمی عدالت کے چکر لگاتا رہے گا، اس کا وقت برباد ہوگا، اس کے پیسے خرچ ہوں گے، لیکن جہاں قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے کہ:

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۲)

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا

کہ جب گواہوں کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں، وہاں پر یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ (۱)

یعنی جو گواہی دینے کے لئے آیا ہے، اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، لہٰذا ایک طرف گواہوں کو تو یہ حکم دیا کہ جب تمہیں گواہی کے لئے بلایا جائے تو تم گواہی دینے کے لئے جاؤ اور دوسری طرف عدالت کو اور جو شخص گواہی کے لئے بلا رہا ہے، اس کو یہ حکم دیا کہ ہرگز اس کو تکلیف نہ پہنچانا، اور جب گواہی دینے کے لئے آئے تو اس کی گواہی سن کر آرام سے اس کو رخصت کردو، نہ یہ کہ وہ بار بار عدالت کا چکر لگاتا رہے، یہ دو حکم ایسے ہیں جن کی خلاف ورزی کی وجہ سے عدالتوں کا کیا حال ہو رہا ہے!

## اپنی رائے کا اظہار گواہی ہے

بہرحال! گواہی کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ قاضی کے سامنے عدالت میں جا کر کوئی گواہی دے، لیکن شرعی اعتبار سے ''شہادت'' اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے، جب بھی کوئی آدمی کسی دوسرے کے بارے میں اپنی کوئی رائے ایسی جگہ پر ظاہر کرے جہاں پر اس رائے کی بنیاد پر دوسرا آدمی کوئی فیصلہ کرنے والا ہو تو اس وقت میں وہ جو بیان کسی شخص کے بارے میں دے گا، وہ بھی ''شہادت'' کے حکم میں ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت (۲۸۲)

## رشتہ آنے پر اپنی رائے کا اظہار گواہی ہے

مثال کے طور پر کسی لڑکی کا رشتہ کہیں سے آیا، اب جس کے پاس رشتہ آیا ہے وہ کسی جاننے والے سے اس رشتہ کے بارے میں پوچھ رہا ہے کہ میرے پاس فلاں کا رشتہ آیا ہے، آپ بتائیے کہ وہ آدمی جس کا رشتہ آیا ہے وہ کیسا آدمی ہے؟ اب جو شخص بھی اس شخص کے بارے میں رائے دے گا، وہ بھی ایک طرح سے گواہی ہے، اب اگر وہ جانتا ہے کہ وہ غلط آدمی ہے لیکن پھر بھی اس نے یہ کہا کہ وہ تو ٹھیک آدمی ہے، اچھا آدمی ہے، حالانکہ اس کو پتہ ہے کہ اس کے اندر خرابی ہے، مثلاً اس کی صحبت خراب ہے، یا اس کا کردار اچھا نہیں ہے، لیکن وہ اس کو چھپاتا ہے تو یہ بھی جھوٹی گواہی کے اندر داخل ہے اور ایسے موقع پر صحیح بات ظاہر کرنے سے اس کی غیبت بھی نہیں، بلکہ یہ عین خیر خواہی ہے کہ جو اصل حقیقت ہو، وہ بتادی جائے، اب اگر کوئی مبالغہ آمیز اس کی تعریف کرتا ہے کہ وہ تو ایسا ہے، وہ تو ویسا ہے، یہ جھوٹی گواہی ہے۔

## جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ضرور بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، والدین کو دُکھ دینا، تکلیف دینا، شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا، قرآنِ کریم میں بھی شرک کے ساتھ اس کو ذکر

فرمایا ہے کہ:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا [1]

جب تیسری چیز بتلانے لگے تو اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا، اور اس جملے کو تین مرتبہ دُہرایا۔ [2]

اب آپ اس کی شناعت کا اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو آپ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کو تین مرتبہ ان الفاظ کو اس طرح دُہرایا کہ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر اس کے بیان کے وقت سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور قرآنِ کریم نے دوسری جگہ پر بھی اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ [3]

یعنی تم بت پرستی کی گندگی سے بھی بچو، اور جھوٹی بات سے بچو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کتنی خطرناک چیز ہے!

## ووٹ دینا ایک گواہی ہے

اسی طرح انتخابات میں جب ہم کسی کے لئے ووٹ ڈالتے ہیں، یہ بھی ایک

---

(۱) سورۃ الاسراء: آیت (۲۳)

(۲) صحیح مسلم، ۱ / ۹۱ (۸۷)

(۳) سورۃ الحج: آیت (۳)

طرح کی شہادت ہے کہ جس شخص کو ہم ووٹ دے رہے ہیں، اس کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں کہ ہماری نظر میں یہ شخص اس منصب کا اہل ہے۔ اب اگر کسی وجہ سے، کسی دباؤ میں آکر، یا کسی لالچ میں آکر آدمی کسی غلط آدمی کو ووٹ دیدے تو یہ "شہادۃ الزور" میں داخل ہے، اور اکبر الکبائر میں سے ہے۔ یہ معاملہ بہت دیکھنے اور سمجھنے کا ہے۔ بعض جگہوں پر ہم سمجھتے ہیں اور ہم شہادۃ الزور کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔

## جھوٹا کیریکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل اس کا عام رواج ہوگیا ہے، اچھے خاصے دیندار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں کہ جھوٹے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں یا دوسروں کے لئے جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں، مثلاً اگر کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آگئی، اب وہ کسی کے پاس گیا اور اس سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا، اور جاری کرنے والے نے اس کے اندر یہ لکھ دیا کہ میں ان کو پانچ سال سے جانتا ہوں، یہ بڑے اچھے آدمی ہیں، ان کا اخلاق و کردار بہت اچھا ہے، کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ناجائز کام کر رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں، اس لئے کہ یہ ضرورت مند تھا، ہم نے اس کی ضرورت پوری کردی، اس کا کام کردیا، یہ تو باعثِ ثواب کام ہے، حالانکہ اگر آپ اس کے کیریکٹر سے واقف نہیں ہیں تو آپ کے لئے ایسا سرٹیفکیٹ جاری کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ وہ سمجھے کہ میں ایک ثواب کا کام کر رہا ہوں، اور کسی ایسے شخص سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرنا جو آپ کو نہیں جانتا، یہ بھی ناجائز ہے، گویا کہ سرٹیفکیٹ لینے والا بھی گناہ گار ہوگا اور دینے والا بھی گناہ گار ہوگا۔

## جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

افسوس کہ اب اس جھوٹ میں عام ابتلاء ہے، یہاں تک کہ جو لوگ حرام وحلال اور جائز وناجائز اور شریعت پر چلنے کا اہتمام کرتے ہیں، ان میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے بھی جھوٹ کی بہت سی قسموں کو جھوٹ سے خارج سمجھ رکھا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ جھوٹ ہی نہیں ہے، حالانکہ جھوٹا کام کررہے ہیں، غلط بیانی کررہے ہیں اور اس میں دُہرا جرم ہے۔ایک جھوٹ بولنے کا جرم اور دوسرے اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا جرم۔ چنانچہ ایک صاحب جو بڑے نیک تھے، نماز، روزے کے پابند، اذکار و اشغال کے پابند، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، پاکستان سے باہر قیام تھا، ایک مرتبہ جب پاکستان آئے تو میرے پاس بھی ملاقات کے لئے آگئے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ واپس کب تشریف لے جارہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی آٹھ دس روز اور ٹھہروں گا، میری چھٹیاں توختم ہوگئیں، البتہ کل ہی میں نے مزید چھٹی لینے کے لئے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوادیا ہے۔

## کیا دین صرف نماز، روزے کا نام ہے؟

انہوں نے میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوانے کا ذکر اس انداز سے کیا کہ جس طرح یہ ایک معمول کی بات ہے، اس میں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مزید چھٹی لینے کے لئے بھیج دیا ہے، ویسے اگر چھٹی لیتا تو چھٹی نہ ملتی، اس کے ذریعہ چھٹی مل جائے گی، میں نے پھر سوال کیا کہ آپ نے اس میڈیکل سرٹیفکیٹ میں کیا لکھا

تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ اتنے بیمار ہیں کہ سفر کے لائق نہیں، میں نے کہا کہ کیا دین صرف نماز، روزے کا نام ہے؟ چونکہ نیک آدمی تھے، اس لئے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کے منہ سے یہ بات سنی کہ یہ بھی کوئی غلط کام ہے، میں نے کہا کہ جھوٹ بولنا اور کس کو کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا کہ مزید چھٹی کس طرح لیں؟ میں نے کہا کہ جتنی چھٹیوں کا استحقاق ہے، اتنی چھٹی لو، مزید چھٹی لینا ضروری ہو تو بغیر تنخواہ کے لے لو، لیکن یہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیجنے کا جواز تو پیدا نہیں ہوتا۔

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوانا جھوٹ میں داخل ہی نہیں ہے، اور دین صرف ذکر و شغل کا نام رکھ دیا، باقی زندگی کے میدان میں جا کر جھوٹ بول رہا ہو تو اس کا کوئی خیال نہیں۔

## ''میں نے پہلے حج نہیں کیا'' لکھنا کیسا ہے؟

اللہ بچائے! یہ بات ہمارے معاشرے میں اتنی پھیل گئی ہے کہ جب کوئی حج یا عمرہ کرتا ہے تو وہاں ایک بیان دینا پڑتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، حالانکہ وہ دسیوں حج کر چکا ہے، اب اگر یہ لکھے کہ ''میں نے حج نہیں کیا'' اور اس پر دستخط کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جھوٹی گواہی دے کر نفلی حج ادا کیا، بعض لوگ حیلہ کے طور پر ''حجِ بدل'' لکھوا دیتے ہیں، کہ میں حج بدل کر رہا ہوں۔ مجھے تو اس میں بھی تامل ہے، اس لئے کہ ''حجِ بدل'' تو اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی آدمی معذور ہے اور خود حج نہیں کر سکتا تو وہ دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیتا ہے تو وہ دوسرا شخص ''حجِ بدل'' کر رہا ہوتا ہے، اب

لوگ یہ لکھ دیتے ہیں کہ میں اپنے مرحوم دادا کی طرف سے حج بدل کر رہا ہوں، یا مرحوم باپ کی طرف سے حجِ بدل کر رہا ہوں، حالانکہ باپ، دادا اپنا حجِ فرض ادا کر چکے تھے اور اب یہ صاحب ان کی طرف سے ''نفلی حجِ بدل'' ادا کر رہے ہیں، مجھے اس بارے میں تامل ہے کہ ایسا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہیں جھوٹی گواہی میں داخل تو نہیں ہے؟

## ٹیکہ لگوائے بغیر سرٹیفکیٹ بنوانا

یا مثلاً حج یا عمرہ پر جانے کے لئے ایک ضروری ''ٹیکہ'' لگوانا ہے، اب ٹیکہ تو نہیں لگوایا لیکن سو روپے، پانچ سو روپے دے کر ٹیکہ لگوانے کی سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ ہے، اور جس نے وہ سرٹیفکیٹ بنایا ہے، وہ جھوٹی گواہی دے رہا ہے، اب جھوٹ بول کر حج اور عمرہ کرنے جا رہے ہیں، یہ سب باتیں ''جھوٹی گواہی'' کے اندر داخل ہیں اور ہمارے معاشرے میں اس کو عیب سمجھا ہی نہیں جاتا۔

## سرٹیفکیٹ ایک گواہی ہے

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ:

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۱)

یاد رکھئے! یہ سرٹیفکیٹ اور یہ تصدیق نامہ شرعاً ایک گواہی ہے اور جو شخص

---

(۱) سورة الزخرف: آیت (۸٦)

اس سرٹیفکیٹ پر دستخط کر رہا ہے، وہ حقیقت میں گواہی دے رہا ہے اور اس آیت کی رُو سے گواہی دینا اس وقت جائز ہے جب آدمی کو اس بات کا علم ہو اور یقین سے جانتا ہو کہ یہ واقع میں ایسا ہے، تب انسان گواہی دے سکتا ہے، اس کے بغیر انسان گواہی نہیں دے سکتا، آج کل یہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن آپ نے کیریکٹر سرٹیفکیٹ جاری کر دیا، تو یہ جھوٹی گواہی کا گناہ ہوا، اور جھوٹی گواہی اتنی بری چیز ہے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔ (۱)

## جھوٹی سفارش

ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے، نیک اور سمجھدار بزرگ کا میرے پاس سفارشی خط آیا، اس وقت میں جدہ میں تھا، اس خط میں لکھا تھا کہ یہ صاحب جو آپ کے پاس آرہے ہیں، یہ انڈیا کے باشندے ہیں، اب پاکستان جانا چاہتے ہیں، لہٰذا آپ پاکستانی سفارت خانے سے ان کے لئے سفارش کر دیں کہ ان کو ایک پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا جائے، اس بنیاد پر کہ یہ پاکستانی باشندے ہیں اور ان کا پاسپورٹ یہاں سعودی عرب میں گم ہو گیا ہے اور خود انہوں نے پاکستانی سفارت خانے میں درخواست دے رکھی ہے کہ ان کا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے، لہٰذا آپ ان کی سفارش کر دیں۔

اب آپ بتایئے! وہاں عمرے ہو رہے ہیں، حج بھی ہو رہا ہے، طواف اور سعی بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ میں یہ جھوٹ اور فریب بھی ہو رہا ہے، گویا کہ یہ

---

(۱) صحیح البخاری ۳/ ۱۷۱ (۲۶۵۳) وصحیح مسلم ۱/ ۹۱ (۸۷).

دین کا حصہ ہی نہیں ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، شاید لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب قصد اور ارادہ کر کے باقاعدہ جھوٹ کو جھوٹ سمجھ کر بولا جائے، تب جھوٹ ہوتا ہے، لیکن ڈاکٹر سے جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوالینا، جھوٹی سفارش لکھوالینا، یا جھوٹے مقدمات دائر کردینا، یہ کوئی جھوٹ نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۱)

یعنی جو زبان سے نکل رہا ہے، وہ تمہارے نامۂ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

## ایسے لوگ ''عبادالرحمن'' نہیں ہوسکتے

آج نیکی صرف نماز، روزہ کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، سچ بولنا، جھوٹ سے پرہیز کرنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی سفارش کرنا، آج کل اس کو عیب ہی نہیں سمجھا جاتا، قرآنِ کریم فرما رہا ہے کہ ایسے لوگ ''عباد الرحمن'' نہیں ہوسکتے۔ ''عباد الرحمن'' تو وہ ہیں کہ جو جھوٹی گواہی کا کبھی تصوّر بھی نہیں کرسکتے کہ جھوٹی گواہی دیں۔ لہٰذا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور جب کبھی ایسے مواقع آئیں جہاں کسی کے بارے میں کوئی رائے ظاہر کرنی ہو، کسی کی سفارش کرنی ہو، اس وقت اس بات کو سامنے رکھنا چاہئے کہ میں کہیں جھوٹی گواہی تو نہیں دے رہا ہوں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔ بہرحال! اس آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں۔

---

(۱) سورۃ ق: آیت (۱۸)

## دوسری عورت کے بال اپنے بال سے ملانا ''زور'' ہے

اس آیت کے دوسرے معنی بھی ہیں، وہ یہ کہ لفظِ ''زور'' کے لغوی معنی اگرچہ ''جھوٹ'' کے ہیں، لیکن ہر ''باطل'' چیز کو بھی ''زور'' کہا جاتا ہے، یعنی ہر وہ کام جو ناجائز ہے، باطل ہے، گناہ ہے، اس کو بھی ''زور'' کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جن خواتین کے بال چھوٹے ہوتے ہیں، وہ دوسری خواتین کے بال اپنے بالوں کے ساتھ ملا کر لمبے کرلیتی ہیں، ایسی عورتوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ (۱)

یعنی جو عورت دوسری عورت کے بال اپنے بالوں میں ملائے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت، اور جو عورت اپنے بال دوسری عورت کو ملانے کے لئے دے، اس پر بھی اللہ کی لعنت۔

## ''عباد الرحمن'' ناجائز کاموں میں حاضر نہیں ہوتے

لہٰذا ''زور'' کے دوسرے معنی ہیں: ہر باطل، ناجائز اور گناہ کا کام۔ اس معنی کے اعتبار سے ''لا یشھدون'' کے معنی ہوں گے، وہ حاضر نہیں ہوتے۔ اس لئے ''شھد یشھد'' کے ایک معنی ''گواہی دینا'' ہے تو دوسرے معنی ''حاضر ہونا'' بھی آتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے کے جنازے میں شریک ہوتا

---

(۱) صحیح البخاری ۷ / ۱۶۵ (۵۹۳۳)

ہے، اس کے لئے حدیث شریف[1] میں "مشہود" کا لفظ آیا ہے کہ وہ جنازے کی نماز میں حاضر رہا، قرآنِ کریم میں "وشاهد و مشهود"[2] اسی معنی میں آیا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ "عباد الرحمٰن" رحمن کے بندے کسی جھوٹے، یا باطل، یا ناجائز، یا گناہ کے کاموں میں حاضر بھی نہیں ہوتے، یعنی جس جگہ پر کوئی گناہ کا کام ہو رہا ہے، وہاں پر وہ جاتے ہی نہیں، یعنی گناہ کے کام میں شریک ہونا، یا اس میں اعانت کرنا تو در کنار، بلکہ وہ لوگ وہاں جاتے ہی نہیں۔

## گناہ اور غیبت کی محفل میں شرکت

لہٰذا جس طرح گناہ کرنا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح گناہ کی مجلس میں گناہ کی محفل میں شریک ہونا بھی ناجائز ہے، یہ بھی گناہ کا کام ہے، مثلاً گانے بجانے کی محفل ہے ۔العیاذ باللہ۔ اس محفل میں کوئی آدمی صرف تماشہ دیکھنے کے لئے جائے تو بھی جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی محفل میں لوگوں کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، یا اس محفل میں لوگوں کی غیبتیں ہورہی ہیں یا لوگوں پر بہتان لگائے جارہے ہیں، اس محفل میں شریک ہونا بھی حرام ہے، ناجائز ہے، یا کسی محفل میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی باتیں ہورہی ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے دین کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، اب اگر آدمی اس محفل میں شریک ہوجائے تو یہ بھی حرام ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا کہ:

---

(۱) صحیح البخاری ۲ / ۸۷ (۱۳۲۵)

(۲) سورۃ البروج: آیت (۳)

فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ [1]

یعنی جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑایا جارہا ہو، وہاں جا کر مت بیٹھو۔ "لا یشھدون الزور" میں یہ سب صورتیں داخل ہیں۔

## شادی بیاہ کی تقریبات میں "مخلوط اجتماع"

یا مثلاً آج کل شادی بیاہ کی تقریبات ہوتی ہیں، ان تقریبات میں بہت سے کام گناہ کے ہورہے ہیں، اگر یقینی طور پر پتہ ہو کہ اس تقریب میں فلاں گناہ کا کام ہوگا تو پھر حتی الامکان آدمی کو اس تقریب میں جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، اب آج کل "مخلوط اجتماعات" کی وبا پھیل گئی ہے، مرد اور عورتیں سب ایک ساتھ اس تقریب میں شریک ہیں، اور عورتیں بھی بڑی زیب و زینت کے ساتھ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ موجود ہیں، اور برابر میں مرد بھی ہیں اور مرد و عورتوں کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہے، ایسی تقریبات میں شریک ہونا "لا یشھدون الزور" کے خلاف ہے۔

## مخلوط اجتماع کی تقریب کا بائیکاٹ کرو

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب مسلمانوں کے یہاں اس بات کا تصور تک نہیں تھا کہ مرد وعورت سب ایک ساتھ بیٹھ کر تقریب منا رہے ہوں گے، لیکن اب بڑھتے بڑھتے یہ حالت ہوگئی ہے کہ کسی تقریب کا غیر مخلوط ہونا نادر ہوگیا ہے، بہت کم تقریبات ایسی ہوتی ہیں جن میں مردوں اور عورتوں کا الگ الگ انتظام ہو۔ یہ

(۱) سورۃ النساء: آیت (۱۴۰)

سب کیوں ہوگیا؟ اس لئے کہ جو لوگ اس مخلوط اجتماع کو برا سمجھتے ہیں، انہوں نے بھی اس پر نکیر نہیں کی، بلکہ یہ کہہ کر اس تقریب میں شریک ہوگئے کہ اگر نہیں جائیں گے تو لوگ ناراض ہوجائیں گے، ہمارے رشتہ داروں میں شادیاں ہورہی ہیں اور مخلوط ہورہی ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ کسی بڑے نے اسٹینڈ نہیں لیا، کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر تم مخلوط اجتماع کروگے تو میں شریک نہیں ہوں گا، اگر یہ کہہ دیتے تو اس کی روک تھام ہوسکتی تھی۔

## قریبی رشتہ دار شرکت سے انکار کردیں

فرض کرو کہ ایک آدمی کی بہن کا نکاح ہورہا ہے اور بھائی یہ کہہ دے کہ اگر تم مخلوط اجتماع کروگے تو میں شریک نہیں ہوں گا، وہ بھائی تبدیلی کراسکتا ہے، مگر وہ خود یہ سوچتا ہے کہ کیا کریں، زمانہ ہی ایسا ہوگیا ہے، اب حالات ہی ایسے ہیں، اگر ہم شریک نہیں ہوں تو ان کو ناگوار ہوگا، اور لوگ ناراض ہوں گے۔ اب دیکھئے! کہ لوگوں کی ناراضگی کی تو اتنی فکر؟ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی کوئی فکر نہیں؟ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی فکر کے بجائے مخلوق کی ناراضگی کی فکر ہوگئی، اس لئے یہ معاملہ بڑھتا ہی چلا گیا، وہ گھرانے جن میں مخلوط اجتماع کا تصور بھی نہیں آسکتا تھا، وہاں بھی مخلوط اجتماع ہورہا ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو "مخلوط اجتماع" میں شریک نہیں ہوسکتا، تو اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم آپ کے لئے الگ انتظام کردیں گے اور الگ بٹھا کر کھانا کھلادیں گے۔ ارے بھائی! میں الگ ہوکر اور اچھوت بن کر کیوں کھانا کھاؤں؟

## ان میں شرکت "عباد الرحمن" کا کام نہیں

بہر حال! وہ تقریبات جن میں صریح حرام ہو رہے ہیں، ان میں شرکت کرنا "عباد الرحمن" کا کام نہیں، اور "لا یشھدون الزور" میں داخل نہیں ہے، اس لئے صاف صاف کہہ دو کہ ہم اس میں شرکت نہیں کریں گے، اوّل تو روکنے کی کوشش کریں، اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں، لیکن روکنا ممکن نہ ہو تو شرکت کرنے کے بجائے اس تقریب سے پہلے یا بعد میں اس کے پاس چلے جاؤ اور کوئی ہدیہ دینے کا دل چاہ رہا ہو تو وہ ہدیہ پہلے دے کر آجاؤ، لیکن اس تقریب میں شریک مت ہو۔

## اختیاری اور غیر اختیاری میں فرق ہے

بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جو ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں، جیسے ہم ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہیں، اب جہاز کے اندر مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی سفر کر رہی ہیں، اب بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ آپ لوگ جہاز میں سفر کرتے ہیں، جبکہ جہاز میں مرد اور عورتیں سب مخلوط ہوتی ہیں؟ ارے بھائی! وہ ہمارے اختیار سے باہر ہے، لیکن جو تقریب ہم خود کر رہے ہیں، اس پر تو ہمیں مکمل اختیار ہے، اس لئے ہمیں اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

## یہ معاشرے کو سدھارنے کا طریقہ ہے

درحقیقت یہ "لا یشھدون الزور" والی بات معاشرے کو سدھارنے

کے لئے کہی جارہی ہے، اس لئے کہ اگر لوگوں نے ڈھیل نہ دی ہوتی اور اس کام کو گوارہ نہیں کیا ہوتا تو آج یہاں تک نوبت نہ پہنچتی، اگر پہلے ہی دن سے ”لا یشھدون الزور“ پر عمل ہوتا تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔ درحقیقت معاشرے کو سدھارنے کا ایک طریقہ ہے جو قرآنِ کریم نے بیان فرمایا ہے کہ ایسی جگہ پر تم مت جاؤ۔ اگر تمام لوگ اس پر کاربند ہوجائیں تو رفتہ رفتہ معاشرے میں اب بھی سدھار ہوسکتا ہے۔

## شادی کی تقریب کا کھانا

البتہ بعض لوگ اس میں ”مبالغہ“ بھی کرلیتے ہیں، مثلاً ایسا کام جو فی نفسہٖ شرعاً حرام نہیں ہے، ان کاموں پر نکیر کرنے پر زور دیا جاتا ہے اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جہاں یہ کام ہوگا، ہم وہاں نہیں جائیں گے، مثلاً بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکی کی شادی ہے تو اس تقریب میں جو کھانا ہے، وہ ہم نہیں کھائیں گے اور شادی کے کھانے کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر بعض لوگ بڑی نکیر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ برات میں نہیں جائیں گے، اور برات کا کھانا ہم نہیں کھائیں گے۔ حالانکہ یہ کوئی حرام چیز نہیں ہے، اور نہ یہ ایسی چیز ہے جس پر آدمی ایسا معاملہ کرے جس طرح حرام کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کے بارے میں پہلے کسی معتدل مفتی سے پوچھنے کی ضرورت ہے کہ کس حد تک ہم شامل ہوسکتے ہیں؟ اور کس حد تک نہیں ہوسکتے؟ اور جہاں فتویٰ کی رُو سے بتادیا جائے کہ یہ حرام ہے اور بالکل ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا ناجائز ہے تو پھر شریک نہ ہونے کا اہتمام کیا جائے۔

## نیک مجلس، نیک صحبت فائدے سے خالی نہیں

دیکھئے! جس طرح نیک مجلس کا فائدہ ہوتا ہے، اور یہ نیک مجلس وہ ہے جہاں کوئی نیکی کی بات، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات اور دین کی بات ہورہی ہو، وہاں آدمی کسی بھی نیت سے چلا جائے، فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔ بعض اوقات کسی مجلس میں سنا ہوا ایک لفظ ہی انسان کی دل کی دنیا بدل دیتا ہے اور جہاں پر اللہ کے دین کی باتیں ہورہی ہوں وہاں پر فرشتے اس مجلس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں، اس لئے وہ نورانی مجلس ہوتی ہے اور اس نورانی مجلس میں آدمی چلا جائے تو اس مجلس میں بیٹھنے والا بھی نامراد نہیں ہوتا، نیک صحبت اور نیک مجلس میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے۔

## گناہ کی مجلس میں ظلمت اور تاریکی

اس کے برعکس جو گناہ کی مجلس ہوتی ہے، اس مجلس میں ''ظلمت'' اور تاریکی ہوتی ہے، اگر کوئی اس مجلس میں کسی وجہ سے چلا جائے، اس مجلس کی ظلمت سے اپنے آپ کو بچانا مشکل ہے، جس طرح نیک لوگوں کی صحبت انسان کی زندگی میں انقلاب لاتی ہے، اسی طرح بری صحبت اور وہ مجلس جس میں گناہوں کا ارتکاب ہورہا ہو، اس مجلس میں جانے سے قلب میں ایک تاریکی پیدا ہوتی ہے، اور اس تاریکی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ گناہ کی شناعت اور نفرت دل میں کم ہوجاتی ہے، گناہ سے جتنی نفرت ہونی چاہئے، اور جتنی اس کی شناعت اور قباحت دل میں ہونی چاہئے، ویسی وہ شناعت باقی نہیں رہتی، اور جب دل سے گناہ کی قباحت کم

پڑ جائے یا ڈھیلی پڑ جائے تو پھر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بڑھ جائے گا، اور جتنا گناہ سے دور رہے گا، اتنا ہی وہ گناہ سے محفوظ رہے گا، اور جتنا قریب جائے گا تو وہ اس گناہ سے متاثر ہوگا۔

## ایسی مجالس سے پرہیز کرو

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ [1]

یعنی فواحش کا ارتکاب تو بڑی بات ہے، بلکہ فواحش کے قریب بھی مت جانا، چاہے فحاشی ظاہری ہو، یا باطنی ہو۔ بہرحال! "لا یشھدون الزور" کے اندر یہ سب باتیں داخل ہیں کہ آدمی ایسی مجلسوں سے پرہیز کرے جو غفلت کی مجلسیں ہیں، جو بندے کو اللہ کے ذکر سے اور اس کی یاد سے غافل کرتی ہیں اور جو مجلسیں گناہ کی نفرت کو دل سے کم کرتی ہیں، بہرحال! "لا یشھدون الزور" "عباد الرحمٰن" کی بہت بڑی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

## دو لفظوں میں بے شمار ہدایات

اس سے آپ اندازہ کریں کہ ان دو لفظوں میں کتنی ہدایات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! اور اللہ ہمیشہ ہماری صحبت کو درست رکھے۔ اور بری صحبت سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ اور گناہوں کی نفرت ہمارے دِلوں میں پیدا فرمادے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں

(۱) سورۃ الحجرات: آیت (۷)

میں نیکی کی محبت پیدا فرمادے، آمین۔ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا کہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت عطا فرمائی کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان کے تقاضوں کو تمہارے لئے خوبصورت بنادیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمہارے لئے مکروہ بنادیا، یعنی تمہارے قلوب میں اس کی نفرت پیدا فرمادی، اور گناہوں سے نفرت صحبت سے حاصل ہوتی ہے، اگر آدمی دن رات ایسے آدمی کے پاس رہتا ہے جو خود گناہ کے اندر مبتلا ہے تو اس کے نتیجے میں گناہ کی نفرت اور شناعت دل میں کم ہوجائے گی۔

## شرابی کی صحبت

مثلاً آج آپ کے دل میں ''شراب'' پینے سے نفرت موجود ہے، اب اگر کوئی ''شرابی'' آدمی آپ کے پاس آجائے تو آپ کی طبیعت میں کراہیت ہوگی، لیکن آج ایک شرابی آگیا، کل دوسرا شرابی آگیا، پرسوں تیسرا شرابی آگیا، پھر چوتھا شرابی آگیا اور اس کے بعد ان کے ساتھ مجلس جمنے لگی۔ اب آپ سوچیں گے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ تو جتنی صحبت بڑھتی جائے گی، قباحت اور شناعت میں کمی آتی چلی جائے گی، لہٰذا گناہ کرنے والوں کا جتنا ساتھ

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۲)

ہوگا، جتنی صحبت زیادہ ہوگی، گناہوں کی نفرت میں کمی ہوتی چلی جائے گی، اور جب نفرت میں کمی آجائے گی تو شیطان کو موقع مل جائے گا اور وہ کسی وقت تم پر حملہ بھی کردے گا اور گناہ کے اندر مبتلا کردے گا، لہذا ایسی مجلسوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۲۷

# ''عباد الرحمٰن'' نواں حصہ

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دعا — دعا نمبر ۲۷ ''عباد الرحمٰن'' نواں حصہ

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا خطاب

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الفرقان کا جو آخری رکوع ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ''عبادالرحمٰن'' کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان کا کچھ بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی انسان کو جو سب سے زیادہ عظیم خطاب دیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے لئے یہ فرمادیں کہ یہ میرا بندہ ہے، دنیا میں انسانوں کی طرف سے جو خطابات دیئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ بہت بڑا عالم ہے، وہ بہت بڑا صوفی ہے، وہ بہت بڑا بزرگ ہے، یا وہ علامہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب کسی کے بارے میں یہ کہہ دیں کہ ''یہ میرا بندہ ہے'' تو اس سے بڑا خطاب اور اس سے بڑا اعزاز اس انسان کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

## حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بے شمار خطاب

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کیسے کیسے خطاب عطا فرمائے ہیں، فرمایا کہ:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ
بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ (١)

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لئے ہادی ہیں، آپ خوشخبری سنانے والے ہیں، آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں، اور آپ داعی ہیں، اور آپ چمکتا ہوا سورج ہیں۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ''معراج'' پر بلایا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا سب سے عظیم سفر تھا، اس کو بیان کرتے ہوئے آپ کے لئے فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (٢)
یعنی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے گئی۔

اس موقع پر آپ کے لئے نہ تو ''رسول'' کا خطاب فرمایا، نہ آپ کو ''سراج منیر'' فرمایا، نہ ''شاہد'' نہ ''مبشر'' اور نہ ''نذیر'' فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ وہ اپنے ''بندے'' کو لے گئی۔

---

(١) سورۃ الأحزاب: آیت (٤٥ - ٤٦)

(٢) سورۃ الاسراء: آیت (١)

## "بندہ" ہونے کا خطاب سب سے اعلیٰ

اس سے اشارہ فرمایا کہ اس "بندے" کے خطاب کے آگے دوسرے خطاب ہیچ ہیں۔ کہ یہ میرا "بندہ" ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں "نفس مطمئنہ" عطا فرمادے، تو موت کے وقت "نفسِ مطمئنہ" سے یہ خطاب کیا جائے گا کہ:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ○ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ○ (۱)

اس میں "نفسِ مطمئنہ" سے کہا جائے گا کہ تم میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ، اس لئے "بندگی" کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جائے۔

## عباد الرحمٰن کی بے شمار صفات

بہر حال! ان آیات میں نیک بندوں کو "عباد الرحمٰن" کا خطاب دیا ہے کہ یہ رحمٰن کے بندے ہیں اور پھر ان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ جن کے اندر یہ اوصاف ہوتے ہیں، وہ "رحمٰن" کے بندے ہوتے ہیں، اور وہ اس عظیم الشان خطاب کے اور تمغے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان عباد الرحمٰن کی بے شمار صفات کا بیان ان آیات میں فرمایا ہے جن میں سے اکثر کا بیان گذشتہ مجالس میں تفصیل سے ہو گیا، الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

(۱) سورۃ الفجر: آیت (۲۷ - ۳۰)

## لغویات سے شریفانہ انداز میں گزر جاتے ہیں

آگے ارشاد فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۱)

یعنی رحمن کے بندے وہ ہیں جو کسی جھوٹ یا باطل یا ناجائز اور گناہ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے۔ گذشتہ مجلس میں الحمدللہ اس پر تفصیل سے عرض کر دیا تھا۔ اس آیت کا دوسرا جملہ یہ ہے کہ:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

قرآنِ کریم کا کیا عجیب اندازِ بیان ہے کہ پہلے جملے میں تو یہ بیان فرمایا کہ رحمن کے بندے گناہ اور جھوٹ، اور ناجائز مجلسوں میں جاتے تو نہیں ہیں، لیکن کبھی ایسی مجلسوں کے پاس سے ان کا گزر ہو جاتا ہے، مثلاً وہ کسی اور کام سے جا رہے تھے، لیکن راستے میں ایک ایسی محفل پڑ گئی جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی تھی تو اس طرح ایسی محفل کے پاس سے گزر تو ہوا، فرمایا کہ جب عباد الرحمن لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ شریفانہ انداز سے اور وقار سے گزر جاتے ہیں۔

## ''لغو'' میں نہ دنیا کا فائدہ، نہ آخرت کا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''لغو'' کا استعمال فرمایا، اور ''لغو'' اس کام کو کہتے ہیں جس کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہو، اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہو، ایسے

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۲)

کام کو کہتے ہیں کہ یہ بیکار ہے، بے فائدہ ہے، لیکن لوگ اس بے فائدہ کام میں لگے ہوئے ہیں، اب اس میں گناہ کے کام بھی داخل ہو گئے، مثلاً ساز و سرود کی محفل ہو رہی ہے اور اس میں گانا بجانا ہو رہا ہے، اور ہنسی مذاق ایسا ہو رہا ہے جس میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ عمل بہت بڑا گناہ ہے، یا اس محفل میں غیبت ہو رہی ہے اور ایک بے فکری کی مجلس ہے، جس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تصور نہیں، اور جس میں عذاب وثواب کا کوئی خیال نہیں، اور جس میں نیکی اور بدی کا کوئی خیال نہیں، بس جس شخص کے منہ میں جو آ رہا ہے، اس کی باتیں ہو رہی ہیں، اس میں جھوٹ کی پرواہ نہیں، غیبت کی پرواہ نہیں، بہتان کی پرواہ نہیں، یہ محفل لغو کی محفل ہے۔

## محفل میں اس کی فکر ہونی چاہئے

ذرا ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ جب ہم کسی محفل میں بیٹھتے ہیں تو کیا ہمیں اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارے منہ سے کوئی بات جھوٹ کی نہ نکلے؟ اور میرے منہ سے کسی کی غیبت نہ ہو؟ کیا یہ فکر ہوتی ہے کہ کسی پر بہتان نے لگے؟ کیا یہ فکر ہوتی ہے کہ اس محفل میں کسی کی دل آزاری نہ ہو؟ کچھ فکر نہیں ہوتی، بس بے فکری کے عالم میں ہنسی مذاق ہو رہا ہے، حلال اور حرام، جائز اور ناجائز کوئی پرواہ نہیں ہوتی، یہ ہے "لغو"۔

## بری محفل سے شریفانہ انداز سے گزر جاؤ

اس آیت میں قرآنِ کریم یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم ارادہ کر کے تو اس "محفل"

میں نہیں گئے کہ باقاعدہ شرکت کا ارادہ کر کے گئے ہو، لیکن اتفاقاً اس محفل سے تمہارا گزر ہو گیا تو اس وقت تمہیں کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟ اس کے بارے میں قرآنِ کریم نے عجیب لفظ استعمال فرمایا کہ:

مَرُّوا كِرَامًا

یعنی وہ لوگ اس محفل سے شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں اور ''وقار'' کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اب ''شریفانہ انداز'' سے گزرنے کا کیا مطلب ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سمجھ میں آتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیرات اور ان کے عمل سے سمجھ میں آتا ہے، اب میں نے اس آیت کا ترجمہ تو کر دیا کہ وہ لوگ ''شریفانہ انداز'' سے گزر جاتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟

## شریفانہ انداز سے گزرنے کا پہلا مطلب

''شریفانہ انداز'' سے گزرنے کا پہلا اور ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ وہ لوگ اس مجلس میں شریک نہیں ہوتے، بس گزر رہے ہیں اور گزر کر آگے چلے گئے ہیں، لیکن وہاں بیٹھتے نہیں ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ان سے لڑائی بھی نہیں لڑیں گے، اس لئے کہ ''شریفانہ انداز'' سے گزرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس مجلس میں ناجائز کام ہو رہا ہے، اور اس ناجائز کام کے پاس سے یہ گزر رہے ہیں، اب یہ نہیں کہ اس مجلس میں جا کر لوگوں کو لٹھ لیکر مارنا شروع کر دیں کہ تم یہ کیا حرکت کر رہے ہو؟ یہاں سے بھاگو۔ یہ انداز ''شریفانہ'' نہیں ہے۔

## برائیوں سے روکنے کی کوشش کرو

اس لئے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ (۱)

اگر تم میں سے کوئی شخص کسی جگہ پر برائی ہوتی دیکھے تو اس برائی کو اپنے ہاتھ سے ختم کرے اور اگر ہاتھ سے اس برائی کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے تو زبان سے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور اگر زبان سے اس کو ختم نہیں کرسکتا تو پھر دل سے اس کو برا سمجھے کہ یہ اچھا کام نہیں ہورہا ہے۔

اگر تمام مسلمان اس حدیث پر عمل کرنے لگیں تو بالآخر برائی کو دل سے برا سمجھنا ایک تڑپ میں تبدیل ہوجاتا ہے اور پھر وہ تڑپ کسی نہ کسی وقت زبان سے بھی اس برائی کو رُکوانے کی کوشش کرتی ہے اور کسی وقت ہاتھ سے رُکوانے کی بھی کوشش کرتی ہے۔

## اس حدیث کو سمجھنے میں ”التباس“

اس حدیث کو سمجھنے میں لوگوں کو ”التباس“ پیدا ہورہا ہے، مثلاً اگر آپ ایسی مجلس سے گزر رہے ہیں جس میں گناہوں کا ارتکاب ہورہا ہے تو اس وقت ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب تم کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھو تو اس کو ہاتھ روک دو۔ اس حدیث کا تقاضا تو

(۱) صحیح مسلم ۱/ ۶۹ (۴۹)

یہ ہے کہ ایک لاٹھی لے کر اہلِ مجلس پر حملہ کر دو اور ان سے کہو کہ یہاں سے بھاگو، یہ تم نے کیا حرکت کر رکھی ہے، بعض اوقات دماغ میں یہ بات آجاتی ہے اور اسی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو خدائی داروغہ بنا کر لوگوں کی چیزوں پر حملے کرتے ہیں، مثلاً اگر کسی نے اپنے گھر کے اندر تصویر لگا رکھی ہے، آپ اس کے گھر میں مہمان بن کر گئے، آپ نے وہ تصویر دیکھی تو آپ کو یہ حدیث یاد آگئی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب برائی کو دیکھو تو اپنے ہاتھ سے اس کو ختم کر دو، لہٰذا میں لاٹھی لے کر اس تصویر کو توڑ دوں۔ بعض لوگ اس حدیث کا یہ مطلب سمجھتے ہیں۔

## حدیث کا صحیح مطلب

خوب سمجھ لیجئے! اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تین درجے جو بیان فرمائے ہیں، ان میں سے جو پہلا درجہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے اس برائی کو روک دو، اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کا کسی جگہ پر اقتدار ہو، مثلاً ایک آدمی کا اپنے گھر پر اقتدار ہوتا ہے، اس لئے کہ مرد اپنے گھر میں "ہیڈ آف فیملی" ہے، اور جو اپنے خاندان کا سربراہ ہے، اس کو اپنے گھر پر اقتدار حاصل ہے، اب اگر گھر کے اندر وہ کسی برائی کو یا کسی ناجائز کام کو ہوتا دیکھتا ہے تو اس سربراہ کے لئے صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس برائی کو ہاتھ سے ختم کرنا ضروری ہے۔

## تصویر والا پردہ لٹکانے کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں ایک پردہ لٹکایا، جس پر تصویر بنی

ہوئی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس کو دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہوگئے اور کمرے میں داخل نہیں ہوئے، فرمایا کہ اس پردے کو ہٹاؤ، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس پردہ کو ہٹایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے، اس لئے کہ آپ کو اپنے گھر پر اقتدار حاصل تھا۔ [1]

آج کل اس میں افراط اور تفریط ہوتی ہے، اب ایک شخص گھر کا سربراہ ہے اور اس کو اقتدار حاصل ہے، وہ اپنے عمل سے ایک برائی کو گھر سے دور کرسکتا ہے، لیکن وہ نہیں کرتا، اس کا یہ عمل گناہ ہے، اس لئے کہ اس کے فرائض میں داخل ہے کہ اپنے گھر میں کوئی برائی دیکھ رہا ہے تو اس کو اپنے ہاتھ سے ختم کرے، اگر ختم نہیں کرے گا تو آخرت میں پکڑ ہوگی، ایک شخص ایک ادارہ کا سربراہ ہے اور اس کو اس ادارے میں اقتدار حاصل ہے، اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ اگر اس ادارے میں کوئی منکر کام یا کوئی برائی ہورہی ہے تو وہ اپنی قوت سے اور اقتدار کی طاقت سے ختم کرے۔ اسی طرح اگر ایک شخص پورے ملک کا سربراہ ہے تو اس کے لئے بھی صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہے کہ کسی برائی کے بارے میں لوگوں سے صرف یہ کہہ دے کہ یہ کام برا ہے، مت کیا کرو، بلکہ اگر ملک کے اندر کوئی برائی ہورہی ہے تو اپنے اقتدار کے ذریعہ اس برائی کو روکے۔ لہٰذا اس حدیث کے پہلے جملے کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کو کسی جگہ پر اقتدار حاصل ہو، لہٰذا ہر آدمی کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ برائی کو ہاتھ سے روکے، اور ہر وقت ہاتھ میں ڈنڈا لے کر پھرے، اور جہاں خلاف شرع کام ہورہا ہو تو وہ ڈنڈے سے اس کو دور کرے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۷ / ۱٦۸ (٥٩٥٤)

## عباد الرحمن لڑائی جھگڑا نہیں کرتے

بہر حال! اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ "مرّوا کراما" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اس گناہ کو برا تو سمجھ رہے ہیں، لیکن چونکہ اقتدار حاصل نہیں ہے، اس لئے اس جگہ سے "شریفانہ" طور سے گزر جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑا نہیں کرتے، اس لئے کہ لڑائی جھگڑا ایسی چیز ہے کہ شریعت نے ہر ہر قدم پر اس کو روکنے کی کوشش کی ہے، اس لئے کہ یہ بہت خراب چیز ہے۔

## شریعت نے قربانی دیدی

جھگڑا کرنا اتنی خراب چیز ہے کہ بعض مواقع پر شریعت نے اہم شرعی کاموں کی قربانی دیدی ہے کہ یہ کام شرعاً پسندیدہ اور مستحب تھا، لیکن اگر اس کے نتیجے میں جھگڑے کا اندیشہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، تاکہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس لغو اور گناہ میں خود شامل نہیں ہوں گے اور دوسرے یہ کہ اس گناہ کو روکنے کے لئے طاقت استعمال نہیں کریں گے، اب اگر وہاں جا کر شور مچا دیا تو یہ کسی طرح مناسب نہیں، بلکہ اس جگہ سے شریفانہ طریقے سے گزر جائیں۔

## شریفانہ طور پر فہمائش کرنا بھی داخل ہے

اور "شریفانہ انداز" میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر اس بات کا گمان ہو کہ اگر میں ان میں سے کسی سے کوئی بات کروں گا اور اس برائی پر ان کی فہمائش کروں گا تو شاید یہ لوگ باز آجائیں گے تو شریفانہ طور پر اس کی فہمائش کرنا بھی

"مروا کراما" میں داخل ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ "فان لم یستطع فبلسانه" یعنی جب ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے روکے، البتہ زبان سے روکنا بھی اس وقت ہے جب زبان سے روکنے میں کوئی فتنہ پیدا نہ ہو اور کہنے والے کو یہ اطمینان ہو کہ اگر میں بات کروں گا تو یہ لوگ سن لیں گے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ میرے کہنے کے نتیجے میں یہ لوگ اس برائی سے رُک جائیں گے تو اس وقت زبان سے کہنا واجب ہے، اگر یہ خیال ہو کہ میری بات نہیں مانیں گے تو پھر واجب نہیں۔

## فریضہ ادا کرنا اچھا ہے، واجب نہیں

اور اگر یہ خیال ہو کہ یہ لوگ بات تو نہیں مانیں گے، لیکن کہنے کے نتیجے میں کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا اور کم از کم میں اپنا فریضہ تو ادا کردوں تو اپنا فریضہ ادا کرنا اچھی بات ہے، واجب نہیں ہے، اس لئے کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (۱)

اگر آج میری بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تو کل سمجھ میں آجائے گی اور اگر یہ خیال ہو کہ بات کرنے کے نتیجے میں اُلٹا یہ لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اُلٹا یہ لوگ دین کی توہین کرنا شروع کر دیں گے اور دین کے حکم کو مذاق بنانا شروع کر دیں گے تو اس صورت میں زبان سے بھی نہ کہنا چاہئے، بلکہ اس موقع پر صرف دل سے برا سمجھ لینا کافی ہے۔

---

(۱) سورۃ الذاریات: آیت (۵۵)

## ''شریفانہ انداز'' سے گزرنے کے تین طریقے

بہر حال! ''شریفانہ انداز'' میں گزر جانے کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ خود اس برائی میں شریک نہیں ہوں گے اور دوسرے یہ کہ اس برائی کو روکنے کے لئے جہاں اقتدار نہ ہو، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں گے اور تیسرے معنی یہ ہیں کہ اگر کچھ کہنے سے فائدہ ہونے کی توقع ہو تو وہاں زبان سے محبت اور پیار سے اور شفقت سے کہہ دیں گے اور جہاں ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہو، وہاں پر ہاتھ سے روکیں گے۔

## ''شریفانہ انداز'' سے گزرنے کا چوتھا طریقہ

چوتھی بات یہ ہے جو بہت اہم بات ہے، وہ یہ کہ آپ ایک آدمی کو گناہ کرتا دیکھ رہے ہیں، یا ایک جماعت کو مجلس میں گناہ کرتا دیکھ رہے ہیں، اور اُوپر کے تینوں درجے پر آپ کو عمل کرنے کی طاقت نہیں ہے، تو اس صورت میں آپ اس عمل کو دل سے برا سمجھیں گے کہ یہ غلط کام ہو رہا ہے، اور اس کی طرف سے طبیعت میں ایک انقباض پیدا ہو کہ یہ کام اچھا نہیں ہو رہا ہے، یہاں پر لوگ غیبت کر رہے ہیں، یہاں پر لوگ بہتان باندھ رہے ہیں، یہاں پر گانا بجانا ہو رہا ہے، وغیرہ۔ لیکن جو لوگ اس گناہ میں مبتلا ہیں، ان کی تحقیر آپ کے دل میں نہ آنی چاہئے۔

## اس عمل کو برا سمجھے، ذات کو نہیں

یہ ہے ''نکتہ'' اور یہ ہے ''پل صراط'' کہ اس کے عمل کو تو برا سمجھ رہے ہیں

اور اس کام سے بیزاری کا اظہار بھی کر رہے ہیں اور دل میں اس عمل کی کراہیت بھی ہے اور نفرت بھی ہے، لیکن اس آدمی سے نفرت نہیں ہے، لہٰذا برا عمل کرنے والوں کو یہ سمجھنا کہ یہ تو فاسق فاجر لوگ ہیں، یہ تو جہنمی ہیں اور یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی طرف دیکھا جائے، یہ تو جہنم میں جائیں گے اور میں تو ان کو گھاس بھی نہیں ڈالتا، اگر ان لوگوں کی تحقیر کا خیال آپ کے دل میں آ گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے آپ کو بہکا دیا اور یہ ''شریفانہ انداز'' میں گزرنا نہ ہوا، اس لئے کہ ''شریفانہ انداز'' میں گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے عمل کو برا سمجھے، ان کی ذات کو برا نہ سمجھے اور اس عمل کی تحقیر ہو، عمل کرنے والے کی تحقیر نہ ہو۔

## ذات کو حقیر نہ سمجھنے کی دلیل

اس بات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے، آسان نہیں ہوتا، اب سوال یہ ہے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ آپ اس کی ذات کو حقیر نہیں سمجھ رہے ہیں، بلکہ اس کے عمل کو برا سمجھ رہے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے دل میں یہ بات ہو کہ اگر کسی وقت یہ شخص اس گناہ سے باز آ جائے گا تو میں اس شخص کو اپنے سینے سے لگا لوں گا، اور ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اس گناہ سے توبہ کر لے اور مجھ سے بھی آگے بڑھ جائے۔

## ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ ہے، جو بڑے درجہ کے صوفی بزرگ تھے، اور بڑے

متبعِ سنت تھے، انہی کے زمانے میں ایک دوسرے بزرگ بھی تھے، وہ بھی بڑے اللہ والے تھے، لیکن پہلے بزرگ کو دوسرے بزرگ سے کسی فعل پر اختلاف تھا، جس فعل کو پہلے بزرگ بدعت سمجھتے تھے کہ یہ فلاں بدعت کا کام کرتے ہیں، جیسے صوفیاء کرام کے یہاں ''سماع''، ''مولود'' اور ''قیام'' ہوتا تھا، پہلے بزرگ جو اس فعل کو بدعت سمجھتے تھے، وہ بہت سخت بیمار ہوگئے اور مرنے کا وقت آگیا، دوسرے بزرگ ان کی عیادت اور ملاقات کے لئے آئے، اندر پیغام بھیجا کہ فلاں صاحب آپ کی عیادت اور سلام کرنے کے لئے آئے ہیں، پہلے بزرگ نے جوابی پیغام بھیجا کہ اگر ویسے وہ ملاقات کے لئے آتے تو میں ان کا اکرام کرتا، لیکن میں اب دنیا سے جارہا ہوں، اور یہ میری زندگی کے آخری اوقات ہیں، اس آخری وقت میں کسی ''بدعتی'' سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا، اب یہ ان کی کیفیت تھی کہ میرا آخری وقت ہے اور جب وہ اندر آئیں گے تو مجھے ان کا اکرام کرنا پڑے گا اور ان کے اکرام کرنے سے ان کی بدعت والے فعل کے اکرام ہونے کا اندیشہ ہے۔

## ''بدعتی'' اپنی بدعت سے توبہ کرکے آیا ہے

پیغام لے جانے والے نے باہر جا کر بتادیا کہ وہ یہ فرمارہے ہیں، ان بزرگ نے فرمایا کہ میری طرف سے ان کو یہ پیغام پہنچادیں کہ ''بدعتی'' اپنی بدعت سے توبہ کرکے آیا ہے۔ ان صاحب نے وہ پیغام اندر پہنچادیا تو ان بزرگ نے اپنے سر سے ''عمامہ'' اُتارا اور پیغام لانے والے سے کہا کہ اس ''عمامہ'' کو کھول کر ان کے راستے میں بچھادو، اور ان سے کہو کہ میرے ''عمامہ'' پر چل کر اندر آجائیں۔

کیوں کہا؟ اس لئے کہ نفرت ''بدعت'' سے تھی، آدمی سے نفرت نہیں تھی، اور اس کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ میں ان کے سامنے کچھ نہیں، میرا ''عمامہ'' کچھ نہیں، اس لئے وہ میرے ''عمامہ'' پر پاؤں رکھ کر اندر تشریف لائیں۔

## گناہ سے نفرت ہو، آدمی سے نہیں

لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ آدمی ''گناہ'' سے نفرت کرے، آدمی سے نفرت نہ کرے، لیکن یہ کام ذرا مشکل اور نازک ہے، اس کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے ایک شخص بیمار ہے، اب بتاؤ کہ وہ بیمار ترس کھانے کی چیز ہے، یا غصہ کرنے کی چیز ہے؟ کہ تو کیوں بیمار ہو گیا؟ نہیں، بلکہ اس بیمار پر تم ترس کھاؤ گے کہ یہ بیچارہ بیمار ہو گیا ہے اور اس کے لئے دعا کرو گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے نجات دیدے۔

## وہ روحانی بیمار ہے، ترس کے لائق ہے

اسی طرح جو شخص کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، وہ درحقیقت روحانی بیمار ہے، لہٰذا اس پر ترس کھاؤ اور اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی بیماری کو دور فرمادے، لیکن اس کی تحقیر مت کرو۔ اس لئے فرمایا کہ ''رحمٰن کے بندے'' جب لغو کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز میں گزر جاتے ہیں اور ''شریفانہ انداز'' میں یہ سب باتیں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۲۷

## ''عباد الرحمٰن'' دسواں حصہ

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا
عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۲۷ ''عباد الرحمٰن'' دسواں حصہ

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گذشتہ کئی مجلسوں سے ''عباد الرحمن'' کی صفات کا بیان چل رہا ہے، الحمدللہ! کئی صفات کا بیان ہو چکا۔ آگے ایک اور وصف کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا[1]

یعنی ان عباد الرحمن کو ان کے پروردگار کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں اور ان آیات کے ذریعہ ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ لوگ ان آیات پر اندھے

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۳)

بہرے بن کر نہیں گرتے۔

''گرنے'' کے لئے جو لفظ آیا ہے وہ ہے: "یخرون" یہ لفظ عام طور پر اس وقت استعمال ہوتا ہے جب آدمی اچھی چیز کے اُوپر اس کے اشتیاق میں لپک کر آگے بڑھے اور گر جائے، جیسا کہ دوسری جگہ قرآنِ کریم میں آیا ہے کہ:

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (١)

یعنی نیک لوگ اپنی ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا اشتیاق ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس پر گرتے ہیں۔

## اندھے بہرے بن کر نہیں گرتے

لہٰذا ایک طرف تو اس آیت میں ''گرنے'' کا ذکر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندے ''اشتیاق'' کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور اپنے پروردگار کی آیات کی طرف اپنا ''اشتیاق'' ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ''اشتیاق'' کے باوجود وہ آیات قرآن پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے، بلکہ ان میں تدبر اور غور و فکر بھی کرتے ہیں اور ان آیات کا جو اصل مقصد اور روح ہے، اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ نہیں کہ آنکھیں بند کر کے تلاوت کرتے ہیں۔

## اس آیت میں منافقین کی طرف اشارہ

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے اشارہ ہے منافقین کے عمل کی طرف

---

(۱) سورۃ الاسراء: آیت: (۱۰۷)

کہ منافقین یہ کرتے تھے کہ وہ بظاہر تو قرآنِ کریم کی طرف اپنا اشتیاق ظاہر کرتے تھے کہ ہم تو قرآنِ کریم سننے کے اور اس کی نصیحت سننے کے بڑے مشتاق ہیں، لیکن جو نصیحت کی گئی ہے اس سے ان کے کان بند ہوتے ہیں اور آنکھیں بند ہوتی ہیں، یعنی ان نصیحتوں پر عمل کرنے کا کوئی سوال نہیں، لہٰذا مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں ''منافقین'' کا ذکر کیا ہے۔

## اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ

ایک منافق وہ ہوتے تھے جن کی زبان پر اسلام تھا اور دل میں ایمان نہیں تھا، لیکن اگر ہم اپنے حالات پر غور کریں تو اس آیت میں ہمیں تنبیہ کی جارہی ہے، اس لئے قرآنِ کریم کے ساتھ جو ہمارا سلوک ہے وہ یہ کہ بظاہر قرآنِ کریم کی بڑی تعظیم اور تکریم ہے اور قرآنِ کریم اُوپر رکھا جائے، نیچے نہ رکھا جائے، قرآنِ کریم کو اعلیٰ درجے کے غلاف میں لپیٹ کر رکھا جائے، اس کی طباعت میں چمک دمک ہو، اس میں خوبصورتی اور حسن کا اعلیٰ معیار ہو، اور جب کوئی جلسہ شروع ہو تو سب سے پہلے قرآنِ کریم کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز کیا جائے، اور جب کوئی محفل منعقد ہو تو سب سے پہلے اس میں تلاوت کریں اور جب کبھی اپنی بات پر دوسرے کو یقین دلانا ہو تو اس کو ہاتھ میں اُٹھا کر لوگوں کو یقین دلائیں کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا قسم اُٹھانے کے لئے قرآنِ کریم کو استعمال کریں۔

## مسلمان بھی اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر قرآنِ کریم کا اشتیاق تو بہت ہے کہ

اس کی بڑی تعظیم اور تکریم ہے، لیکن قرآنِ کریم ہمیں کیا پیغام دے رہا ہے اور وہ قرآنِ کریم ہم سے کیا چاہتا ہے، اس کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے، نہ قرآنِ کریم کی تلاوت کی نوبت آتی ہے اور نہ اس کے سمجھنے کی طرف کوئی قدم اُٹھایا جاتا ہے، نہ اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے، گویا ہم پر "صما و عمیانا" والی بات صادق آرہی ہے کہ "یخرون" کی بات بھی صادق آرہی ہے کہ ہمارے اندر اشتیاق تو موجود ہے، تعظیم اور تکریم بھی ہے، لیکن قرآنِ کریم کے حقوق سے اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں۔

## قرآنِ کریم کا پہلا حق

بنیادی طور پر قرآنِ کریم کے تین حقوق ہیں، پہلا حق یہ ہے کہ "تلاوتِ محض" جو بذاتِ خود مقصود ہے کہ کوئی بندہ روزانہ کی تلاوت سے خالی نہ رہے۔ یہ پہلا حق ہے جو قرآنِ کریم کے حقوق میں سب سے آسان حق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ کی روح قبض کی جائے گی اور اس کو قبر میں رکھا جائے گا تو جو شخص دنیا میں قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول ہوگا، اور قرآنِ کریم کی فہم اور اس کی تبلیغ اور دعوت میں مشغول ہوگا تو قبر میں وہ قرآنِ کریم اس کے سرہانے ہوگا اور عذاب کو اس کے پاس آنے سے رکاوٹ بنے گا۔[1]

## عذابِ قبر سے حفاظت کا طریقہ

عذابِ قبر برحق ہے اور یہ عذاب صرف کافروں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ

(۱) تفسیر یحیی بن سلام ۱ / ۲۸۶

مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص دنیا کے اندر قرآنِ کریم کی خدمت میں مشغول رہا ہوگا تو قبر میں وہ قرآنِ کریم اس کی حفاظت کے لئے اس کے سرہانے بیٹھا ہوگا اور دائیں طرف اس کے نماز ہوگی اور بائیں طرف روزہ ہوگا اور پاؤں کی طرف صدقہ خیرات ہوگا، لہٰذا اگر عذاب اس کے سر کی طرف سے آئے گا تو قرآنِ کریم اس عذاب کو روکے گا، اگر داہنی طرف سے عذاب آئے گا تو نماز اس عذاب کو روکے گی، بائیں طرف سے عذاب آئے گا تو روزہ روکے گا اور اگر پاؤں کی طرف سے آئے گا تو صدقہ خیرات روکیں گے۔ لہٰذا پہلا حق قرآنِ کریم کا ''تلاوت'' ہے، کوئی دن تلاوت سے خالی نہ ہو۔

## تلاوت چھوڑنے پر وعید

اور اس کے مقابلے میں اس پر وعید بڑی سخت ہے کہ اگر کسی شخص نے قرآنِ کریم کا علم حاصل کیا اور مثلاً وہ حافظ قرآنِ کریم ہوگیا، لیکن پڑا سوتا رہا، اب پڑھنے اور تلاوت کرنے کی طرف دھیان اور توجہ نہیں ہے، صبح کا وقت جو قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے کا وقت ہے، وہ اس وقت پڑا سوتا رہتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ قبر میں ایسے شخص کا سر پتھروں سے کچلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم کا پہلا حق ''تلاوت'' کرنا ہے، لہٰذا ہر آدمی کو سوچنا چاہئے کہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہوں یا نہیں؟

## قرآنِ کریم کا دوسرا حق

قرآنِ کریم کا دوسرا حق اس کو ''سمجھنا'' اور اس میں غور کرنا۔ قرآنِ کریم

میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○ [1]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور تدبر سے کام نہیں لیتے؟ یا اُن کے دِلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

ذرا سوچیں کہ اللہ جل شانہ نے کتاب ہدایت ہمارے لئے بھیجی جو اتنی بڑی نعمت ہے اور اس اُمت کو اس امتیاز سے سرفراز فرمایا کہ اس کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی، فرمایا کہ:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ [2]

کہ اس کتاب میں باطل نہیں آسکتا، نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے۔

اس میں کوئی گڑبڑ اور تحریف نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے، یہ بندوں کے لئے قیام تک کے لئے پیغام ہدایت ہے۔

## قرآنِ کریم کی طرف سے بے توجہی

اب اگر ایک آدمی نے اس قرآنِ کریم کو اُٹھا کر طاق میں تو رکھ دیا اور تھوڑی بہت روزانہ اس کی تلاوت بھی کرلیتا ہے، لیکن کبھی اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا نہیں کہ میں دیکھوں تو سہی کہ میرے پروردگار نے اس کتاب کے

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (٤٥-٤٦)

(۲) سورۃ فصلت: آیت (٢٤)

ذریعہ مجھے کیا پیغام بھیجا ہے اور کبھی اس کتاب میں غور کرنے اور اس کو سمجھنے کی ترغیب دل میں نہیں آئی؟ بلکہ اس کتاب کے سمجھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، بہت سے اللہ کے نیک بندوں نے اس قرآنِ کریم کے ترجمے کرکے شائع کردیئے ہیں، اس کی تفسیر لکھ کر شائع کردی ہے، کوئی مختصر تفسیر ہے، کوئی طویل ہے، کیا کبھی دل میں یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ میں اس کا ترجمہ پڑھوں، اس کی مستند تفسیر پڑھوں۔

## قرآنِ کریم تدبر کے ساتھ پڑھو

سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم سے نواز دیا تو وہ ذرا سمجھ لیتے ہیں، لیکن ان کا سمجھنا بھی کیا ہے؟ صرف آیتوں کا ترجمہ سمجھ لیا اور مطلب سمجھ میں آگیا کہ قرآنِ کریم یہ کہہ رہا ہے، لیکن قرآنِ کریم کو تدبر کے ساتھ اور فکر کے ساتھ سمجھنا، یہ بات نہیں ہے، جبکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○ (۱)

''تدبر'' کا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اپنی آیاتِ قدرت کا ذکر فرمایا ہے، ہم ان کو پڑھتے ہیں اور آگے گزر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا کہ میں نے آسمان پیدا کئے، میں نے زمین پیدا کی، اور زمین پر بارش برسائی، اور اسی بارش سے نباتات اُگائیں جو تمہارے لئے رزق ہے، تمہارے چوپاؤں کے لئے رزق ہے، تم نے یہ سب باتیں پڑھیں، اور ان کو پڑھ کر آگے گزر گئے۔

---

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (۴۵-۴۶)

## صرف ایک آیت کے اندر ہی غور کرلیں

غور کئے بغیر صرف پڑھ کر گزر جانا اور اپنے دل میں بسائے بغیر گزر جانا، اللہ بچائے! کہیں یہ اندھے بہرے ہوکر گرنے میں شامل نہ ہو، مثلاً قرآنِ کریم نے ایک جملہ کہہ دیا، آدمی اس ایک جملے کے اندر ہی غور کرلے، فرمایا:

أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ (1)

یعنی یہ پانی جو تم پیتے ہو، اس کو بادلوں سے ہم نے اُتارا ہے یا تم نے اس کو اُتارا ہے؟

بس ایک جملہ کہہ دیا، اب آدمی اس جملے کے اندر غور کرے کہ کس طرح یہ پانی میرے پروردگار نے مجھ تک پہنچایا ہے، کس طرح سمندر بنائے، اور اس سمندر کے اندر بے شمار جانور روزانہ مرتے ہیں، لہٰذا پانی کو سڑنے سے بچانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اندر نمکیات پیدا کردی ہیں تاکہ وہ پانی سڑے نہیں۔

## سمندر میں عجیب وغریب مخلوقات

سمندر کے اندر ایسی مخلوقات ہیں جو زمین کی مخلوقات سے بدرجہا زیادہ ہے، میں نے سمندر کے اندر جاکر دیکھا ہے، سمندر کے اندر عجیب وغریب عالم ہے، اور پوری کائنات اندر بسی ہوئی ہے، پہاڑ ہیں، بڑے بڑے درخت ہیں،

(1) سورۃ الأحزاب: آیت (٤٥ - ٤٦)

صحراء ہیں اور ایسی مخلوقات ہیں جو کبھی تصور میں نہیں آئیں، مچھلیوں کے علاوہ سمندری جانور ایک سے ایک عجیب جانور ہیں۔اب ظاہر ہے کہ ہر مخلوق کو پیدا کرنے کا کچھ مقصد ہے، اگر سمندر کے اندر ایک چھوٹی سی مچھلی تیر رہی ہے وہ ویسے ہی بیکار تو نہیں تیر رہی ہے، بلکہ اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہے، کوئی اگر سمندر کے اندر کوئی پودا اُگا ہوا ہے، یا کوئی درخت کھڑا ہوا ہے، اس لئے کہ وہاں اندر لمبے لمبے درخت کھڑے ہیں، جیسے جنگلوں میں ہوتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت اور مصلحت کے تحت اُگ رہے ہیں۔

## پانی کا قدرتی نظام

ظاہر ہے کہ یہ جتنی مخلوقات ہیں، ان سب کو زندہ رکھنا ہے، ان کو رزق بھی پہنچانا ہے اور ساتھ میں اس سمندر کو سڑنے سے بھی بچانا ہے، اس لئے نمکیات کے ذریعہ اس کے سڑنے سے حفاظت کردی۔ جب اس پانی کو انسانوں تک پہنچانے کا مسئلہ آیا ہے تو ''مون سون'' کے ذریعہ اس پانی کو بادلوں کے اندر اُوپر اُٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی یہ کام کرسکتا تھا؟ اور ان بادلوں میں پانی کو میٹھا کرنے کا قدرتی پلانٹ لگا ہوا ہے، وہی نمکین اور کڑوا پانی کہ اگر ہم اس کو پینا چاہیں تو نہیں پی سکتے، اگر پی لیں تو اُلٹی ہوجائے، لیکن جب اس پانی کو بادلوں نے اُٹھایا تو وہ پانی میٹھا ہوجاتا ہے، گویا کہ یہ ''بادل'' کارگو سروس ہے اور لاکھوں ٹن پانی ان بادلوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جارہا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ جہاں چاہتے ہیں، بارش برسادیتے ہیں اور پانی میسر ہوجاتا ہے۔

## پانی کا ذخیرہ تم کر سکتے ہو؟

اب اگر انسانوں سے یہ کہہ دیا جاتا کہ ہم نے بارش برسادی، اب تم خود ایک سال کیلئے اس کا ذخیرہ کر کے رکھ لو، کیا انسان کے بس میں تھا کہ ایک سال کا پانی اپنے پاس ذخیرہ کر کے رکھ لیتا؟ نہیں، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ (۱)

کہ بارش کے بعد ہم نے اس پانی کو زمین پر ٹھہرادیا۔

کس طرح ٹھہرادیا؟ اس طرح کے بارش کو پہاڑوں پر برسادیا، اور پہاڑوں پر قدرتی فریزر لگادیئے جو اس پانی کی حفاظت کر رہے ہیں، ایک طرف پانی محفوظ ہو رہا ہے اور دوسری طرف اس کا منظر خوشنما ہو رہا ہے اور جس سے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں اور پانی کا پورا ذخیرہ جو پوری دنیا کے انسانوں کو سیراب کرتا ہے، وہاں موجود ہے۔

## برفانی پہاڑ، کولڈ اسٹوریج

اب بارش بھی برسادی، اور پھر پہاڑوں پر بھی ٹھہرادیا، اب اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ تم جاؤ اور پہاڑوں پر سے پانی لے آیا کرو، کیا انسان کے بس میں تھا کہ وہ پہاڑ سے برف کھود کر وہاں سے پانی لے کر آئے؟ نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس کام پر لگادیا کہ وہ سورج اس برف پر اپنی کرنیں نچھاور کرے اور اس برف کو پگھلائے اور پھر ندیوں کے ذریعہ اور دریاؤں کے ذریعہ وہ پانی

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (۱۸)

تمہارے گھر تک پہنچائے۔ اور پھر ان دریاؤں اور ندیوں کی رگیں زمین کے اندر نیچے پھیلا دیں، اب تم جہاں سے کھودو گے، وہاں سے پانی نکل آئے گا، بہرحال! ہم یہ آیت أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِى تَشْرَبُونَ ○ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ○ پڑھ کر گزر گئے، لیکن میرے مالک اور خالق نے کس طرح یہ سارا نظام بنایا ہے، اس کی طرف توجہ نہیں کی اور اس طرف غور نہیں کیا۔

## زمین سے غلہ پیدا کرنے کا عمل

یہ تو میں نے ایک مثال "پانی" کی بیان کردی، ورنہ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں چاروں طرف برس رہی ہیں اور ان نعمتوں کا کیسا نظم بنایا ہے؟ یہ پودے جو زمین پر اُگتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّٰرِعُونَ ○ (۱)

یہ جو تم زمین کے اندر بیج بوتے ہو، اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم ہیں اُگانے والے؟

تمہارا کام تو بس اتنا تھا کہ تم نے زمین کو ہموار کردیا، ہل چلادیا، اور اس میں بیج ڈال دیا، کیا تمہارے بس میں ہے کہ تم اس بیج کو پودا بنادو، کیا تمہارے بس میں ہے کہ اس بیج کو اتنی طاقت دے دو کہ وہ چھوٹی سی کونپل جو ایک اُنگلی کی بھی سہار نہیں رکھتی، وہ کونپل سخت زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہوجاتی ہے، اس پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں اور چاند اس پر اپنی روشنی نچھاور کرتا ہے، اس پر

---

(۱) سورة الواقعة: آیت (٦٤)

ہوائیں چلتی ہیں، اس پر بارش برستی ہے، تب جاکر وہ گندم کا پودا بنتا ہے اور اس میں گندم کا خوشہ بنتا ہے اور وہ گندم کتنے مراحل سے گزر کر تم تک پہنچتی ہے۔

## روٹی تم تک کس طرح پہنچی؟

ایک مخلوق ''گندم'' اُگا رہی ہے، ایک مخلوق گندم پیس رہی ہے، ایک مخلوق اس کا آٹا بنا رہی ہے، ایک مخلوق اس گندم کو بیچ رہی ہے، ایک مخلوق اس گندم کا ذخیرہ کر رہی ہے، ہم روزانہ گندم کی روٹی کھاتے ہیں، لیکن کبھی یہ سوچا کہ یہ روٹی کہاں سے آئی ہے؟ ویسے ہی نہیں آئی، بلکہ ساری کائنات کی توتیں اس پر صرف ہوئیں، تب جاکر ایک روٹی کا نوالہ ہمارے ہاتھ میں آیا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابر و باد ماہ و فلک و خورشید درکار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نمی خوری

یہ بادل، یہ ہوائیں، چاند، سورج، یہ آسمان، یہ سب تمہارے کام پر لگے ہوئے ہیں، تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں، کس لئے لگے ہوئے ہیں؟ تا کہ تمہارے ہاتھ میں ایک روٹی آجائے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ اس کو غفلت کی حالت میں نہ کھاؤ۔

## غور کے معنیٰ ''اجتہاد کرنا'' نہیں

جس تفکر کی قرآنِ کریم دعوت دیتا ہے وہ یہ ہے۔ آج کل جو لوگ ''جدیدیت'' کے علمبردار ہیں، وہ ''تفکر'' کے معنی لیتے ہیں ''اجتہاد''۔ یعنی

قرآنِ کریم میں غور کر کے ''اجتہاد'' کرو۔ ساری زندگی نہ کبھی قرآنِ کریم پڑھا، نہ سنا، نہ اس کو سمجھنے کی توفیق ہوئی، جب ملازمت سے ریٹائرڈ ہو گئے تو اب قرآنِ کریم کی ''تفسیر'' لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور یہ کہنے لگے کہ چودہ سو سال سے علماء کرام نے قرآنِ کریم کے اندر غور ہی نہیں کیا، ''غور'' اس معنی میں کہ قرآنِ کریم سے کیا سائنسی معلومات حاصل ہوتی ہیں؟ قرآنِ کریم میں ''غور'' کر کے ''اجتہاد'' کریں کہ کس حکم کی کیا ''علت'' ہے؟ اور زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ ''علت'' پائی جا رہی ہے یا نہیں؟ لہٰذا اس میں کچھ تغیر اور تبدیلی آنی چاہئے، وہ لوگ ''تفکر'' کو اس معنی میں لیتے ہیں۔

## ایسا تفکر جو تمہیں اللہ تک پہنچا دے

خوب سمجھ لیجئے! قرآنِ کریم جس معنی میں ''تفکر'' کہہ رہا ہے، وہ یہ تفکر ہے جو میں نے عرض کیا، یعنی ایسا ''تفکر'' جو تمہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچائے، ایسا ''تفکر'' جو تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرے، جس کے ذریعہ تمہارا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف رہے، لہٰذا جب پانی پیو تو تمہارا دھیان اس طرف ہو کہ کس طرح میرے اللہ نے یہ پانی مجھ تک پہنچایا ہے، اور کم از کم اتنا تو کرو کہ پانی پینے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھ لیا کرو اور پانی پینے کے بعد ''الحمد للہ'' کہہ لیا کرو، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو، کم از کم اتنا تو کر لو۔

## آیاتِ قدرت میں غور و فکر کرو

درحقیقت قرآنِ کریم میں بار بار ''تدبر'' اور ''تفکر'' کی جو دعوت دی گئی

ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو آیاتِ قدرت بیان فرمائی ہیں، ان پر غور وفکر کی دعوت دینا ہے، بار بار اللہ تعالیٰ کیوں فرمارہے ہیں کہ ہم نے آسمان سے پانی اُتارا ہے؟ ہم نے سورج اور چاند کوتمہاری خدمت میں لگایا ہوا ہے، ہم نے چانداور سورج کی منزلیں مقرر کردی ہیں، ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے، کیوں بار بار بیان فرمارہے ہیں؟ تا کہ ہم اور آپ جب چیزوں میں غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ہمارے دلوں سے نکلے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق بڑھے۔ یہ ہے ''تفکر'' کا مقصد۔

## بارش کے وقت غور وفکر

بہر حال! یہ آیت

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا

کہ جب وہ لوگ قرآنِ کریم پڑھتے ہیں اور اس کا مطلب سمجھتے ہیں، اس کے بعد وہ لوگ اندھے بہرے ہوکرنہیں گزر جاتے، مثلاً کسی آیت میں بارش کا ذکر ہے تو سوچا کہ ٹھیک ہے، اس میں بارش کا ذکر ہے اور بارش کا ہونا طبعی بات ہے، جب بارش ہوگی تو مزے لیں گے اور موسم اچھا ہوجائے گا، ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ جب بارش آئے تو اس وقت انسان یہ محسوس کرے کہ میرے پروردگار نے یہ نعمت بھیجی ہے، میں اس پر شکر ادا کروں، اور میرا دل اس وقت اللہ کی محبت سے معمور ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کتنا احسان کا معاملہ فرمارہے ہیں، پوری کائنات میرے لئے بنائی ہوئی ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا[1]

## غور وفکر کے نتیجے میں اللہ سے محبت کا تعلق

وہ ذات میری اس طرح پرورش کر رہی ہے کہ پیدائش سے لے کر بچپن تک، بچپن سے جوانی تک، جوانی سے بڑھاپے تک اور بڑھاپے سے موت تک، میری ساری ضروریات وہ ذات پوری کر رہی ہے، اور کوئی ہے جو میری ضروریات کو پورا کرے؟ بار بار قرآنِ کریم جو ان باتوں کو ذکر کرتا ہے کہ آسمان ہم نے پیدا کیا، زمین ہم نے پیدا کی، سورج، چاند ہم نے پیدا کیے، ہوائیں ہم نے چلائیں، بارشیں ہم نے برسائیں، یہ بار بار اس لئے فرما رہے ہیں کہ تم اس کا دھیان رکھو، اور دھیان رکھنے کے نتیجے میں تمہارے دل میں اس ذات کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا ہونا چاہئے، اگر محبت کا یہ تعلق نہیں ہے تو اس سے بڑی ناشکری کوئی نہیں، اور پھر وہ محبت تمام محبتوں پر غالب آنی چاہئے۔

## اس محسن ذات کے احسانات میں غور

یہ نہ ہو کہ ''احسان'' تو ایک کر رہا ہے اور تم محبت دوسرے سے کر رہے ہو، جس کا تم پر کوئی ''احسان'' بھی نہیں ہے، لیکن جس ذات کے احسانات میں تم جی رہے ہو، جس ذات کے احسانات میں تم صبح سے لے کر شام تک ڈوبے ہوئے ہو، کیا اس ذات سے محبت نہیں ہوگی؟ کیا اس ذات سے تعلق نہیں ہوگا؟ اس لئے قرآنِ کریم یہ کہہ رہا ہے کہ اندھے بہرے بن کر قرآنِ کریم کی آیات مت پڑھا

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت (۲۹)

کرو، بلکہ کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اور کھلے ہوئے کانوں کے ساتھ کائنات میں ان مناظر کا نظارہ کرو جو قرآنِ کریم بیان کررہا ہے، اور ان مناظر سے تمہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق تک پہنچنا چاہئے۔

## تم اپنی ذات میں غور کرلو

قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (۱)

یعنی اس کائنات میں غور کرنے کو چھوڑو، زمین وآسمان اور بادلوں اور ہواؤں میں غور کرنے کو چھوڑو، تم اپنی ذات میں غور کرلو، تمہارا وجود بذاتِ خود باری تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے، تم کہاں سے پیدا ہوگئے؟ کہاں سے تمہارے اندر روح آگئی؟ کہاں سے تمہارے اندر بولنے کی طاقت آگئی؟ کہاں سے تمہارے اندر چلنے، پھرنے کی طاقت آگئی؟ کہاں سے تمہارے اندر سوچنے سمجھنے کی طاقت آگئی؟ اپنے اندر ہی غور کرلو کہ سر سے لے کر پاؤں تک جو تمہارا وجود ہے، اس کی ایک ایک چیز ہم تک پہنچانے والی وہی ذات ہے۔

## انسان کا ایک ایک عضو ایک کائنات ہے

سر سے لیکر پاؤں تک کس طرح انسان کا وجود بنایا گیا ہے، انسان کا ایک ایک عضو ایک کائنات ہے، میڈیکل سائنس تو میں نے نہیں پڑھی، البتہ ایک

(۱) سورۃ الذاریات: آیت (۲۱)

مرتبہ میری کمر کے مہرے کا مسئلہ ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے میں زمین پر لیٹا رہتا تھا، اس زمانہ میں بیٹھ کر کوئی کام نہیں کرسکتا تھا، لیٹے لیٹے کچھ پڑھ لیتا تھا، ''مائی ڈاکٹر'' کے نام سے ایک کتاب ہاتھ لگ گئی، میں نے اس کو پڑھنا شروع کیا، تا کہ یہ پتہ چلے کہ ''مہرے'' کا کیا مسئلہ ہے؟ اس کتاب کے پڑھنے سے پتہ چلا کہ یہ ایک چھوٹا سا ''مہرہ'' جس میں خلل آگیا ہے، یہ ایک ''مہرہ'' پوری ایک کائنات ہے، کس طرح اس ''مہرے'' کو بنایا گیا ہے اور کس طرح اس کو ڈھالا گیا ہے، کس طرح اس کی حفاظت کی جاتی ہے، کس طرح اس کو سنبھالا جاتا ہے، آج تک کوئی انسان اپنے وجود کو نہیں سمجھ پایا، مثلاً انسان کا دماغ ہے، اس دماغ کے بے شمار حصے ہیں اور کس حصے کا کیا عمل ہے؟ پتہ نہیں، ڈر کے مارے دماغ کے حصوں کو نہیں چھیڑتے، اگر چھیڑ دیا تو اس کے نتیجے میں جسم کے کون سے حصے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔

## تم نے ہر چیز اپنے پیٹ میں ڈال لی

تم کھانا کھاتے ہو، لشتم پشتم جو کھانا اچھا لگا، اس کو کھالیا، گوشت کھایا، سبزی بھی کھائی، سلاد بھی کھالی، دہی بھی کھالی، دودھ بھی پی لیا، کون ذات ہے جو اندر ان چیزوں کو الگ الگ کر رہی ہے؟ جگر کو کتنی غذا چاہئے؟ گردے کو کتنی غذا چاہئے؟ خون کس طرح بننا چاہئے؟ خون کی کس طرح گردش ہونی چاہئے؟ کون ہے جو سب کر رہا ہے؟ لہٰذا اپنے جسم اور جان کے اندر غور کرو، جب غور کرو گے تو تم لامحالہ اللہ جل شانہ تک پہنچ جاؤ گے، اس کے ساتھ تعلق پیدا ہوگا، اس کے ساتھ محبت پیدا ہوگی۔

## ایک چیز بار بار کیوں؟

بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں ایک ہی بات کا بار بار تکرار ہو رہا ہے، بادلوں کا ذکر، بارشوں کا ذکر بار بار آرہا ہے، یاد رکھئے! یہ بار بار ذکر فضول نہیں آرہا ہے، بلکہ اس لئے آرہا ہے، تاکہ تم اس کو اپنے دلوں میں بساؤ، اور بسا کر اس کے ذریعہ تعلق مع اللہ پیدا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرو، جو ذات اس طرح میری پرورش کر رہی ہے، اور ساری کائنات کو میری خدمت میں لگایا ہوا ہے، میں اس ذات سے محبت نہ کروں؟ کیا میں اس ذات کی نافرمانی کروں؟ اس کی ناشکری کروں؟ یہ احساس دل میں پیدا ہونا چاہئے۔

## ایسے لوگ اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے

اگر یہ احساس پیدا ہوجائے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم نے کھلی آنکھوں سے اور کھلے کانوں سے یہ آیات پڑھی ہیں اور یہ آیت "اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا" آپ پر صادق آرہی ہے، ایسا نہ کرو کہ قرآنِ کریم کی طرف اشتیاق تو بہت ظاہر کر رہے ہو، اور اس کی تعظیم اور تکریم بھی کر رہے ہو، ہاتھوں پر بھی اُٹھا رہے ہو، اور سر پر بھی رکھ رہے ہو، جب دُلہن کو رخصت کر رہے ہو تو اس کے سائے میں کر رہے ہو، لیکن اندھے بہرے کی طرح اس پر گر رہے ہو، نہ اس کی طرف دھیان ہے، نہ فکر ہے، نہ احساس ہے، تم ایسے نہ بنو، اس لئے کہ "عباد الرحمن" وہ ہوتے ہیں جو اشتیاق کی وجہ سے آیاتِ قرآنی پر گرتے تو ہیں، لیکن اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے۔

## عقل والے کون؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تھے تو آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر یہ آیات پڑھا کرتے تھے۔ آسمان کی طرف نگاہ کیوں اُٹھاتے؟ یہ اس لئے کہ غور کرتے ہوئے یہ آیات پڑھیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ (۱)

"اولی الالباب" کون ہیں؟ عقل مند لوگ۔ اس لئے فرمایا کہ آسمان اور زمین کی تخلیق میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لئے۔ عقل والے کون ہیں؟

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ

عقل والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے بیٹھے یاد کرتے ہیں، یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں جو منظر نظر آرہا ہے، اس کے پیچھے اللہ نظر آرہا ہے، اور بیٹھے ہونے کی حالت میں جو منظر نظر آرہا ہے، اس کے پیچھے اللہ نظر آرہا ہے، اور زبان سے یہ کہتے ہیں کہ اے پروردگار! آپ نے یہ سارا نظام بے فائدہ پیدا نہیں کردیا۔ (۲)

## ہر چیز کے پیچھے اللہ کا جلوہ

"وعلی جنوبھم" اگر وہ لیٹے ہوئے ہوں تو بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں،

---

(۱) سورۃ آل عمران: آیت (۱۹۰)

(۲) صحیح البخاری ۱ / ۴۷ (۱۸۳)

یعنی ہر حال میں وہ اپنے پروردگار کو یاد رکھتے ہیں۔

وہ کہاں کا راہ رو ہے اُسے کیا ملے گی منزل
جسے ہر قدم پر ہر سو تو ہی تو نظر نہ آئے

جب بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوجاتا ہے تو اس کو ہر چیز کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نور نظر آتا ہے۔ ''احسان'' کی تعریف کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (١)

یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔

حالانکہ ہمارے اندر طاقت نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں، پھر کس طرح عبادت کریں؟ ارے اس طرح عبادت کرو کہ جو چیز بھی تمہیں سامنے نظر آرہی ہے، اس کے پیچھے ذرا غور کرو کہ کون ہے؟ تو پھر وہ عبادت ایسی ہوجائے گی جیسے کے تم اسے دیکھ رہے ہو۔

## مشق کرنے سے یہ چیز حاصل ہوجائے گی

مثلاً جب تم ہوائی جہاز کو اُڑتا ہوا دیکھتے ہو، اگر وہ مسافر طیارہ ہے تو اس کے اندر مسافر بیٹھے ہیں، اندر پائلٹ بھی موجود ہے، تو کیا تمہیں وہ مسافر نظر آرہے ہیں؟ کیا وہ پائلٹ نظر آرہا ہے؟ لیکن تمہیں اس جہاز کے اندر مسافروں کے ہونے کا ایسا یقین ہے جیسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا

(١) صحيح البخاری ١/ ١٩ (٥٠)

جلوہ ہر طرف اس طرح یقینی ہے، اگرچہ وہ تمہیں ان آنکھوں سے نظر نہیں آرہا ہے، لیکن جو چیز بھی تمہیں نظر آرہی ہے، اس کے پیچھے اسی کا جلوہ کارفرما ہے۔

لہٰذا تم اس کی مشق کرو کہ ہر چیز کے پیچھے تمہیں اللہ جل شانہ کا جلوہ نظر آئے، جب تم کھانا کھارہے ہو تو روٹی کے پیچھے نظر آرہا ہو، سالن کے پیچھے نظر آرہا ہو، جب تم کہیں باہر نکلے ہوئے ہو تو جو منظر بھی تمہیں نظر آرہا ہو، اس کے پیچھے تمہیں اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کی قدرت، اس کی حکمت ہی حکمت نظر آنی چاہئے۔ یہی معنیٰ ہیں اس آیت کے کہ بہرے اندھے بن کر قرآنِ کریم نہ پڑھا کرو، بلکہ سوچ سمجھ کر پڑھا کرو، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو نشانیاں بتائی ہیں، ان پر غور کیا کرو، اور جب انسان اس پر عمل کرتا رہے گا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کو ہر وقت اللہ ہی اللہ نظر آئے گا، بس! مشق کی ضرورت ہے کہ جب بھی کوئی واقعہ پیش آئے تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا، اس کی حکمت اور مصلحت کا نظارہ کرو، اور یہ کہو:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (۱)

جب کوئی اچھا نظارہ دیکھو تو یہ کہو، یہ سب واقعات، اور یہ سب نظارے تمہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل سے یہ سوچ بوجھ عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۱) سورۃ المؤمنون: آیت (١٤)

# دعا نمبر ۲۷ ''عباد الرحمٰن''

## گیارہواں حصہ

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا
وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۲۷ ''عباد الرحمٰن'' گیارہواں حصہ

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

الحمد للہ رب العالمین، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: گذشتہ کئی ہفتوں سے ''عباد الرحمٰن'' کی صفات کا بیان چل رہا ہے کہ ان کی کیا صفات ہیں؟ ان کی کیا خصلتیں ہیں؟ کیا ان کی عادتیں ہیں؟ کیا ان کا رویہ ہے؟ اور ان کا رویہ کیسا ہونا چاہئے؟ ان سب باتوں کا بیان چل رہا ہے، اللہ جل شانہ نے سورۂ فرقان کے آخر میں ان صفات کا بیان فرمایا ہے، اور اس کا عنوان ''عباد الرحمٰن'' مقرر فرمایا ہے، یعنی جو صفات آگے آنے والی ہیں وہ بندگی کا تقاضا ہے، یعنی جو اُن صفات کا حامل ہوگا وہ صحیح معنی میں رحمٰن کا بندہ ہوگا، ان صفات کا بیان سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں کیا گیا ہے۔

## ''عباد الرحمن'' کی ایک اور صفت

ان صفات میں سے بیشتر کا بیان الحمدللہ گزشتہ مجالس میں تفصیل سے ہوگیا، اب آگے ان کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○ (۱)

رحمن کے بندے وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں یا شوہروں ''ازواج'' کا لفظ دونوں کے لئے آتا ہے، اگر کہنے والا مرد ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ ''ہماری بیویوں میں'' اور اگر کہنے والی عورت ہو تو وہ یہ کہتی ہے کہ ''ہمارے شوہروں میں'' اور ہماری اولادوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما دیجئے۔ اور ہمیں متقیوں کا سردار، مقتداء اور امام بنا دیجئے۔

## اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ

اس سے اشارہ اس طرف ہو رہا ہے کہ اُوپر ''عباد الرحمن'' کی جتنی صفات بیان کی گئی ہیں، وہ بندے خود تو اپنے اندر یہ صفات رکھتے ہی ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ یہ صفات ہماری ازواج اور ذرّیات کی طرف بھی منتقل ہوں، چنانچہ وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہماری اولاد بھی صحیح معنیٰ میں مسلمان بنے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (۲)

---

(۱) سورۃ الفرقان: آیت (۷۴)

(۲) سورۃ المدثر: آیت (۱۲-۱۳)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو بھی آگ سے بچاؤ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''نار'' فرمایا کہ آگ سے بچاؤ۔

## لفظ ''نار'' سے ایک لطیف اشارہ

لفظ ''نار'' سے ایک بڑا لطیف اشارہ ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات ہم یہ کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تو اپنی اولاد کو بہت مرتبہ کہہ دیا، لیکن وہ اولاد مانتی ہی نہیں تو ہم کیا کریں؟ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تو کافر ہو گیا تھا، ہم نے بھی اولاد کو بہت نصیحت کر لی، لیکن نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا، اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ اپنی اولاد کو آگ سے بچاؤ، بتاؤ! اگر حقیقی آگ جل رہی ہو، اور تمہارا بچہ اس حقیقی آگ کی طرف بڑھ رہا ہو تو کیا تم اس بچے کو زبانی نصیحت کرنے پر اکتفاء کر لو گے کہ بھائی! یہ آگ بڑی خطرناک چیز ہے، اس کے قریب مت جانا! اور اس نصیحت کے باوجود وہ بچہ آگ کی طرف بڑھ رہا ہو تو کیا تم دور کھڑے ہو کر اس کو جاتا ہوا دیکھتے رہو گے؟ کوئی ماں باپ ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے بچے کو آگ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھے اور صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفاء کر لے، بلکہ ماں باپ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کو پکڑ کر آگ سے دور کر دیں گے۔

## تمہارے دل میں ایسی تڑپ ہونی چاہئے

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے دل میں اپنی اولاد کے بارے میں ایسی تڑپ ہونی چاہئے جیسی ایک چھوٹے بچے کو آگ میں کودنے سے

بچانے کے وقت ہوتی ہے، اس وقت بچے کو ڈانٹتے ہیں، نہ اس کو پھٹکارتے ہیں، بلکہ اس کو گود میں اُٹھا کر اس آگ سے دور کردیتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی بچہ آخرت کی آگ کی طرف بڑھ رہا ہو تو اس وقت ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ صرف زبان سے نصیحت کرنے پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ آگے بڑھ کر اس کو محبت سے، شفقت سے، پیار سے، جہنم کی آگ سے نکالیں، اور اگر ضرورت پیش آئے تو سختی بھی کریں۔ بہرحال! یہ معاملہ جس طرح دنیا کی آگ کا ہے، اسی طرح آخرت کی آگ کا ہے۔

## اپنی کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا

لہٰذا "عباد الرحمٰن" کی صفت یہ ہے کہ وہ صرف اپنی اصلاح کی فکر کر کے مطمئن نہیں ہوجاتے، بلکہ اپنی اولاد کی اصلاح اور اپنی ازواج کی اصلاح کی طرف اتنی ہی توجہ دیتے ہیں، جتنی اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ دلوں کا پلٹنا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس لئے وہ صرف اپنی کوششوں پر بھروسہ نہیں کرتے، بلکہ کوشش کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری ازواج کو اور ہماری اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے۔

## اولاد کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے

اس طرح بھی دعا کرسکتے تھے کہ ان کو "نیک" بنا دیجئے یا ان کو "متقی" بنا دیجئے، اس کے بجائے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ان کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک

بنادیجئے۔ ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' ایک ایسا لفظ ہے کہ اس میں ساری قسم کی خوبیاں آگئیں، اس لئے کہ ماں باپ کی آنکھ میں ٹھنڈک اولاد کی بہبود سے، اس کی بہتری سے، مثلاً ماں باپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ میرا بیٹا صحیح تعلیم حاصل کررہا ہے، پڑھنے میں اچھا جارہا ہے، اس کو دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک آجائے گی۔ ماں باپ دیکھ رہے ہیں کہ بیٹا نماز پڑھ رہا ہے، مسجد میں جارہا ہے، تو دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک آجائے گی یا بیٹے کو جس طرح خدمت کرنی چاہئے، اس طرح بیٹا خدمت اور اطاعت کررہا ہے، تو اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی یا اولاد کو دیکھا کہ وہ اچھی صحبت میں ہے اور بری صحبت سے بچے ہوئے ہیں تو ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک آئے گی۔

## مسرت اور نشاط کے سارے اسباب جمع ہیں

بہرحال! مسرت اور نشاط کے سارے اسباب اور اطمینان کے اسباب ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کے الفاظ میں موجود ہیں، دعا کے الفاظ یہ ہیں کہ اے میرے پروردگار! میری بیوی کو بھی میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادیجئے! میرے شوہر کو بھی میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادیجئے! میری اولاد کو بھی آنکھوں کی ٹھنڈک بنادیجئے۔

## اولاد کا آنکھوں کے سامنے ہونا بہتر ہے

اس دعا میں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اولاد جتنی آنکھوں کے سامنے ہو، اُتنا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ ٹھنڈک تو آنکھوں میں اس وقت پڑے گی جب

اولاد سامنے ہوگی، اگر اولاد امریکہ میں ہے اور سالہا سال تک ان کو دیکھنے کی نوبت نہیں آتی، چنانچہ آج لوگ فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا امریکہ میں پڑھ رہا ہے یا پڑھ رہا ہے یا ڈاکٹری کر رہا ہے، یا ملازمت کر رہا ہے اور اس کو وہاں پر بہت پیسے مل رہے ہیں، اب ماں باپ اسی پر خوش ہیں، لیکن ان ماں باپ سے پوچھو کہ بیٹے سے کبھی ملاقات ہوئی؟ تو پتہ چلتا ہے کہ سالہا سال سے ملاقات نہیں ہوئی، اس دعا میں اس طرف اشارہ ہے کہ ''اولاد'' ہونا ایک نعمت ہے، اور اس اولاد کا آنکھوں کے سامنے ہونا ایک مستقل نعمت ہے۔

## بیٹے کا آنکھوں کے سامنے ہونا مستقل نعمت ہے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ''ولید بن مغیرہ'' پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ''سورۂ مدثر'' میں فرمایا کہ:

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ [1]

کہ میں نے اس کو بڑی دولت دی پھیلی ہوئی اور بیٹے دیئے جو آنکھوں کے سامنے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ''بیٹا'' ہونا ایک نعمت ہے اور بیٹے کا آنکھوں کے سامنے ہونا دوسری مستقل نعمت ہے، اس لئے کہ اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک تو اس وقت بنے گی جب وہ آنکھوں کے سامنے ہوگی، لہٰذا حتی الامکان اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اولاد آنکھوں کے سامنے رہے اور اس کی تربیت ایسی ہو کہ اس کے کاموں کو دیکھ کر اور اس کی باتوں کو سن کر دل میں ٹھنڈک پڑے۔

---

(۱) سورۃ المدثر: آیت (۱۲-۱۳)

## ہمیں متقیوں کا امام بنا دیجئے

آگے فرمایا:

وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا

اور اے اللہ! ہمیں متقیوں کا امام بنا دیجئے۔

''امام'' سے مراد یہاں پر ''سردار'' اور ''ہیڈ آف فیملی''، یعنی ہم متقیوں کے سردار اور ہیڈ بن جائیں، اور یہ اس وقت ہوگا جب ہماری ازواج اور ہماری اولاد سب متقی ہوں، یہ ہمارے لئے ایک طرۂ امتیاز ہوگا اور ایک نعمت ہوگی۔ یہ دعا ایسی ہے کہ جب بندہ کثرت سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگے تو اولاد کی تربیت اور ان کی بہتری کے لئے اور میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کے لئے مانگے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں اور پھر واقعتاً اولاد اور ازواج آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے، بشرطیکہ مانگنے والا ہو۔

کوئی ناشناس ادا ہو تو کیا علاج
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

## التحیات کے بعد یہ دعا پڑھنے کا معمول

میں نے ایک بڑے عالم کے بارے میں سنا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ! میں ہر نماز میں التحیات میں درود شریف کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے، عام طور پر لوگ اس وقت ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة'' والی دعا پڑھتے ہیں، بعض لوگ ''اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا'' والی دعا پڑھتے ہیں،

لیکن میں نے ساری زندگی جب سے میرا نکاح ہوا، اس وقت سے میں درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھتا تھا:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میری ساری اولاد میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی، کیونکہ میری کوئی نماز اس دعا سے خالی نہیں تھی۔

## اللہ کے دربار سے رخصت ہونے کا وقت

نماز کے آخری تشہد میں درود شریف کے بعد جو دعا مانگتے ہیں، اس میں عام طور پر ہم صرف وہ دعا مانگتے ہیں جو نماز کی کتابوں میں لکھی ہوتی ہیں، انہی پر اکتفاء کرتے ہیں جیسے "ربنا آتنا فی الدنیا ... یا رب اجعلنی مقیم الصلاۃ... یا رب انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا"۔ لیکن درود شریف کے بعد دعا کرنے کا موقع ایسا ہے کہ اس میں کوئی ایک دعا منقول نہیں کہ ہمیشہ اسی کو مانگنا ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ نماز کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی توفیق دی اور جب قیام بھی ہوگیا، رکوع بھی ہوگیا، سجدہ بھی ہوگیا، قعدہ بھی ہوگیا، اب جب اللہ تعالیٰ کے دربار سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب تم یہاں سے جارہے ہو، لہٰذا ہم سے کچھ مانگ لو۔

## سلام سے پہلے اولاد کے لئے دعا

جیسے آپ کسی بادشاہ کے دربار میں جائیں اور سلام دعا کرنے کے بعد اور ملاقات کے بعد وہ بادشاہ کہے کہ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کروں؟ اب اس وقت وہ آدمی بادشاہ سے بہتر سے بہتر چیز مانگے گا، اب ہمیں تو پتہ ہی نہیں کہ ہم نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں؟ کیا مانگ رہے ہیں؟ پوری ''التحیات'' پڑھ لی، لیکن پتہ ہی نہ چلا کہ کیا ہوگا؟ اور اس کے بعد درود شریف پڑھ لیا، اب ''سلام'' رہ گیا، اس کے بعد رخصتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ارے بندے! یہی وقت تو تیرے مانگنے کا ہے، اب تو مجھ سے کچھ مانگ لے، اب اس وقت یہ ضروری نہیں کہ بس ایک ہی رٹی ہوئی دعا مانگ لو، قرآنی دعائیں مانگ لو، اور احادیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی دعائیں منقول ہیں، وہ مانگ لو اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصتی کا تحفہ ہوگا، اسی لئے نماز کے آخر میں سلام سے پہلے اپنی اولاد کے لئے یہ دعا ضرور مانگنی چاہیے۔

## ان کو جنت کے بالاخانے دیئے جائیں گے

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اولاد کے حق میں والدین کی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے، اس لئے کبھی انسان کو مایوس ہوکر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، جب وقت آئے گا تو ان شاء اللہ یہ دعا قبول ہوجائے گی، بہرحال! ''عباد الرحمٰن'' کے تمام اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا (۱)

یعنی ان لوگوں کو اعمال کے بدلے جنت کے بالاخانے دیئے جائیں گے۔

''غرفة'' بالاخانے کو کہا جاتا ہے، یعنی وہ کمرہ جو اُوپر بنا ہوا ہو، اور وہاں سے سب جگہ کا نظارہ ہوسکتا ہو، ان کو انعام کے طور پر ''غرفة'' دیا جائے گا، وہاں سے پوری جنت کے نظارے سامنے ہوں گے، وہاں کے باغات، وہاں کی نہریں، دریا ہیں، کیوں یہ انعام دیا جائے گا؟ اس لئے کہ انہوں نے صبر سے کام لیا۔

## ''صبر'' کامیابی کی کنجی ہے

بار بار میں یہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ ''صبر'' درحقیقت کامیابی کی کنجی ہے، ''صبر'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان مشقت برداشت کرے، چاہے فرائض کی ادائیگی میں کرنی پڑے، چاہے معصیت سے رکنے میں کرنی پڑے، مثلاً کسی گناہ کا تقاضا ہورہا ہے اور اسباب میسر ہیں، اس وقت آدمی اپنے اُوپر زبردستی کرتا ہے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، اب دل مچل رہا ہے، آرزو پیدا ہورہی ہے، اسباب میسر ہیں، لیکن میں یہ کام نہیں کروں گا، اور اب یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اُٹھے گی، یہ زبان غلط بات نہیں نکالے گی، کوئی جھوٹ نہیں بولے گی، غیبت نہیں نکالے گی، بس اسی کا نام ''صبر'' ہے۔

---

(۱) سورة الفرقان: آیت (۷۵)

## ”صبر“ کے وسیع معنیٰ ومفہوم

آج کل ”صبر“ عام طور پر صرف اس کو کہتے ہیں کہ اگر کسی کا انتقال ہوگیا تو اس پر آپ نے کوئی واویلا نہیں کیا، لیکن قرآنِ کریم کی اصطلاح میں صبر عام ہیں، کسی کے انتقال پر واویلا نہ کرنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہنا بھی اس صبر کے اندر داخل ہے، لیکن اگر طاعات کی ادائیگی میں اگر مشقت ہورہی ہے، یا سستی ہورہی ہے، تو اس کا مقابلہ کرنا صبر ہے، آج بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ عبادت کی ادائیگی میں سستی ہوجاتی ہے، اس کا کوئی علاج بتادیجئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”سستی“ کا کوئی علاج سوائے ”چستی“ کے کوئی اور نہیں، یعنی اپنے اُوپر زبردستی کرکے اس سستی کو مٹاؤ، اگر یہ نہیں کروگے تو ساری زندگی روتے رہوگے کہ سستی ہوگئی اور کاہلی ہوگئی، کب تک کاہلی اور سستی ہوگی؟

## کیا اس وقت سستی کروگے؟

اگر تمہارے پاس صدرِ مملکت کا یہ پیغام آجائے کہ تمہیں ایک لاکھ روپے بطورِ انعام دیئے جارہے ہیں، تم فوراً فلاں جگہ پہنچ جاؤ، بتاؤ کہ کیا اس وقت وہاں جانے میں سستی ہوگی، اگر اس وقت تمہیں نیند آرہی ہوگی یا سستی آرہی ہوگی تو کیا علاج کروگے؟ ”چستی“ یہ سوچو کہ وہاں تو جانا ہی ہے، چاہے جتنی بھی سستی ہورہی ہو، بلکہ سب سستی کو ختم کرکے بھاگ کر وہاں جاؤگے اور انعام وصول کرلوگے۔ لہٰذا طاعات کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں بٹ رہی ہیں، اس میں اگر سستی ہورہی ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس سستی کا مقابلہ کرو اور اس کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ اور اپنے اُوپر زبردستی کرو، اسی طرح گناہ کرنے کو

دل چاہ رہا ہے تو اس کا مقابلہ کرو، اس خواہش کا مقابلہ کرو، اور زبردستی کرو، اور اپنے آپ کو اس گناہ سے روک لو، یہ ہے ''صبر''، اور جنت کا سارا انعام ''صبر'' پر ہے، اس لئے فرمایا ''بما صبروا''۔ اور پھر صبر کے بعد جنت میں پہنچو گے تو وہاں پر تمہارا استقبال کیا جائے گا۔

## اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہوگی

آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب بات فرمادی، وہ یہ کہ:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ○ [1]

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ساری دنیا کے لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہوگی، تم دوزخ میں جاتے ہو یا گناہ کے اعمال کرتے ہو۔ اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی، اگر تم اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے مانگنا نہیں چاہتے تو اللہ میاں کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو پرواہ اس وقت ہوگی جب تم اللہ سے مانگو گے۔ اگر تمہارا مانگنا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرواہ بھی نہ ہوتی۔ لہٰذا اگر تم صحیح معنی میں مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو اپنا شعار بناؤ۔ ''پکارنے'' میں سب کچھ آگیا، اس میں نماز بھی آگئی، اس میں عبادات اور طاعات بھی آگئیں، اس میں ذکر بھی آگیا، اس میں دعائیں بھی آگئیں۔

---

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (۴۵-۴۶)

## نجات کا راستہ

مطلب یہ ہے کہ اگر تم دعا نہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرواہ بھی نہ ہوتی کہ تم کہاں جارہے ہو؟ لہٰذا تمہاری نجات کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا نہ چھوڑو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط کرو، اور اس کی عبادت وطاعت کی طرف دھیان کرو۔

آگے کافروں سے خطاب ہے کہ:

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا

بجائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کو مان کر اس سے مانگتے، اس کے بجائے تم نے میرے پیغمبر کو جھٹلادیا اور میری کتاب کو جھٹلادیا اور اب یہ تمہارا جھٹلانا تمہارے گلے پڑ جائے گا، یعنی اس کا برا انجام تم دنیا میں دیکھو گے اور آخرت میں بھی دیکھو گے۔

## اللہ تعالیٰ سے ہر وقت مانگتے رہو

اس میں ہمارے لئے یہ پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تکذیب سے محفوظ رکھا، اور ہمیں جھٹلانے سے بچالیا، اور ایمان عطا فرمادیا، اب ہمارے لئے پیغام یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارو گے تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرواہ بھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا تم ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہا کرو، اپنی چھوٹی بڑی ہر ضرورت اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور مانگتے رہنے کی عادت ڈالو، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے مانگتے رہو، اور ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ سے مانگو، پھر ان شاء اللہ تم اللہ کے قریب ہوجاؤ گے اور

اس کے نتیجے میں تمہاری دنیا اور آخرت بہتر ہو جائے گی۔

## منگتے بن جاؤ

بہرحال! آخرِ سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا کہ مؤمن کے لئے سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور مانگتے رہنا''۔ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''منگتے بن جاؤ''۔ ''منگتا'' اس سائل اور فقیر کو کہتے ہیں جو ہر وقت مانگتا رہے، اور جس کو ہر وقت مانگنے کی عادت پڑی ہوئی ہے، دیکھئے! دنیا والوں سے مانگنا تو عار اور عیب ہے، لیکن اللہ کے سامنے ''منگتا'' بننا یہ بہت بڑا مقام ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ چیز عطا فرمادے، اور یہ ساری عباد الرحمن کی صفات جو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اندر بیان فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اُتار دے اور ہمارے عمل کو اس کے مطابق ڈھال دے، اور اس پر استقامت عطا فرما دے اور یہ صفات ہمارا ''حال'' بن جائے، اس کے بعد ہمارا ''مقام'' بن جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

## دعا نمبر ۲۸

رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ
عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ
وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصّٰلِحِينَ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دُعا  دعا نمبر ۲۸

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! کافی عرصہ سے ''مناجاتِ مقبول'' میں جو قرآنی دعائیں ہیں، ان کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، اسی کے درمیان میں ''عباد الرحمٰن'' کی بھی دو دعائیں آگئی تھیں، ان دو دعاؤں کی تشریح کے دوران ''عباد الرحمٰن'' کی جو صفات اللہ تعالیٰ نے ''سورۃ الفرقان'' میں بیان فرمائی ہیں، ان صفات کا تفصیلی بیان ''الحمدللہ'' مکمل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان صفات کو ہمارے اندر عملاً پیدا فرمادے، آمین۔ اور اصل مقصود یہی ہے۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

"عباد الرحمن" کی دعاؤں کے بعد "مناجاتِ مقبول" میں جو دعا ہے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے، وہ یہ ہے:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (۱)

یہ بڑی عجیب اور جامع دعا ہے۔ اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی حکومت عطا فرمائی تھی جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملی اور نہ اُن کے بعد کسی کو ملی، اور حکومت کے لئے انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ:

رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (۲)

یا اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ ملے۔

آپ پیغمبر تھے، آپ کی دعا قبول ہوئی، اور ایسی سلطنت عطا ہوئی جس کی نظیر نہ پہلے کبھی ہوئی تھی اور نہ بعد میں کبھی ہوئی۔

## ہر چیز پر آپ کی حکومت

آپ کی یہ حکومت انسانوں پر بھی تھی، جنات پر بھی تھی، جانوروں پر بھی تھی، پرندوں پر بھی تھی، ہر چیز پر تھی، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں فرمایا ہے:

---

(۱) سورة الأحزاب: آیت (۴۵-۴۶)

(۲) سورة ص: آیت (۳۵)

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (۱)

کہ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سارے لشکروں کو جمع فرمادیا، وہ لشکر کچھ تو انسانوں پر مشتمل تھے، کچھ جنات پر مشتمل تھے، کچھ پرندوں پر مشتمل تھے، گویا کہ اس وقت ان کے زیرِ حکومت جتنی مخلوقات تھیں، ان سب کی نمائندگی اس لشکر میں موجود تھی۔

## پورا لشکر آپ کے قابو میں تھا

اس لشکر کی خاص بات جو قرآنِ کریم نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ اتنی مختلف قسم کی مخلوقات کا لشکر ہے، جس میں انسان بھی ہیں، جنات بھی ہیں، پرندے بھی ہیں، اور بظاہر دوسرے جانور بھی ہوں گے، جو پرندوں کے علاوہ ہیں، اب اتنا بڑا مجمع جمع ہوگیا اور ان میں سے ہر ایک کی خلقت مختلف ہیں، عادتیں اور اَطوار مختلف ہیں، ان سب کو اس طرح کنٹرول کرنا کہ ان کے اندر بدنظمی پیدا نہ ہو، بلکہ ترتیب سے اور کنٹرول میں رہیں، یہ کوئی آسان بات نہیں تھی، قرآنِ کریم نے فرمایا:

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ

یعنی ان سب کو قابو کیا ہوا تھا۔

یعنی یہ نہیں تھا کہ کوئی انتشار پھیل جائے یا کوئی بھگدڑ مچ جائے، ایسا نہیں تھا، بلکہ ان کو اس بدنظمی سے روکا گیا تھا اور وہ سب کنٹرول میں تھے۔

---

(۱) سورة الأحزاب: آیت (۴۵-۴۶)

## ہُدہُد کا ملکہ بلقیس کی خبر لانا

اسی دوران ''ہدہد'' پرندہ غائب ہوگیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب دیکھا کہ سارے پرندے موجود ہیں، ''ہدہد'' نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ جب وہ آئے گا تو چونکہ وہ بغیر اجازت کے چلا گیا ہے، لہٰذا میں اس کو سزا بھی دوں گا، لیکن کچھ دیر بعد وہ یہ خبر لے کر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ساری دنیا کی حکومت دی ہے، ایسی حکومت عطا فرمائی ہے، جس میں انسان بھی ہیں اور جنات بھی ہیں، پرندے بھی ہیں اور جانور بھی ہیں، لیکن میں ''یمن'' کے علاقے میں چلا گیا تھا، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک عورت کی حکومت ہے اور اس نے اپنی سلطنت قائم کی ہوئی ہے، اور وہ مشرک بھی ہے، بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے وہ سورج کی عبادت کرتی ہے۔

## ملکہ بلقیس کے نام خط

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ تمہاری سلطنت کے درمیان کوئی اور ایسی حکومت نہیں ہونی چاہئے جو کفر والی ہو، اس لئے ''ہدہد'' نے کہا کہ میں جو غائب تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ میں یہ خبر لے کر آیا ہوں کہ ایسی سلطنت ''یمن'' میں موجود ہے، جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو پتہ چلا تو انہوں نے ''ملکہ بلقیس'' کے نام ایک خط لکھا، وہ مختصر خط تھا، لیکن انتہائی بلیغ خط تھا، وہ یہ کہ:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَاۡتُوۡنِیۡ

مُسْلِمِيْنَ ۝ [1]

وہ خط ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کیا جائے۔

## انتہائی مختصر خط

آگے خط کا مضمون یہ تھا کہ میں تمہیں یہ پیغام دیتا ہوں کہ میرے مقابلے میں زور نہ دکھانا۔ یعنی کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جو میری سلطنت کے مخالف ہو اور ہمارے پاس تابعدار بن کر آجاؤ، حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو ترجمہ قرآن ہے، وہ عجیب وغریب انداز کا ہے، چنانچہ اس ''خط'' کا ترجمہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کیا ہے کہ اس خط کی شوکت اس ترجمہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

نہ زور کرو میرے مقابل اور چلے آؤ فرمانبردار ہوکر۔

بس! اتنا مختصر خط تھا۔

## ملکہ بلقیس کا اپنے درباریوں سے مشورہ

جب وہ خط ''ملکہ بلقیس'' کو پہنچتا ہے تو وہ اپنے سارے درباریوں کو جمع کرتی ہے اور ان سے کہتی ہے کہ میرے پاس یہ خط آیا ہے، اب بتاؤ کیا کریں؟ کیا ان سے مقابلہ کریں یا ان سے جنگ کریں؟ یا جیسا وہ کہہ رہے ہیں، ان کے

---

(۱) سورۃ النمل: آیت (۳۰- ۳۱)

تابعدار ہوکر چلے جائیں، درباریوں نے کہا: جہاں تک ہماری طاقت کا تعلق ہے تو ہم طاقتور لوگ ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کوئی ہمارے مقابل آئے تو ہم پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں، باقی فیصلہ آپ کا ہے، آپ چاہیں تو ہم لڑیں گے اور ڈٹ کر لڑیں گے، اور اگر آپ چاہیں تو تابعدار ہوکر ان کے پاس چلے جائیں، جیسے وہ کہہ رہے ہیں۔

## ملکہ بلقیس کی سمجھداری

ملکہ بڑی سمجھدار تھی، اس نے کہا کہ یہ بڑے بادشاہ ہیں اور بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ:

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (۱)

یعنی بادشاہوں کا طریقہ یہ چلا آتا ہے کہ جب وہ کسی بستی کو فتح کرتے ہیں، اس میں فساد مچتا ہے اور وہاں کے لوگوں کو اپنی عزت بچانی مشکل ہوجاتی ہے اور وہ ان کو ذلیل کرکے چھوڑتے ہیں، اگر ہم نے لڑنے کا فیصلہ کیا تو یہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کچھ بات چیت سے معاملہ حل ہوجائے، لہٰذا میں ان کے پاس تحفہ بھیجتی ہوں، دیکھتے ہیں کہ اس تحفہ کے جواب میں کیا کہتے ہیں، اور تحفہ سے ان کا دل نرم پڑتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفہ بھیج دیا۔

---

(۱) سورۃ النمل: آیت (۳۴)

## حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جب تحفہ پہنچا تو آپ نے فرمایا:

اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ ○ (۱)

کیا تم مال کے ذریعہ میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ اور مال کے ذریعہ مجھے خریدنا چاہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مال مجھے دیا ہے، وہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو اب میں تمہارے پاس ایسا لشکر بھیجوں گا کہ تمہیں اس لشکر سے مقابلے کی طاقت نہیں ہوگی، لہٰذا بس! تم تابعدار بن کر آجاؤ۔

## ہمارا مقصد ملک گیری نہیں

لیکن ساتھ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ تابعدار بن کر یہاں آئیں، ان پر ایک بات واضح کردی جائے، وہ یہ کہ ہم جو تم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم ہمارے تابعدار بن کر آجاؤ اور ہمارے مقابلے میں زور نہ کرو، یہ عام بادشاہوں کی طرح کی بات نہیں ہے، وہ بادشاہ جو ملک گیری کی خاطر لڑتے ہیں، ان کے پیشِ نظر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا کہ ہمارے اقتدار میں اور توسیع ہوجائے، اور ہمارا اقتدار اور بڑھ جائے، لہٰذا ہم آپ سے تابعداری کا مطالبہ کررہے ہیں، وہ محض زمین حاصل کرنے کے لئے اور اپنے

---

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (۴۵- ۴۶)

اقتدار کو بڑھانے کے لیے، اپنی شان وشوکت جتانے کے لئے ایسا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ہم مامور من اللہ ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بحیثیتِ پیغمبر اور بحیثیتِ نبی کے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس زمین پر اللہ کے سوا کسی کی بالادستی قبول نہ کریں۔

## ملکہ کو معجزہ دکھانے کا ارادہ

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کا عملی مظاہرہ چاہتے تھے کہ وہ بلقیس اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ یہ جو کچھ عمل ہو رہا ہے، یہ کسی ذاتی خواہش کی بنیاد پر نہیں ہو رہا ہے اور کسی سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہو رہا ہے، لہٰذا اس کو ایک معجزہ دکھانا چاہئے، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کے لوگوں سے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ قبل اس کے ملکہ اور اس کے لوگ میرے پاس آئیں، وہ تخت جس پر وہ بیٹھتی ہے، وہ میرے سامنے آجائے، تاکہ جب وہ یہاں آئے تو اس کا تخت پہلے سے یہاں موجود ہو، جس سے وہ سمجھ جائے کہ یہ سب کچھ کسی ظاہری سیاسی اقتدار کی خاطر نہیں ہو رہا ہے، بلکہ یہ سب اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے، ورنہ یہ تخت یہاں کیسے موجود ہوتا؟

## مجلس برخاست ہونے سے پہلے تخت لے آؤں گا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں انسان بھی ہوتے تھے اور جنات بھی ہوتے تھے، ان سے پوچھا کہ کون ہے جو اس کا تخت اس کے یہاں پہنچنے سے

پہلے یہاں لے آئے؟ ایک جن جو بڑا قوی تھا، اس نے کہا کہ میں اس کا تخت آپ کے مجلس سے اُٹھنے سے پہلے یہاں لاکر رکھ دوں گا:

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ (۱)

یہ تو جن تھا، اس جن نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ بات کہی تھی۔

## پلک جھپکنے سے پہلے تخت کا لانا

لیکن اس دربار میں کوئی اللہ والے بھی تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے کتاب کا علم عطا کیا تھا، بہت سے مفسرین (۲) کا کہنا یہ ہے کہ یہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، انہوں نے کہا کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ میں مجلس ختم ہونے سے پہلے وہ تخت لے آؤں گا، میں تو پلک جھپکنے جتنے وقت میں ہی وہ تخت لے آؤں گا۔ اب کتاب کے علم سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ ''اسمِ اعظم'' تھا یا کچھ اور تھا، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا، اس نے کہا کہ آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت آپ کے پاس آجائے گا:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ (۳)

---

(۱) سورة النمل: آیت (۳۹)

(۲) التفسیر الکبیر للرازی ٤ / ٥٥٦

(۳) سورة النمل: آیت (٤٠)

چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی پلک جھپکی اور بلقیس کا تخت ان کے سامنے آموجود ہوا، یہ بطورِ معجزہ ہوا۔

## تخت سامنے آنے پر آپ کی دعا

اور جب تخت سامنے آگیا تو پھر آپ نے یہ دوسری دعا فرمائی:

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ [1]

یہ میرے پروردگار نے میرے اُوپر فضل فرمایا ہے کہ مجھے اتنا بڑا اعزاز عطا فرمایا کہ مخالف دشمن کا تخت میرے سامنے لاکر رکھا گیا، یہ نعمت صرف اللہ کے فضل سے ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے اور یہ فضل بھی میری آزمائش کے لئے ہے کہ میں اس نعمت پر شکر کروں گا، یا ناشکری کروں گا، آگے فرمایا کہ جو شخص شکر کرتا ہے، وہ خود اپنے فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو تمہارے شکر کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے شکر کرنے سے بے نیاز ہیں، اگر ساری مخلوق ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی رہے تو اس کی عظمت اور جلال میں اور اس کی کبریائی میں حبہ برابر کمی نہیں آئے گی، لہٰذا جو شکر کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے۔

---

(۱) سورۃ النمل: آیت (۴۰)

## شیشوں سے مزین فرش مثل تالاب

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ (۱)

اور جو شخص ناشکری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت بے نیاز ہیں، تم اس کی ناشکری کرتے رہو، اس کی عظمت اور جلال میں حبہ برابر کمی نہیں ہوتی، وہ خود ''غنی'' ہے اور ''کریم'' ہے، بہرحال! حضرت سلیمان علیہ السلام کی پہلی دعا یہ تھی کہ یا اللہ! مجھے شکر گزار بنا لیجئے اور یہاں جب اتنا بڑا تخت سامنے لا کر رکھا گیا اور یہ معجزہ سامنے آ گیا۔ چنانچہ جب ملکہ بلقیس وہاں آئی تو محل دیکھ کر ہی اس کے پسینے چھوٹ گئے، اس محل کا فرش شیشوں سے بنا ہوا تھا، جب وہ آئی تو اس کو ایسا لگا جیسا کہ وہ پانی کا تالاب ہے، چنانچہ اس نے اپنے پائنچے اُوپر کر لئے، تا کہ وہ پانی میں گیلے نہ ہو جائیں، اس لئے کہ اس کے اندر سے گزر کر جانا تھا، اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ یہ تالاب نہیں ہے، بلکہ شیشوں سے مزین کیا ہوا فرش ہے۔

## ملکہ بلقیس اسلام لے آئی

جب تخت دیکھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا:

أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ (۲)

تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا کہ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ بعینہٖ وہی

---

(۱) سورة الأحزاب: آیت (٤٥ - ٤٦)

(۲) سورة النمل: آیت (٤٢)

ہے، جب تخت کے یہاں پہنچنے کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو پتہ چل گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو کچھ کہہ رہے تھے، وہ ملک گیری کی خواہش کی وجہ سے نہیں کہہ رہے تھے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فضل تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی تھی، اور یہ معجزہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، چنانچہ اس نے اس وقت کہا:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (۱)

اے میرے پروردگار! اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا، تیرے ساتھ شرک کرکے اور اپنی سلطنت شرک پر جما کر بڑا ظلم کیا، اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اپنے آپ کو ''ربّ العٰلمین'' کا مکمل فرمانبردار بناتی ہوں۔ اس طرح وہ ''اسلام'' لے آئی۔

## اس دعا کا موقع

ایک مرتبہ آپ اپنا لشکر لے کر نکلے تو ایک چیونٹیوں کی وادی تھی، جہاں چیونٹیاں ہی چیونٹیاں تھیں، جو چونٹیوں کی سردار تھی، وہ باہر نکل کر کہنے لگی:

یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (۲)

(۱) سورۃ النمل: آیت (۴۴)
(۲) سورۃ النمل: آیت (۱۸)

اے چیونٹیو! تم اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔ اس موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (1)

## اس دعا کا ترجمہ

اے میرے پروردگار! مجھے اس بات پر اُکسا دیجئے کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے "اوزعنی" کا لفظ فرمایا۔ ایک تو یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کا شکر ادا کروں۔ اور شکر ادا کرنے کی توفیق تو ایک مرتبہ بھی ہو سکتی ہے، مثلاً ایک نعمت سامنے آئی، اللہ تعالیٰ نے اس نعمت پر شکر کی توفیق عطا کر دی، اور آپ نے شکر ادا کر دیا، لیکن "اوزعنی" کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! مجھے اس کا چسکہ لگا دیجئے اور مجھے اس کا عادی بنا دیجئے، پابند بنا دیجئے اور میرے دل میں اس کی رغبت پیدا کر دیجئے کہ میں آپ کی نعمت کا شکر ادا کروں۔ اس کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ بات صرف اتنی نہیں کہ بس ایک مرتبہ زبان سے "الحمدللہ" کہہ دیا اور شکر ادا کر دیا۔

(۱) سورۃ النمل: آیت (۱۹)

## ہر وقت شکر ادا کرنے کا چسکہ لگالو

بندے کا کام یہ ہو کہ اس کو ''شکر'' کا چسکہ لگا ہوا ہو، جو نعمت بھی حاصل ہو، چاہے وہ نعمت چھوٹی ہو یا بڑی ہو، اس کو اس بات کا شوق ہو کہ میں اس کا شکر ادا کروں۔ ''اوزعنی'' کا ٹھیٹھ ترجمہ کرنا بھی آسان نہیں ہے، اس کے معنی کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی کو کنٹرول کرلیا، مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے اپنے کنٹرول میں لے لیجئے، اس کام کیلئے کہ میں آپ کا شکر ادا کرتا رہوں، اور مجھے چسکہ لگادیجئے کہ میں ہر وقت آپ کا شکر ادا کرتا رہوں، حضرت سلیمان علیہ السلام یہ دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس لئے کہ کہیں اس شان وشوکت کو دیکھ کر، اس اقتدار کو دیکھ کر کہیں میرے دل میں کوئی بڑائی پیدا ہوجائے کہ میں اتنا بڑا بادشاہ ہوں، اس کے بجائے مجھے آپ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا چسکہ لگا ہوا ہو، ان نعمتوں پر جو آپ نے مجھے عطا فرمائیں اور میرے والدین کو عطا فرمائیں۔

## شکر ادا کرنے والا تکبر سے دور ہوگا

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ [1]

یعنی وہ شخص جو صبر اور شکر کا عادی ہو، یعنی ''شکر'' یہ نہیں کہ صرف ایک مرتبہ زبان سے شکر ادا کردیا کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، ''الحمد للہ'' بلکہ ہر وقت دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار رہے، اور یہ چسکا لگا ہوا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

(۱) سورۃ لقمان: آیت (۳۱)

کروں، اور جتنا بندہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، اتنا ہی وہ ''تکبر'' سے دور ہوگا، ''عجب'' سے دور ہوگا، ''خودپسندی'' سے دور ہوگا، ''شیخی'' مارنے سے دور ہوگا، اس لئے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا کہ مجھے یہ ساری نعمت حاصل ہو، اور نہ میری طاقت میں تھا کہ میں یہ نعمت حاصل کر لیتا، بلکہ جو کچھ مجھے ملا ہے، وہ بارگاہِ عالی کی طرف سے ملا ہے، لہٰذا میں تو شکر ہی ادا کرتا رہوں گا۔

## شکر کی رَٹ لگایا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شکر کی رٹ لگایا کرو، دعا کی بھی، استغفار کی، اور شکر کی رٹ لگایا کرو، رٹ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، ہر وقت یہ تصور میں لاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اپنی آنکھیں دیکھو، اپنے کان دیکھو، اپنی ناک دیکھو، اپنی زبان دیکھو، اپنے دانت دیکھو، اپنے ہاتھ دیکھو، اپنے پاؤں دیکھو، ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ایک کائنات ہے، ان نعمتوں کا تصور کرو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو اور شکر ادا کرنے والے بن جاؤ۔

## عملِ صالح کی توفیق عطا فرما

حضرت سلیمان علیہ السلام یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے میرے پروردگار! یہ چیونٹیاں تک میرے اقتدار کا گن گا رہی ہیں، اور یہ ساری مخلوقات میرے اقتدار سے مرعوب ہیں، یہ سب نعمتیں اس بات کا تقاضا کر رہی ہیں کہ میں ان نعمتوں پر

آپ کا شکر ادا کروں، جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں، اور شکر صرف زبان سے ادا نہ کروں کہ زبان سے ''الحمدللہ'' کہتا رہوں اور عملاً میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہوں۔اس لئے دعا فرمائی کہ'' وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ ''یعنی شکر زبان سے بھی ہو اور عمل سے بھی ہو کہ میں جو کام کروں، نیک صالح کام کروں، ''اَعْمَلَ صَالِحًا'' کے اندر پوری شریعت آگئی، ساری عبادات، ساری طاعات، سارے اچھے معاملات، سارے اچھے اخلاق، سارے اچھے آداب اس میں داخل ہو گئے۔

## نیک عمل اللہ کا پسندیدہ بھی ہونا چاہئے

اور نیک عمل بھی کیسا؟ '' تَرْضٰهُ '' ایسا نیک عمل جو آپ کو پسند ہو، یہ بڑا معنی خیز جملہ ہے، اس لئے کہ بعض اوقات انسان اپنی طرف سے گھڑ لیتا ہے کہ اس وقت میرے لئے یہ عمل اچھا ہے، اگرچہ وہ عمل صالح ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہوتی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی پسند نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو اتنے بڑے صحابی تھے، انہوں نے یہ عہد کر لیا کہ میں روزانہ روزہ رکھا کروں گا، اور ساری رات جاگ کر عبادت کیا کروں گا، بتایئے! عمل صالح تھا یا غیر صالح تھا؟ صالح تھا، نیک عمل تھا، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم ہر روز روزہ رکھتے ہو، اور ساری رات جاگتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو، اس لئے کہ:

اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ

حَقًّا وإنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا. [1]

تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمانوں کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، لہٰذا روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو اور تہجد بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔ یہ جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ روزانہ روزے رکھتے ہو، اور ساری رات جاگتے ہو، یہ تمہارے نفس کے حق کے خلاف ہے، تمہاری آنکھ کے حق کے خلاف ہے، تمہاری بیوی کے حق کے خلاف ہے، لہٰذا اس طرح مت کرو۔

## وقت کا تقاضا دیکھ کر عمل کرو

اب دیکھئے! ان کا عملِ صالح تو تھا، مگر اللہ کو پسند نہیں تھا، اللہ کو عمل پسند اسی وقت ہوتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس امر کا مطالبہ ہو، اس وقت وہ کام کرے، یہ نہیں کہ اپنا شوق پورا کرنے کے لئے نیک عمل کر رہا ہے، مثلاً نوافل پڑھنے کا شوق ہوگیا، اب ہر وقت نوافل پڑھ رہا ہے، اور بیوی بچے بھوکے مر رہے ہیں، یہ بظاہر عملِ صالح تو ہے لیکن اللہ کو پسند نہیں، یا مثلاً ماں باپ بیمار پڑے ہیں، ان کو آپ کی خدمت کی ضرورت ہے، اور آپ نے کہا کہ میں تو فلاں کا بیان سننے جا رہا ہوں اور ان کا بیان سن کر دین کی باتیں سیکھوں گا، ارے بھائی! تمہارے والدین بیمار پڑے ہیں، ان کی خدمت سے زیادہ بڑی عبادت تمہارے لئے کوئی اور نہیں ہے، لہٰذا تمہارا بیان سننے کے لئے جانا "عملِ صالح" تو ہے، لیکن "ترضاہ" نہیں، اس لئے کہ وہ اللہ کو پسند نہیں۔

(۱) صحیح البخاری ۳/ ۳۹ (۱۹۷۵)

## اس دعا میں ہر چیز کی رعایت

لہٰذا دعا میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہر چیز کا خیال رکھا، اور فرمایا کہ یا اللہ! مجھے شکر گزار بنایئے، اور صرف زبانی نہیں، بلکہ عملی شکر گزار بنایئے کہ میں آپ کی طاعت میں، عبادت میں لگا رہوں، اور آپ کی نافرمانی سے بچوں، اور نیک کام کروں، اور وہ نیک کام کروں جو آپ کو پسند ہو، اللہ تعالیٰ سے اس چیز کو مانگنا چاہئے کہ اے اللہ! عمل صالح وہ ہو جو آپ کو پسند ہو، جو عمل اللہ کو پسند نہیں، وہ کیا عملِ صالح ہوا؟ بس وہ عمل تم اپنے شوق سے کر رہے ہو، مثلاً ہمیں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوگیا، ہمیں تبلیغ کا شوق ہوگیا، بیان سننے کا شوق ہوگیا، جہاد میں جانے کا شوق ہوگیا، نفلی نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا، یاد رکھئے! شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جس وقت میں جو مطالبہ ہے، اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام "دین" ہے، اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا میں فرمایا:

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ

ایسا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمایئے جو نیک بھی ہو، اور آپ اس کو پسند کرتے ہوں۔

## مجھے نیک بندوں میں شامل فرمالیجئے

آگے فرمایا:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ

اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیجئے۔

یعنی میری منتہاءِ معراج یہ ہے، یہ سلطنت، یہ دولت، یہ عیش، یہ آرام، یہ اقتدار، ان کی کچھ حقیقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا بندہ بن جاؤں، بادشاہ بننے میں کوئی فضیلت نہیں۔ اقتدار حاصل ہونے میں کوئی فضیلت نہیں، فضیلت اس میں ہے کہ میں آپ کا بندہ بن جاؤں، اس لئے یہ دعا فرما رہے ہیں کہ "اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیجئے۔" اور یہ دعا اس وقت فرمائی جب آپ نے یہ دیکھا کہ میرا اقتدار اتنا زبردست ہے کہ چیونٹیاں بھی ڈر رہی ہیں اور ہمارے اقتدار کا گن گا رہی ہیں۔

## اس واقعہ میں ہمارے لئے درس و تعلیم

یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے اندر جو ذکر فرمایا ہے اور قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ قصہ کہانی کے طور پر کوئی واقعہ نہیں بیان فرماتے، بلکہ اس کے اندر ہمارے لئے درس ہوتا ہے اور تعلیم ہوتی ہے، اتنی بڑی عظمت اور بادشاہت حاصل ہونے کے بعد ایسی بادشاہت نہ تو پہلے کسی کو دنیا میں حاصل ہوئی اور نہ بعد میں حاصل ہوئی، اس عظمت کے باوجود آپ کی عاجزی، آپ کی تواضع، اور آپ کا رجوع الی اللہ، اور تعلق مع اللہ کو دیکھو کہ کس طرح آپ اتنی شان و شوکت کو ہیچ در ہیچ سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے کس طرح رجوع کر رہے ہیں کہ یا اللہ! جو کچھ ہے، وہ آپ کی عطا ہے، میرا اپنا کچھ بھی نہیں۔

## نعمتوں پر اِترانے کے بجائے شکر ادا کرو

اسی طرح جو نعمت بھی بندے کو عطا ہو، چاہے وہ ظاہری مال و دولت ہو، شہرت ہو، یا علم ہو، یا عبادت ہو، یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت پر اِترانا کہ مجھے یہ نعمت حاصل ہوگئی ہے اور میں بڑا علامہ ہوگیا ہوں، میں بڑا دولت مند بن گیا ہوں، دوسروں کے دل میری طرف بہت کھنچے ہوئے ہیں۔ ارے! یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کی عطا ہے، جب بندہ یہ تصوّر کرتا ہے تو پھر وہ دنیا میں خواہ کتنے بھی اُونچے مقام پر پہنچ جائے، اس کا سر مزید اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے کہ یا اللہ! میں تو اس قابل تھا نہیں، لیکن آپ نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچادیا!

بہرحال! یہ جو دعا ہے کہ:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (۱)

اس دعا میں اور اس آیتِ کریمہ میں یہی سبق دیا جارہا ہے، لہٰذا یہ دعا یاد کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بار بار مانگا کرو، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(۱) سورۃ النمل: آیت (۱۹)

# دعا نمبر ۲۹

رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعَا

# دعا نمبر ۲۹

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنۡ تَبِعَهُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! مناجاتِ مقبول میں جو قرآنی دعائیں آئی ہیں، ان دعاؤں کی تفسیر وتشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے، پچھلی مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کی کچھ تشریح عرض کی تھی، اب آگے ''مناجاتِ مقبول'' میں جو دعا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے اور بندگی اور عبدیت کے اعلیٰ مقام کی دعا ہے، وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝ (۱)

(۱) سورۃ القصص: آیت (۲۴)

## دعا کا پسِ منظر

اس دعا کا ایک پسِ منظر ہے اور اس پسِ منظر سے اس دعا کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں کرائی، جب بڑے ہوگئے تو ایک مرتبہ وہ کہیں راستے میں گزر رہے تھے تو ان کی قوم بنی اسرائیل کے ایک آدمی کو فرعون کی قوم یعنی قبطیوں کے ایک آدمی نے پکڑا ہوا تھا، اور اس پر زیادتی کر رہا تھا، بنی اسرائیل کے آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ آپ میری مدد کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو چھڑانے کیلئے اس کو ایک مکا مار دیا۔ مکا مارنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ اس کو چھوڑ دے، اس کو قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت زیادہ طاقتور تھے، وہ مکا ایسی جگہ لگا کہ وہ ایک مکے ہی سے مرگیا۔ اب ایک طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قتل صادر ہوگیا اور جان بوجھ کر قتل نہیں کیا، غلطی سے ہوگیا۔

## آپ کے قتل کا مشورہ

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پریشان ہوئے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور پریشان ہونے کے علاوہ یہ خطرہ ہوگیا کہ اب فرعون اس کے جواب میں مجھے قتل کرے گا، اس لئے کہ فرعون کی بادشاہت تھی اور فرعون کا قانون تھا، اسی دوران ایک شخص آیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ:

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ

النّٰصِحِيْنَ ○ (۱)

چونکہ اس قتل کا چرچا ہو چکا تھا اور فرعون کی حکومت کے جو سردار تھے وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ انہوں نے یہ قتل کیا ہے، اس شخص نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ لوگ یہ مشورے کر رہے ہیں کہ ان کو پکڑ کر قتل کیا جائے، لہٰذا میں آپ سے خیر خواہی اور نصیحت کی بات کہتا ہوں کہ آپ شہر سے نکل جائیں۔

## ڈرتے ڈرتے شہر سے نکل گئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا، لہٰذا شہر سے تو نکلنا تھا، ورنہ جان بچنی مشکل ہے، لیکن شہر سے نکل کر کہاں جائیں اور کہاں جا کر زندگی گزاریں؟ اور کس شہر میں اور کس بستی میں مجھے پناہ مل سکتی ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں تھا، قرآنِ کریم اس واقعہ کو بیان فرماتا ہے کہ:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (۲)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر سے ڈرتے ڈرتے نکلے اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہ کیا ہو رہا ہے؟

---

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (۴۵-۴۶)

(۲) سورۃ القصص: آیت (۲۱)

## دعا کرتے ہوئے شہر سے نکل گئے

شہر سے نکل تو رہے تھے، لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہے تھے:

رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں سے نجات عطا فرمادیجئے۔

گویا کہ دو کام ساتھ ساتھ ہو رہے تھے، اس لئے کہ آپ کو پتہ تھا کہ فرعون بنی اسرائیل پر بے انتہا ظلم کیا کرتا تھا، لہٰذا اگر اس سے یہ بات کہی بھی جائے گی کہ میں نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا، میں تو مظلوم کو چھڑانا چاہتا تھا اور اس کو مکہ مار دیا اور وہ مرگیا۔ یہ بات اس کے لئے قابلِ سماعت نہیں تھی، اس بات کو قبول کرنا نہیں تھا، لہٰذا وہ میرے اُوپر یقیناً ظلم کرتا، چنانچہ آپ نے دونوں کام ساتھ ساتھ کئے، ایک یہ کہ آپ وہاں سے نکلے اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے نکلے اور دعا کرتے ہوئے نکلے۔

## اپنی کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو

اس کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ جب آدمی کوئی راہ اختیار کرے تو اپنی حد تک جتنی کوشش ہوسکتی ہے ظاہری تدابیر کے لحاظ سے وہ پوری کرے۔ وہاں سے نکلے اور حالات کا جائزہ بھی لیتا رہے کہ کون آرہا ہے، کون جارہا ہے، کیا صورتِ حال پیدا ہورہی ہے؟ ایسا نہ ہو کہ آدمی نادانی میں کوئی کام شروع کردے، بلکہ

اپنا تحفظ کرنے کے لئے جو جائز ذرائع ہیں، ان کو استعمال کرے، لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا اور کہا: اے میرے پروردگار! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما دیجئے۔ اس وقت آپ نوجوان تھے اور آپ کو نبوت عطا نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا تدبیر اختیار کرنے کے ساتھ دوسرا کام یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا کہ یا اللہ! مجھے ان ظالموں سے نجات عطا فرما دیجئے۔

## دونوں کام ساتھ ساتھ کرے

یا اللہ! جتنا میرے بس میں ہے، وہ تو میں کر رہا ہوں کہ میں اس شہر سے نکل جاؤں اور محتاط انداز میں نکلوں، لیکن اس محتاط انداز میں نکلنے کو کامیاب بنانا اور مجھے ان لوگوں کے شر سے نجات دینا، یہ میرا کام نہیں ہے، یہ آپ کا کام ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ آدمی اپنے حصے کا کام کر گزرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے، اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور اللہ سے مانگتا رہے، یہ درست نہیں، بلکہ شریعت نے جتنے کام کی اجازت دی ہے، بلکہ ترغیب بھی دی ہے، اس حد تک کرے اور پھر اللہ سے مانگے، دونوں کام ساتھ ساتھ کرے۔

## محتاط طریقہ اختیار کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

اور اگر ایسا ہوا کہ جو تدبیر سامنے سمجھ میں آرہی ہو، آدمی اس تدبیر پر عمل نہ کرے، صرف دعا کرتا رہے تو یہ توکل کا صحیح استعمال نہیں ہے، یہاں لفظ "یَتَرَقَّبُ" کا خاص طور پر اللہ تعالیٰ لائے ہیں، مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ احتیاط کے ساتھ نکلے، لہٰذا اپنی جان کی حفاظت کے لئے احتیاط پر عمل کرنا، اپنے

مال کی حفاظت کے لیے، اپنی آبرو کی حفاظت کے لئے محتاط طریقہ اختیار کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے، البتہ اس پر بس نہ کرے، بلکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مانگے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگا کہ:

رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

## دعا کرتے ہوئے مدین کی طرف چل پڑے

بہرحال! یہ دعا کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکل گئے، اب سوال یہ تھا کہ اب جائیں کہاں؟ اس لئے کہ اپنا وطن چھوڑ دیا، اپنا خاندان چھوڑ دیا، اب کہاں جائیں؟ چنانچہ مدین کی طرف چل پڑے اور اس وقت زبان پر یہ الفاظ تھے:

عَسٰى رَبِّيْ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (۱)

مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے کی ہدایت دے گا۔

اس کے ذریعہ یہ بتلادیا کہ جب آدمی دعا کرے تو دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن بھی رکھے کہ جو دعا میں کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں گے، اگر آدمی دعا کرے اور ساتھ ہی دل میں یہ بدگمانی ہورہی ہو کہ پتہ نہیں قبول ہوگی یا نہیں؟ ایسی دعا ادھوری دعا ہے، آدمی جب مانگے تو پوری امید کے ساتھ مانگے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ مجھے

(۱) سورۃ القصص: آیت (۲۲)

امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے صحیح راستے تک پہنچادے گا۔

## دعا جزم کے ساتھ مانگنی چاہئے

ان قصوں کے بیان کے دوران قدم قدم پر قرآنِ کریم ہمیں ہدایات دے رہا ہے کہ دعا مانگو، اور اس امید سے مانگو کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، حدیث شریف [1] میں بھی آتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے مانگے تو تذبذب کے ساتھ نہ مانگے، مثلاً یہ کہنا کہ یا اللہ! اگر میرے لئے تندرست ہونا بہتر ہے تو مجھے تندرست کردیجئے۔ اس طرح نہ مانگو، بلکہ جزم کے ساتھ مانگو کہ یا اللہ! مجھے صحت دیدیجئے اور اس امید کے ساتھ مانگو گے تو وہ ان شاء اللہ ضرور دے گا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے مانگنے سے اللہ تعالیٰ تو مجبور نہیں ہوں گے کہ تمہاری طرف سے کوئی زبردستی ہے کہ وہ ضرور قبول کریں گے، بلکہ وہ تو اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ کریں گے، مگر تم تذبذب کے ساتھ نہ مانگو، بلکہ جزم کے ساتھ مانگو کہ یا اللہ! میرا یہ کام کردیجئے۔

## ''استخارہ'' اور ''دعا'' میں فرق

ایک ہوتا ہے ''استخارہ'' اور ایک ہوتی ہے ''دعا''۔ استخارہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یوں کہو: یا اللہ! مجھے اس کام میں تردّد ہورہا ہے، میرے لئے یہ کام صحیح ہے یا نہیں؟ اے اللہ! اگر یہ کام میرے لئے اچھا ہو تو کردیجئے اور اگر اچھا نہ ہو تو مت کیجئے۔ مثلاً کوئی رشتہ کرنا ہے، اب پتہ نہیں کہ میرے لئے یہ بہتر ہے یا

---

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۷۴ (۶۳۳۸)

نہیں؟ اس موقع پر ''استخارہ'' کرنا ہے کہ یا اللہ! اگر خیر ہو تو کر دیجئے، اگر خیر نہ ہو تو مت کیجئے۔ لیکن جہاں انسان کو تردّد نہیں ہے مثلاً وہ بیمار ہے تو کیا اس کو یہ تردّد ہوگا کہ میں تندرست ہو جاؤں یا مر جاؤں؟ یہ تردّد نہیں ہوگا، اس لئے اس موقع پر یہ نہ کہے کہ یا اللہ! اگر میرے حق میں تندرستی بہتر ہو تو تندرستی دیدیجئے، نہیں، بلکہ اس موقع پر جزم کے ساتھ مانگے کہ یا اللہ! مجھے تندرستی دیدیجئے۔

## اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا

حضرت ایوب علیہ السلام کو دیکھئے، انہوں نے یہ دعا فرمائی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ [1]

جزم کے ساتھ دعا فرمائی۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طرف دعا کی کہ یا اللہ! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا کیجئے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھی کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے ضرور کوئی نہ کوئی راستہ نکالیں گے۔ اور مجھے صحیح راستہ پر ڈال دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا کہ تم مدین کی طرف چلے جاؤ، مدین ایک شہر تھا جو فرعون کی عملداری سے باہر تھا، گویا کہ وہ دوسرا ملک تھا، آج بھی مصر الگ ملک ہے اور مدین اُردن میں ہے، دونوں الگ ہیں، وہ مدین بہت فاصلے پر تھا، اس وقت بھی لوگ وہاں سے آتے جاتے تھے، چنانچہ آپ مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۱) سورۃ الأنبیاء: آیت (۸۳)

## مدین میں داخل ہونا اور کنویں پر ہجوم دیکھنا

جب مدین شہر میں داخل ہوئے تو وہاں دیکھا کہ ایک کنواں ہے اور لوگ اس کنویں پر جمع ہیں، اور اس کنویں سے اپنی بکریوں کو پانی پلارہے ہیں، مجمع کنویں پر ہے اور ہر آدمی اپنی بکریاں لے جارہا ہے اور پانی پلارہا ہے، پیچھے دو عورتیں کھڑی ہیں، اور ان کے پاس بھی بکریاں ہیں، اور وہ بھی بکریوں کو پانی پلانا چاہتی ہیں، لیکن کنویں پر چونکہ مردوں کا ہجوم ہے، اس لئے وہ عورت ذات کیسے آگے جائیں اور پانی پلائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ سب لوگ اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلارہے ہیں، لیکن یہ دولڑکیاں اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں اور انتظار میں ہیں اور اب انتظار کرتے کرتے دیر ہوگئی، آپ نے سوچا کہ ان کی کچھ مدد کی جائے۔ اب کسی کی مدد کرنا اور خاص طور پر کسی کمزور کی مدد کرنا تو پیغمبر کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔

## دولڑکیاں اپنی بکریاں روکے کھڑی تھیں

چنانچہ آپ ان دونوں لڑکیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا "ما خطبکما" تمہارا کیا مسئلہ ہے کہ تم دونوں پیچھے کھڑی ہوئی ہو؟ انہوں نے کہا کہ:

لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ ۝ (۱)

ہم بکریاں پانی پلانے کے لئے اس لئے لائی تھیں کہ ہمارے والد بہت

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (۴۵-۴٦)

بوڑھے ہیں، گھر میں کوئی اور نہیں جو بکریاں چرائے اور بکریوں کو لاکر پانی پلائے اور یہاں پر مردوں کا اجتماع ہے، ہم لڑکیاں ہیں، ان مردوں کے درمیان گھس کر پانی پلانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، لہٰذا ہم اس انتظار میں ہیں کہ یہ مرد فارغ ہوجائیں تو ہم اپنی بکریوں کو آگے لے جاکر پانی پلائیں۔

## ضرورت کے وقت خواتین کا گھر سے باہر نکلنا

یہ لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں، حضرت شعیب علیہ السلام مدین میں رہتے تھے۔ قرآنِ کریم جب کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اس کا مقصد کوئی داستان یا قصہ کہانی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اندر احکام اور اسباق ہوتے ہیں، چنانچہ مفسرین نے اس واقعہ کے تحت فرمایا کہ اس سے پتہ چلا کہ اگر عورتوں کو ضرورت پیش آئے تو اپنی روزی کمانے کے لئے یا اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے، چنانچہ وہ لڑکیاں بکریاں چرانے نکل گئیں۔ لیکن اس وقت نکلنا جائز ہے جب گھر میں اس کام کے لئے کوئی مرد نہ ہو۔ اسی لئے ان لڑکیوں نے کہا کہ:

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ○

کہ ہمارے والد صاحب بوڑھے ہیں، وہ بکریاں نہیں چراسکتے، لہٰذا ہم یہ بکریاں چرارہی ہیں اور یہاں پانی پلانے کے لئے لائی ہیں۔

## مرد کمائے، عورت گھر سنبھالے

لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ اگر گھر میں مرد موجود ہو تو باہر کا کام مرد کرے،

عورت کا کام نہیں کہ وہ باہر نکلے۔ لیکن اگر کوئی راستہ نہ ہو تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ حجاب کے تقاضے پورے کرتے ہوئے شرم وحیا کے ساتھ باہر نکلے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ عورت کو ملازمت کے لئے یا روزی کمانے کے لئے باہر نکلنا اصل نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرد کمائے اور عورت گھر کو سنبھالے۔ لیکن جہاں باہر نکلنے کی ضرورت ہو تو وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔

## دولت میں اضافہ کے لئے ملازمت کرنا

آج کل بات یہ ہے کہ عورتیں فیشن کے طور پر جاب کرتی ہیں، یعنی اس لئے جاب نہیں کر رہی ہیں کہ اگر وہ جاب نہیں کریں گی تو کہاں سے کھائیں گی؟ ایسا نہیں ہے، الحمدللہ، گھر میں شوہر کمانے والا موجود ہے، یا باپ کما رہا ہے، اور مناسب انداز میں زندگی بسر ہو رہی ہے، ایسے میں عورت کا جاب کے لئے گھر سے باہر نکلنا صحیح بات نہیں ہے، ہاں ضرورت ہو تو بیشک جاب کرے، لیکن آج کل عورتوں کو جاب کے لئے، ملازمت کے لئے باہر نکلنے کا شوق ہو گیا ہے، چا ہے ضرورت نہ بھی ہو، دوسرے یہ کہ بعض اوقات ملازمت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ دولت میں اضافہ ہو، شوہر بھی کمائے گا اور بیوی بھی کمائے گی، حالانکہ بقدر ضرورت شوہر کی کمائی سے بھی مناسب انداز سے گزارہ ہو سکتا ہے، لیکن مقصد یہ ہے کہ دولت زیادہ ہونی چاہئے، اس کے لئے عورت کا ملازمت کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ چاہے

## بکریوں کو پانی پلا کر روانہ کردیا

اس لئے قرآنِ کریم نے ان آیات میں دونوں باتوں کو بیان فرمایا، ایک طرف ان کی ضرورت کو بیان فرمایا، اور دوسری طرف ان کے باہر نکلنے کو بیان فرمایا۔ اسی سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ ضرورت کے موقع پر بقدرِ ضرورت عورت گھر سے باہر نکلے تو کوئی حرج نہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ مشکل سنی تو آپ نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا، کیسے پلایا؟ قرآنِ کریم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ بھی دوسرے مردوں کے ساتھ اسی لائن میں لگ گئے ہوں اور اپنی باری آنے پر پانی پلادیا ہو۔ لیکن ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں سے پوچھا کہ اس کنویں کے علاوہ کوئی اور کنواں ہے؟ ان عورتوں نے کہا کہ ایک اور کنواں تو ہے لیکن اس کے اُوپر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے، اور ہم لوگ اس پتھر کو اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لئے ہم وہاں سے پانی نہیں پلا سکتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ، وہ کنواں کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے ان کو بتایا کہ فلاں جگہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاکر دیکھا تو اس کے اُوپر ایک بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت عطا فرمائی تھی کہ ایک مکے سے وہ آدمی مرگیا تھا، آپ نے وہ پتھر ہٹایا اور ان کی بکریوں کو اس سے پانی پلایا، اور ان کو روانہ کردیا۔(۱)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة ١٦ / ٥٣٤ (٣٢٥٠٣)

## تمام حاجتیں ایک دعا میں مانگ لیں

یہ کام کرنے کے بعد اب کہاں جائیں؟ کوئی جگہ پہلے سے متعین نہیں ہے، قرآنِ کریم کہتا ہے کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے اور وہاں بیٹھ کر آپ نے یہ دعا فرمائی:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝

اس دعا میں ''عبدیت'' کا عجیب مظاہرہ ہے۔ یعنی اے میرے پروردگار! آپ مجھے جو بھی نعمت، جو اچھائی بھی عطا فرمائیں، میں اس کا محتاج ہوں۔ اب دیکھئے: اس وقت آپ کی کتنی حاجتیں تھیں؟ آپ کو گھر چاہئے تھا، کھانے پینے کا انتظام چاہئے تھا، کوئی ایک چیز نہیں تھی جس کی ضرورت ہو، بلکہ ضرورتوں کا ایک انبار تھا، کیا کیا مانگتے؟ یا اللہ! مجھے گھر دیدے، یا اللہ! مجھے اچھا پڑوسی دیدے، یا اللہ! میرے لئے روزی کا سامان ہو جائے۔ لیکن آپ نے صرف یہ دعا کی کہ جو بھی خیر آپ مجھ پر نازل فرمادیں، میں اس کا محتاج ہوں اور سمجھ لو کہ میں وہی مانگ رہا ہوں۔

## ہمیں سکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگو

دیکھئے! یہ وہ مرحلہ ہے جو ہر انسان کو پیش آتا ہے، ایک موقع ایسا آتا ہے کہ بندے کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا مانگوں، دل میں دعا کرنے کی آرزو ہے اور بعض اوقات ہاتھ بھی اُٹھے ہوئے ہیں، لیکن زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے ہیں اور سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا مانگوں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دعا کے ذریعہ ہمیں سکھا دیا کہ کیا مانگو۔

## تم جو مانگو گے وہ متناہی ہوگا

ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ سرہ ایک دن فرمانے لگے کہ میں ایک دن حرم شریف میں بیت اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، دعا کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے، لیکن اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا مانگوں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ جب دعا مانگتے تو لمبی دعا مانگا کرتے تھے، فرمایا کہ جتنی دعائیں میں مانگا کرتا تھا، اس وقت ان میں کوئی دعا یاد نہیں آرہی تھی، ہاتھ اُٹھے ہوئے ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا مانگوں؟ اس وقت دل میں شبہ پیدا ہوا کہ تم سے اتنا بھی نہیں ہورہا ہے کہ اللہ سے مانگو، پھر فوراً اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ تو کیا مانگے گا، تو جو کچھ بھی مانگے گا، وہ متناہی ہوگا، کم ہوگا، تو نے جب اس بارگاہ میں ہاتھ پھیلا دیئے ہیں تو ساری نعمتیں اس کے نیچے آگئیں، یہ مرحلہ تقریباً ہر انسان کو پیش آتا ہے کہ بعض اوقات دعا کرنے کو اس کا دل چاہ رہا ہوتا ہے۔

خاص طور پر حرمین شریفین میں ایسا بکثرت ہوتا ہے، چنانچہ بعض اوقات آدمی کسی طرح ''ملتزم'' پر پہنچ گیا، وہاں جاکر ہاتھ پھیلا دیئے، لیکن اب کیا مانگوں؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا، ایسے مرحلہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا بڑی کارگر ہوتی ہے کہ یا اللہ! مجھے پتہ نہیں کہ میرے لئے کیا بہتر ہے؟ اور میں کیا مانگوں؟ اور کیا نہ مانگوں؟ میں جو بھی مانگوں گا وہ متناہی ہوگا، آپ اپنے فضل و کرم سے آپ کی جو غیر متناہی نعمتیں ہیں، ان میں سے جس چیز کی مجھے ضرورت ہے، وہ مجھے عطا فرمادیجئے۔

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝

## دعا مانگنا نہ چھوڑو

آپ ذرا سوچیں کہ ایک آدمی ہے جو بڑی مشکل سے دشمنوں سے نجات پاکر آیا ہے اور ایک ایسے علاقے میں پہنچا ہے جہاں اس کو جاننے والا کوئی نہیں، وہاں اس کی کیا کیا ضروریات ہوں گی؟ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ضروریات کی تفصیل کو چھوڑ کر صرف ایک مختصر یہ دعا مانگی کہ:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○

اس کے ذریعہ قرآنِ کریم ہمیں یہ سکھا رہا ہے کہ دعا مانگنا نہ چھوڑو۔ محض اس وجہ سے کہ تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے، بلکہ ہاتھ پھیلادو، جس کی بارگاہ میں تم ہاتھ پھیلاؤ گے، وہ تم سے زیادہ جانتی ہے کہ تمہیں کیا چاہئے؟ تم کیا مانگو گے؟

## اس دعا پر وجد طاری ہوجاتا ہے

ایسے موقع پر یہ تصور کرلو کہ وہ ذات میری ضرورتیں اور حاجتیں مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہے، اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ "یا اللہ" مجھے جس جس کی ضرورت ہے، وہ سب مجھے عطا فرمادیجئے۔ میں جب بھی تلاوت کرتا ہوں تو اس دعا سے میرے اُوپر ایک وجد طاری ہوجاتا ہے کہ جو بھی خیر آپ مجھ پر نازل کریں، میں اس کا محتاج ہوں۔ سبحان اللہ۔

## شرم وحیا کے ساتھ لڑکی کا آنا

اس دعا کے نتیجے میں کیا ہوا؟ آگے قرآنِ کریم نے اس کو بیان فرمایا ہے،

یہ دعا درخت کے سائے میں بیٹھ کر مانگ رہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ جن دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا، ان میں سے ایک لڑکی شرماتی ہوئی حیاداری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی:

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ

قرآنِ کریم نے اس کے آنے کا ذکر کیا اور خاص طور پر اس کے آنے کی کیفیت کو بیان فرمایا کہ وہ شرم و حیا کے ساتھ آرہی تھی، شرم وحیا کے ساتھ آنے کا مطلب؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس نے اپنا چہرہ پلّو سے ڈھانپا ہوا تھا اور ان کے آنے کے انداز میں وہ بیبا کی نہیں تھی جو آزاد قسم کی عورتوں میں ہوتی ہے، بلکہ شرم وحیا تھی۔ (۱)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بندگی کا مظاہرہ

جب وہ قریب آئی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا

کہ میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، اس لئے کہ آپ نے جو ہماری مدد کی ہے کہ ہماری بکریوں کو پانی پلایا، اس کا آپ کو بدلہ دیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدلہ دینے کی بات اس خاتون نے اپنی

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة ١٦ / ٥٣٤ (٣٢٥٠٣) والمستدرك للحاكم ٢ / ٤٤١ (٣٥٣٠) صححه الحاكم ووافقه الذهبي.

طرف سے کہی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نیکی کا بدلہ لینے کے لئے یہ کام نہیں کیا تھا کہ مجھے اس نیکی کا بدلہ دنیا میں ملے، روایات (۱) میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت تو جانے سے انکار نہیں کیا، کیوں؟ اس لئے کہ خود ہی تو اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا کہ یا اللہ! میرے لئے کوئی راستہ پیدا فرما دیجئے اور جو بھی خیر آپ نازل کریں گے، میں اس کا محتاج ہوں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے جان پہچان کا ایک راستہ پیدا فرما دیا تو اس موقع پر استغناء کا مظاہرہ کرنا اور یہ کہنا کہ ''مجھے بدلہ نہیں چاہئے'' یہ استغناء اور بندگی کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیازی کا معاملہ نہیں کرنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کا معاملہ ہے، عاجزی کا معاملہ ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ چل پڑے۔

## میں نے بدلہ کے لئے وہ کام نہیں کیا

لیکن جب ان کے گھر پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ ابتداء میں ان کے اس عمل کا شکریہ ادا کیا ہوگا، اور اس کے بعد پھر کھانے پر بلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں معذرت خواہ ہوں، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ شبہ ہو رہا ہے کہ میں نے آپ کی بیٹیوں کی جو مدد کی ہے آپ اس کی وجہ سے مجھے کھانا کھلا رہے ہیں، وہ عمل میں نے اس لئے نہیں کیا تھا کہ مجھے اس عمل کا کوئی بدلہ دیا جائے، عمل تو میں نے اللہ کے لئے کیا تھا۔

---

(۱) مسند الدارمی ۱ / ۵۰۲، طبع دار المغنی، وسیر السلف الصالحین لقوام السنة الاصبهانی ۳ / ۸۰۰

## مہمان کی خاطر تواضع کا معاملہ ہے

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میں اس عمل کا بدلہ کہاں دے سکتا ہوں، بدلے کے لئے کھانا نہیں کھلا رہا ہوں، لیکن ہمارے آباء و اجداد سے یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو اس کی خاطر کرتے ہیں، میں کوئی بدلہ کے لئے کھانے کی دعوت نہیں دے رہا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر ٹھیک ہے، چنانچہ آپ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول فرمائی اور پھر کھانا کھایا۔ (۱)

## آپ ان کو ملازم رکھ لیجئے

بعد میں جب ذرا بے تکلفی ہوگئی تو حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی نے اپنے والد سے کہا:

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝ (۲)

اس لئے کہ آپ خود بوڑھے ہو چکے ہیں اور آپ کے بوڑھا ہونے کی وجہ سے باہر کے یہ سب کام بھی ہمیں کرنے پڑتے ہیں جو اصل کے خلاف ہے، لہٰذا آپ ان کو اپنا ملازم رکھ لیجئے اور ان کو ملازم رکھنے کی تجویز اس لئے دے رہی

---

(۱) سير السلف الصالحين للاصبهانی ۳ / ۸۰۰ والكامل فی التاريخ لابن الأثير الجزری ۱ / ۱۵۵

(۲) سورۃ القصص: آیت (۲٦)

ہوں کہ کسی کو ملازم رکھنے کا جو معیار ہے، وہ ان کے اندر پایا جاتا ہے، پھر دو صفتیں بیان کیں کہ جس کو آپ ملازم رکھیں، اس کے اندر دو صفتیں ہونی چاہئیں۔

## ملازم کے اندر دو صفتیں ہونی چاہئیں

ایک یہ کہ وہ قوت والا ہو، یعنی جس کام کے لئے اس کو رکھا جارہا ہے، اس کام کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہو، ''قوت'' میں جسمانی قوت بھی داخل ہے، اور ذہنی قوت بھی داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ''امانت دار'' ہو۔ امانت دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام اس کو سونپا جائے، یا اس کو پیسے دیئے جائیں کہ فلاں چیز لے آؤ تو وہ اس میں خیانت نہ کرے۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اتنا بڑا کلیہ بیان کر دیا کہ جب بھی تم کسی کو ملازم رکھو تو اس کے اندر یہ صفتیں دیکھا کرو، ایک یہ کہ اس کے اندر اس کام کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اور دوسرے یہ کہ وہ امانت دار ہے یا نہیں؟

## دونوں صفتوں کا تجربہ ہو چکا تھا

اور ان خاتون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ان دونوں چیزوں کا تجربہ ہو چکا تھا، ''قوت'' کا تجربہ تو کنویں کے پتھر اُٹھانے سے معلوم ہوا اور ''امانت'' کا تجربہ اس طرح ہوا کہ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کیا، بدلہ لینے سے معذرت کی۔ اور یہ بھی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ان خاتون کے ساتھ ان کے گھر کی طرف چلے تو نگاہیں نیچی رکھ کر چلے، اور بعض

(۱) تفسیر طبری ۱۸ / ۲۲۵

روایتوں[1] میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود خاتون سے آگے آگے چلے، اور ان سے کہا کہ تم پیچھے سے راستہ بتاتی جاؤ کہ گھر کس طرف ہے، تا کہ میری نگاہ خاتون پر نہ پڑے، اس طرح ''امانت داری' کا تجربہ بھی ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو ملازم رکھ لیجئے۔ تا کہ یہ روز روز باہر جانے کا مسئلہ حل ہو جائے۔

## دو معاملے کرنا چاہتا ہوں

حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی کی یہ تجویز قبول کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:

> اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○[2]

میں آپ سے دو معاملے کرنا چاہتا ہوں، ایک یہ کہ آپ میرے پاس آٹھ سال تک ملازمت کریں، ملازمت میں یہ ہوگا کہ آپ میری بکریاں چرائیں گے، اگر ملازمت کی مدت آٹھ سال کے بجائے دس سال کر دیں تو یہ آپ کی طرف سے ایک رضا کارانہ کام ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں اپنی ایک بیٹی کا نکاح آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔

---

(۱)تفسیر طبری ۱۸ / ۲۲۵

(۲)سورة القصص: آیت (۲۷)

## سارے انتظام ہو گئے

یہ دو معاملے شعیب علیہ السلام نے کئے، اس کے نتیجے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روزی کا انتظام ہو گیا کہ ملازمت مل گئی، روزی کے ساتھ گھر بسنے کا انتظام اس طرح ہو گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے خود اپنی بیٹی کی پیش کش کر دی، جو بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں آئیں، وہ حضرت صفورہ تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی کہ:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ گھر مل گیا، ملازمت مل گئی، بیوی مل گئی، اور ایک بزرگ کی صحبت مل گئی، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام جو خود پیغمبر تھے، ان کی صحبت نصیب ہوگئی، اور ان کی صحبت میں رہ کر اللہ تعالیٰ نے یہ سب کام کرا دیئے۔ یہ سب اس دعا کا نتیجہ تھا کہ:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

## ہر حاجت اللہ سے مانگو

بھائی جو حاجت اور ضرورت ہو، اس کی تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالنی چاہئے، چاہے وہ حاجت چھوٹی ہو یا بڑی ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکلتے وقت یہ دعا مانگی کہ:

رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اور اس امید کے ساتھ مانگی کہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے، اور اس کے بعد یہ اجمالی دعا مانگ لی۔ اس ''اجمال'' پر ہزار تفصیلیں قربان ہیں کہ:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۝

اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے مسائل کرادیئے۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے مدین سے واپسی پر منصبِ نبوت بھی عطا فرمادیا۔

## دعا کے لئے کسی وقت کو خاص کرنا

بہرحال! یہ دعا ہمیں یہ سکھارہی ہے کہ ایک وقت ایسا ہوتا ہے جس کو آدمی دعا کے لئے خاص کرتا ہے، الحمدللہ۔ بزرگوں کی صحبت سے اور ان کے کہنے سننے سے یہ تو ہوتا ہے کہ جب ہمیں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو اس وقت ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ لیتے ہیں، لیکن جب ہم خود مانگنے بیٹھتے ہیں، اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، جیسے نمازوں کے بعد مثلاً، اس وقت جب ہم دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو بعض اوقات سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مانگیں؟ تو بھائی، اس بات کی پرواہ مت کرو کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، بس! اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلادو اور یہ کہو کہ یا اللہ! مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا کیا ضرورت ہے؟ آپ ہی زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے کیا کیا ضرورت ہے اور کیا کیا مانگنا چاہئے؟ آپ مجھے دیدیجئے۔

## حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خوبصورت دعا

چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دعا یہ منقول ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، (۱)

یا اللہ! میں آپ سے ہر خیر مانگتا ہوں اور ہر شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جب اور کچھ سمجھ میں نہ آئے تو یہ دعا کرلیا کرو، لہٰذا دعا سے کبھی بھی اپنے کو مستغنی مت سمجھو، بلکہ اپنی دعا کو بھی اللہ کے حوالے کردیا کرو۔

## مانگنے کا طریقہ بھی اللہ سے مانگے

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمارہے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں دینے کی کوئی کمی نہیں ہے، جھولی پھیلانے والا چاہئے۔ حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پوچھا کہ حضرت! اگر کسی کے پاس جھولی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ جھولی بھی انہی سے مانگے، جھولی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو مانگنا ہی نہیں آتا تو وہ کیا کرے، تو وہ اللہ سے کہے کہ یا اللہ! مجھے آپ سے مانگنا بھی سکھا دیجئے، خود حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگ لی:

---

(۱) سنن ابن ماجه ٥ / ٣٦٥ (٣٨٤٦) وقال البوصيري فى "مصباح الزجاجة" ٤ / ١٤١ هذا اسناد فيه مقال، أم كلثوم هذه لم أر من تكلم فيها، وعدها جماعة فى الصحابة وفيه نظر لأنها ولدت بعد موت أبي بكر، وباقى رجال الاسناد ثقات، وانظر الأدب المفرد للبخارى ص ٢٢٢ (٦٣٩) قال المناوى فى "التيسير" ٢ / ١٣٩ باسناد حسن.

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَسْئَلَةِ وَ خَیْرَ الدُّعَآءِ(۱)

یا اللہ! مجھے اچھی دعا کرنا سکھا دیجئے۔ غرض دعا سے کسی بندے کو کبھی استغناء نہیں ہے۔ اور جتنا زیادہ دعا کرو گے، اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا، جو ساری نیکیوں کی جڑ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳ / ۳۱۶ (۷۱۷) والمعجم الأوسط للطبرانی ٦ / ۲۱٤ (٦۲۱۸) وقال الهيثمی فی "المجمع" ۱۰ / ۲۸۰ (۱۷۳۸۵) ورجال الأوسط ثقات.

# دعا نمبر ۳۰

رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ○

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۳۰

رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: مناجاتِ مقبول میں جو قرآنِ کریم کی دعائیں ہیں، ان کی تشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے شروع کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے ہمارے لئے سبق آموز بنائے۔ اور ہماری اصلاح کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

مناجاتِ مقبول میں آگے جو دعا آئی ہے وہ مختصر سی دعا ہے کہ:

رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ○ [۱]

یہ حضرت لوط علیہ السلام کی دعا ہے جس پس منظر میں حضرت لوط علیہ السلام نے یہ دعا مانگی، وہ بڑا معنیٰ خیز ہے۔

---

(۱) سورۃ العنکبوت: آیت (۳۰)

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانا

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے تھے، جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی کوشش کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو توحید کی دعوت دے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس آگ کو گلزار بنادیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو یہ حکم دیا:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ○ (۱)

اللہ تعالیٰ نے براہِ راست آگ کو حکم دیا کہ تم ٹھنڈی ہوجاؤ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی کا ذریعہ بن جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام عراق کے باشندے تھے، جب عراق کے لوگوں نے آپ کی بات نہیں سنی تو آپ نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔ قرآنِ کریم نے بیان کیا کہ اس وقت ایمان لانے والے صرف حضرت لوط علیہ السلام تھے۔

## اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کررہا ہوں

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لیکر وہاں سے روانہ ہوگئے اور یہ کہا:

اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (۲)

کہ میں ہجرت کرکے اپنے پروردگار کے پاس جارہا ہوں۔

---

(۱) سورۃ الأنبیاء: آیت (۶۹)

(۲) سورۃ العنکبوت: آیت (۲۶)

سوال یہ ہے کہ "پروردگار" تو ہر جگہ موجود ہیں، پھر اس کا کیا مطلب؟ لیکن آپ نے یہ بتانے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی کہ ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ رہتا ہو، جہاں اس کو اپنے دین پر عمل کرنے میں دشواری ہوتی ہو تو پھر اس شخص کا کام یہ ہے کہ وہ اس جگہ سے ہجرت کرے۔ ہجرت اس نیت سے کرے کہ میرا "پروردگار" مجھ سے راضی ہوجائے۔ اور میں ایسی جگہ چلا جاؤں، جہاں پر میں اپنے پروردگار کی صحیح طریقے سے عبادت کرسکوں اور ہجرت کا مفہوم یہی ہے کہ آدمی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف منتقل ہوجائے۔ یا کم از کم ایسی جگہ منتقل ہو، جہاں اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر عمل پیرا ہو سکے اور اس کے ذمے جو فرائض ہیں، ان کو صحیح طور پر ادا کرسکے۔

## دین کی خاطر پہاڑوں پر رہنا ہوگا

چنانچہ ایک حدیث(۱) میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

آخر زمانے میں ایک وقت ایسا آجائے گا کہ لوگوں کو دین کی خاطر اپنی جان بچانے کیلئے بھی پہاڑوں پر جا کر رہنا پڑے گا، کیوں کہ شہر فسق وفجور سے بھر جائیں گے، کفر اور نافرمانی سے بھر جائیں گے۔

بہر حال! حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کی نیت سے عراق سے روانہ ہوئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دین کی خاطر سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ابراہیم علیہ السلام

(۱) صحیح البخاری ۱ / ۱۳ (۱۹)

ہیں، [1] اور حضرت لوط علیہ السلام کو بھی آپ نے اپنے ساتھ لے لیا۔ چنانچہ وہ آپ کے رفیقِ سفر بن گئے۔

## دونوں کے راستے جدا ہو گئے

لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان دونوں حضرات کو اپنی اپنی جگہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنانا تھا، اور دونوں کو یہ فریضہ سونپنا تھا کہ وہ اللہ کا دین لوگوں تک پہنچائیں، اس لئے آگے چل کر اللہ کے حکم سے دونوں کے راستے جدا ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کے ایک حصے میں چلے گئے اور حضرت لوط علیہ السلام شام ہی کے دوسرے علاقے میں جو آج کل ''اُردن'' کہلاتا ہے، وہاں کچھ بستیاں تھیں، وہاں چلے گئے۔ وہ بستیاں ایسی تھیں کہ وہاں پر کفر اور شرک کے علاوہ دنیا جہان کی ساری بداعمالیاں اور برائیاں وہاں پائی جاتی تھیں۔ ان کی ایک صفت تو بہت مشہور ہے اور خواہ مخواہ وہ صفت حضرت لوط علیہ السلام کے نام کو بگاڑ کر اس صفت کو ذکر کیا جاتا ہے، وہ لفظ بولنا بھی مجھے اچھا نہیں لگتا، لیکن سب جانتے ہیں، وہ یہ کہ ان کے یہاں ''ہم جنس پرستی'' کا رواج تھا۔

## ان سے پہلے یہ برائی کسی نے نہیں کی تھی

اور قرآنِ کریم نے فرمایا کہ ان سے پہلے کبھی یہ برائی وجود میں نہیں آئی تھی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

---

(۱) تفسیر مقاتل ۳ / ۶۱۳ وتفسیر الثعلبی ۲۱ / ۳۵ وتفسیر الطبری ۱۸ / ۳۸۵

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۱)

تم سے پہلے کبھی کسی نے یہ برائی نہیں کی تھی۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض برائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کی اپنی طبیعت میں جو جذبات اور خواہشات ہوتی ہیں، وہ خواہشات انسان کو غلط راستے پر لے جاتی ہیں، لیکن وہ جذبات اور خواہشات اس انسان کی فطرت کے اندر موجود ہوتے ہیں، جیسے کوئی شخص زنا کا ارتکاب کرے یا فحاشی کا ارتکاب کرے تو وہ بھی اگرچہ حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مرد کے اندر عورت کی طرف کشش کا جذبہ فطرۃً رکھ دیا ہے، اگر اس کو صحیح استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے "نکاح" کا راستہ رکھا ہے، اگر غلط استعمال کیا جائے تو بدکاری اور حرام ہے، لیکن فطری جذبہ ہے۔

## یہ عمل فطرتِ انسانی کے خلاف ہے

لیکن حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں جو بیماری پیدا ہوئی، اس کے بارے میں قرآنِ کریم کا کہنا یہ ہے کہ وہ ان سے پہلے کسی کے اندر نہیں تھی، اس سے پتہ چلا کہ یہ عمل انسان کی فطرت کے ہی خلاف ہے، یہ لوگ ایسی بیماری میں مبتلا تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی جو بیماریاں گنوائیں، اس کو قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِيْ

---

(۱) سورۃ العنکبوت: آیت (۲۸)

تَأْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ[1]

ان کی تین برائیاں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ تم ہم جنس پرستی کرتے ہو، یعنی مردوں سے برا فعل کرتے ہو، دوسرے یہ کہ ڈاکہ ڈالتے ہو، اس لئے کہ وہ لوگ مسافروں پر حملے کرتے اور ان کا مال لوٹتے تھے۔

## مجالس کے اندر بدکاری کا ارتکاب

تیسرے یہ کہ تم اپنی بھری مجلس میں بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو، قرآنِ کریم نے لفظ "منکر" فرمایا ہے، یعنی تمہاری مجلسیں برائیوں سے بھری رہتی ہیں، لیکن کیا برائی؟ اس کا ذکر قرآنِ کریم نے نہیں کیا، لیکن روایات[2] میں آتا ہے کہ یہ لوگ گپ شب کی مجلسیں جماتے تھے جیسے غنڈوں کی مجلسیں ہوتی ہیں، اس میں جھوٹ بولتے تھے، اور گزرنے والے لوگوں پر بلاوجہ پتھر برساتے تھے، اور ان کا مذاق اُڑاتے تھے اور جس بے حیائی اور بدکاری میں مبتلا تھے، بعض اوقات مجلس کے اندر اس برائی کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

## انبیاء علیہم السلام اسی قوم کا ایک فرد ہوتے تھے

عام طور پر جس پیغمبر کو جس قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، وہ پیغمبر اسی قوم کا ایک فرد ہوتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک فرد تھے، حضرت

---

(۱) سورۃ العنکبوت: آیت (۲۹)

(۲) سنن الترمذی ۵ / ۲۵۱ (۳۱۹۰) وقال ھذا حدیث حسن وتفسیر الطبری ۱۸ / ۳۸۹.

عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک فرد تھے، حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک فرد تھے، لیکن حضرت لوط علیہ السلام کو جن بستیوں کی طرف بھیجا گیا، ان کے ساتھ نسبی اور وطنی کوئی تعلق نہیں تھا، گویا کہ وہ ایک طرح سے باہر کے آدمی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فریضہ سونپا تھا کہ تم جا کر ان کو سمجھاؤ، ان کو وعظ و نصیحت کرو، اس لئے آپ نے وہاں جا کر ان کو وعظ و نصیحت فرمائی، اور دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔

## بعض انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ بار بار کیوں؟

لیکن وہ قوم ایسی تھی کہ کسی بھی طرح وہ سننے اور ماننے والی نہیں تھی، قرآنِ کریم کا ایک عجیب اسلوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ایک پیغمبر کے واقعات بعض اوقات کئی کئی سورتوں میں بیان ہوئے ہیں، کہیں اختصار سے اور کہیں تفصیل سے، اور کسی جگہ پر ایک بات کا اضافہ ہے اور کسی جگہ پر دوسری بات کا اضافہ ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھے تو وہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو تازہ کرتا رہے، جب وہ تازہ کرے گا تو اس کو اس سے سبق حاصل ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا سب سے زیادہ تفصیلی واقعہ ''سورۂ ہودؑ'' کے اندر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور عجیب فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ سورۂ ہود میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا ہے۔

## قومِ لوط کا حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَام کو جواب

جب حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَام کی کوششیں پوری طرح بارآور نہ ہوئیں اور وہ لوگ مسلسل اپنے گناہوں میں مبتلا رہے اور حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَام کو دھمکیاں دینے لگے اور آپ کے ساتھ برا سلوک کیا، سورۃ العنکبوت میں جہاں حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَام نے ان کی برائیوں کا ذکر فرمایا ہے، وہاں پر اس قوم کا جواب بھی مذکور ہے کہ:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ [1]

اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی تم دھمکی دے رہے ہو، اس عذاب کو ہمارے اُوپر لے آؤ۔ باقاعدہ عذاب کو دعوت دی۔

## عذاب کو مذاق بنانا ٹھیک نہیں

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مذاق بنالیتے ہیں۔ اللہ بچائے! ہمارے اس دور میں بھی جب ہمارے اوپر کوئی تازیانہ آتا ہے اور کوئی اجتماعی طور پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے، اس موقع پر اللہ کے بندے لوگوں سے جب یہ کہتے ہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، توبہ کرو، استغفار کرو، تو آج کل جو ''لبرل'' قسم کے لوگ کہلاتے ہیں، وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ''یہ لوگ ہر چیز کو عذاب بنادیتے ہیں'' مثلاً ابھی ''کرونا'' کی بیماری آئی تو اہلِ دین کی طرف سے یہ بات کہی گئی کہ اللہ سے عافیت مانگو، اور

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (۴۵ - ۴۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، توبہ کرو، استغفار کرو، ایسے موقع پر ساری توجہ ظاہری اسباب کی طرف ہوتی ہے، اور کس وجہ سے ہم اس مصیبت میں گرفتار ہو رہے ہیں، اس کی طرف دھیان نہیں جاتا، اس لئے اس عذاب کو بھی ایک مذاق بنا لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مذاق بنانا اور اس پر پھبتیاں کسنا، یہ ان کافروں کا شیوہ ہمیشہ سے رہا ہے۔

## فرشتوں کو دو کام سپرد کئے گئے

چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی ڈٹ کر اور سینہ تان کر کہا کہ جو عذاب تم لانا چاہتے ہو، وہ عذاب لے آؤ، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے فیصلہ فرمالیا کہ ان پر عذاب آنا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دو کاموں کے لئے فرشتوں کو بھیجا، ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں کوئی اولاد اب تک نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ ان کی اہلیہ حضرت سارہ بوڑھی ہوگئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کے لئے دعا بھی فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ کو قبول کرنی تھی، قرآنِ کریم نے اس کا ذکر سورۂ ہود میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ پہلے جا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دو کہ ان کے یہاں بیٹا پیدا ہونے والا ہے اور ان کی اہلیہ کو خوشخبری دو کہ تمہیں بیٹوں سے سرفراز کیا جارہا ہے، اور انہی فرشتوں کو یہ کام بھی سپرد کیا گیا کہ جا کر حضرت لوط علیہ السلام کی جو بستیاں ہیں ان کو اُلٹ دو اور ان پر عذاب نازل کردو اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالو۔ بہرحال! یہ دو کام فرشتوں کے سپرد کئے گئے تھے، ایک خوشخبری دینا اور دوسرے عذاب دینا۔

## مہمان نوازی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت

قرآنِ کریم میں سورۂ ہود میں یہ واقعہ آیا ہے کہ:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○ (۱)

وہ فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے، وہ انسانی شکل میں بھیجے گئے تھے، انہوں نے آکر سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ انتہائی مہمان نواز تھے، بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ مہمان نوازی کی سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جاری فرمائی تھی، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ:

اَوَّلُ مَنْ قَرَى الضَّيْفَ إِبْرَاهِيْمُ عليه السلام (۲)

یعنی مہمانوں کو کھانا کھلانے کی سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی تھی۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام بھنا ہوا بچھڑا لے آئے

چونکہ یہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو عام مہمان سمجھے، چنانچہ آپ ان کی مہمان نوازی کے لئے بھنا ہوا بچھڑا ان کے لئے لے آئے، اور ان کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بھنا ہوا

---

(۱) سورة هود: آیت (٦٩)

(۲) مصنف عبدالرزاق ۱۱ / ۱۷۵ (۲۰۲٤٥) وقرى الضيف لابن أبى الدنيا ص ۱۸ (٥)

بچھڑا ان کے سامنے رکھا ہے، لیکن وہ مہمان اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے کہ:

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ (1)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کے لئے بچھڑے کی طرف نہیں بڑھ رہے، اس وقت ان کو اجنبی سمجھا اور کچھ ان سے ڈر لگنے لگا، اس لئے کہ مہمان آئے ہیں اور ان کی مہمان نوازی کی جارہی ہے اور ان کے لئے کھانا رکھا جارہا ہے لیکن وہ کھانا نہیں کھاتا، یا وہ ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے مثلاً وہ کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتا۔ پتہ نہیں یہ کون لوگ ہیں، یہ کہیں میرے دشمن تو نہیں ہیں، اور یہ لوگ کہیں مجھ پر حملہ نہ کردیں۔

## بیٹے کی خوشخبری

اس وقت ان فرشتوں نے راز کھولا اور کہا کہ آپ ڈریں نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، اور ہمیں حضرت لوط علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا ہے۔ جب یہ سارا واقعہ ہورہا تھا، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ وہاں قریب میں کھڑی ہوئی تھیں، قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۷۰)

اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ (۱)

تو ہم نے ان کو خوشخبری دی کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا ''اسحاق'' علیہ السلام۔ اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ''یعقوب علیہ السلام'' پیدا ہوں گے۔ حضرت سارہ انتہائی بوڑھی ہوچکی تھیں تو انہوں نے کہا:

## حضرت سارہ کا تعجب کا اظہار

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ (۲)

کیا میں بچہ جنوں گی؟ جبکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بڑھاپے کی حالت میں ہیں، یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے، ''ان'' کی تاکید اور ''لام تاکید'' کے ساتھ فرمایا کہ یہ تو بہت عجیب معاملہ ہے، جواب میں فرشتوں نے فرمایا:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ (۳)

کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کررہی ہو؟ اللہ کا یہ حکم آیا ہے کہ تمہارے بیٹا پیدا ہوگا، ذرا دیکھو کہ اللہ کی رحمت اور برکتیں تم پر کس طرح رہی ہیں۔ اے ابراہیم کے مقدّس گھروالو! ''اہلِ بیت'' منادیٰ بھی ہوسکتا ہے اور ''منصوب علی

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۷۱)

(۲) سورۃ ھود: آیت (۷۲)

(۳) سورۃ ھود: آیت (۷۳)

المدح'' بھی ہوسکتا ہے، یعنی اس میں تعریف کا ایک پہلو بھی ہے، یعنی تمہارا جو مقدس گھر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں بہت ہوتی رہی ہیں تو پھر تمہیں اس پر کیوں تعجب ہورہا ہے؟

## حضرت ابراہیم علیہ السلام جھگڑنے لگے

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ○ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ○ [1]

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں اور ان کا ڈر دور ہوگیا اور خوشخبری بھی مل گئی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہونے والے ہیں، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ہم سے لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناز میں اس طرح کی باتیں کیں جیسے کوئی بچہ اپنے باپ سے یا کوئی شاگرد اپنے اُستاذ سے ناز میں باتیں کرتا ہے کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ آپ کیوں ان پر اتنا بڑا عذاب نازل کررہے ہیں؟ اور وہاں پر حضرت لوط علیہ السلام بھی بستی میں موجود ہیں، اگر عذاب نازل ہوگا تو کہیں وہ بھی اس عذاب کا شکار نہ ہوجائیں۔

## اللہ تعالیٰ سے ناز کرنا مذموم نہیں

قرآنِ کریم نے خاص طور پر "یجادلنا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، یعنی وہ ہم سے جھگڑنے لگے۔ اس سے اشارہ اس طرف کیا جارہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۷۴ و ۷۵)

مقرب بندے ہوتے ہیں، وہ بعض اوقات اپنی دعائیں، اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ناز کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور یہ ناز کے ساتھ پیش کرنا بھی کوئی مذموم نہیں ہے، اگر مذموم ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں کرتے؟ "یجادلنا" کا لفظ لا کر ہم جیسے لوگوں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مانگا کرو، اور اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت دل میں رہتے ہوئے تم ناز سے کچھ مانگ لو تو ہمیں کچھ ناگوار نہ ہوگا۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے بردبار تھے

کیوں؟ اس لئے کہ ایک طرف تو یہ فرمایا کہ وہ ہم سے جھگڑنے لگے اور پھر آگے فوراً فرمایا کہ "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ" کی حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے بردبار تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں بڑے آہیں بھرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ یہ ساری باتیں "یجادلنا" پر ہو رہی ہیں کہ وہ ہم سے جھگڑنے لگے۔ ارے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے اوصاف کے مالک تھے کہ ان کی بندگی کا یہ حق تھا کہ جب ہم سے مانگیں تو "ناز" کے انداز میں مانگیں۔ اس لئے کہ وہ "حلیم" تھے، "اواہ" تھے، یعنی ہماری یاد میں آہیں بھرتے تھے اور "منیب" یعنی ہر وقت ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے، اگر انہوں نے ناز کے انداز میں ہم سے کوئی بات کی تو ہمیں کوئی ناگواری نہیں ہوئی، بلکہ ہم تو ان کی اور تعریف کر رہے ہیں کہ "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ"۔

## اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو

حضرت عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرو اور جب اس راستہ پر چل پڑو تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے باتیں کیا کرو۔ وہ باتیں یہ ہیں کہ یوں کہو یا اللہ! میں تو مجبور ہوں، مجھے اس مصیبت سے نکال دے، میں فلاں گناہ میں مبتلا ہوں، یا اللہ! مجھے اس سے نکال دے، مجھ سے فلاں فریضہ ادا نہیں ہو رہا ہے، یا اللہ! مجھ سے ادا کرا دے۔ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ دو کہ یا اللہ! یا تو مجھے اس گناہ سے نکال دیجئے یا پھر مجھ سے کوئی مؤاخذہ نہ فرمایئے گا۔

## پہلے اللہ تعالیٰ سے تعلق تو قائم کرو

لیکن یہ ''ناز'' کی باتیں کون کر سکتا ہے؟ اس کے لئے پہلے ''اواہ'' بننا پڑے گا، یعنی پہلے اس کے لئے آہیں تو نکالو، کچھ آنسو تو اللہ کی یاد میں نکالو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کم از کم ایسا تعلق تو قائم کرو جیسا تعلق بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ ہوتا ہے یا جیسے بیٹے کا تعلق اپنی ماں سے ہوتا ہے، اس طرح کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قائم تو کرو، پھر چاہے ناز کے انداز میں مانگ لو، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا سکھائی جو ''مناجاتِ مقبول'' میں بھی ہے، وہ یہ کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْكَ فَاِنَّ

لِلسَّآئِلِیْنَ عَلَیْکَ فِیْهَا حَقًّا[1]

یا اللہ! میں آپ سے اس حق کا واسطہ دے کر مانگتا ہوں جو سوال کرنے والوں کا آپ کے اُوپر ہے، کیونکہ سوال کرنے والے کا بھی آپ پر حق ہے کہ آپ اس کے سوال کو قبول فرمائیں، اب اللہ تعالیٰ پر کس کا حق بنتا ہے؟ کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ میرا اللہ تعالیٰ پر حق بنتا ہے؟

## تم مجھے پکارو، میں سنوں گا

کہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور کہاں یہ حقیر اور بے حقیقت کیڑا، وہ یہ کہے کہ میرا اللہ تعالیٰ پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں بنتا، جو کچھ ہے وہ سب ان کی رحمت ہے، لیکن رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق اس لئے بنتا ہے کہ یا اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[2]

تم مجھے پکارا کرو، میں تمہاری سنوں گا۔

جب آپ نے خود کہہ دیا کہ میں سنوں گا تو بندے کا بھی آپ پر حق بن گیا۔ اور آپ نے یہ دعا بھی مانگی کہ:

اَیُّـمَا عَبْدٍ، اَوْ اَمَةٍ مِنْ اَهْلِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، تَقَبَّلْتَ

---

(۱)زهر الفردوس ۲/ ۱۸۹ (۵۳۷) وذکره السیوطی فی "جمع الجوامع" ۲۲/ ۵۳۰ (۶۲۷) وقال: قال فی المغنی: عمرو بن عطیة العوفی ضعفه الدار قطنی.

(۲)سورة غافر: آیت (۶۰)

دَعْوَتَهُمْ اَوِ اسْتَجَبْتَ دَعْوَتَهُمْ، اَنْ تُشْرِكَنَا فِي صَالِحِ مَا يَدْعُوْنَكَ فِيْهِ (۱)

یا اللہ! اس بر و بحر میں، خشکی اور سمندر میں جتنے آپ کے بندوں نے آپ سے دعائیں کی ہیں اور آپ نے ان کی دعائیں قبول کی ہیں، ان کی ساری اچھی دعاؤں میں مجھے بھی شامل کر لیجئے۔ اس دعا کے موقع پر آپ نے وہ الفاظ بھی فرمائے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِيْنَ عَلَيْكَ فَإِنَّ لِلسَّآئِلِيْنَ عَلَيْكَ فِيْهَا حَقًّا

یہ سب ''ناز'' کی باتیں ہیں۔

## ''ناز'' کرنے کیلئے پہلے ''منیب'' اور ''اوّاہ'' بنو

لیکن بندہ یہ ''ناز'' کب کرسکتا ہے؟ ''ناز'' کرنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی طرح پہلے ''حلیم'' تو بنو، پہلے ''اوّاہ'' تو بنو، یعنی رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے آنسو تو بہاؤ، اس کو پکارو تو سہی، اور اس کا ذکر آنے پر آہیں تو بھرو، اور اس کی طرف رجوع کرنے کی عادت تو ڈالو، یہ سب کام پہلے کرو تو سہی، اگرچہ ہم پر کسی کا کوئی حق نہیں بنتا، لیکن ہم اپنے فضل و کرم سے تمہارا حق تسلیم کرلیں گے۔ یہ ساری باتیں ''یجادلنا فی قوم لوط'' سے نکل رہی ہیں کہ بندہ پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا عادی بنے۔ پھر اگر ''ناز'' سے بھی کوئی بات کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرمالیں گے۔

---

(۱) زہر الفردوس ۲ / ۱۸۹ (۵۳۷) وابن مردویہ کما فی الدر المنثور ۳ / ۵۹۵۔

## ان پر عذاب آکر رہے گا

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں عرض معروض کررہے تھے کہ یا اللہ! انہیں بچالیجئے اور ان کو عذاب نہ دیجئے۔ اس عرض معروض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ○ (۱)

اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑ دو، اب تو تمہارے پروردگار کا حکم آگیا ہے کہ ان پر عذاب آئے گا اور ان پر ایسا عذاب آکر رہے گا جو لوٹایا نہیں جائے گا۔

یعنی اس عذاب کو لوٹانا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، آگے فرمایا:

## آج کا دن بڑا کٹھن ہے

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ○ (۲)

اور جب ہمارے فرشتے (عذاب کی خبر لے کر) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو (عذاب کی خبر سے ان کو دکھ ہوا) وہ غمگین ہوگئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور کہا کہ آج کا دن تو بڑا کٹھن ہے۔

---

(۱) سورۃ ہود: آیت (۷۶)

(۲) سورۃ ہود: آیت (۷۷)

دیکھئے! وہ پیغمبر ایک طرف تو ان عذاب لانے والے فرشتوں کو دیکھ رہے ہیں اور دوسری طرف چونکہ پیغمبر اپنی قوم کا دکھ کھاتا ہے، لہٰذا ان کو دکھ ہو رہا ہے کہ اس قوم نے میری بات نہیں مانی اور آج جو کچھ ہونے والا ہے، وہ بڑا کٹھن دن ہے۔

## قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف دوڑتے ہوئے آئے

اب ایک طرف تو وہ فرشتے انسانوں کی شکل میں آئے ہیں اور عذاب کی خبر لے کر آئے ہیں، لیکن اس قوم کی بدمستی کا اندازہ اس سے کرو کہ جب قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس نوجوان لڑکوں کی شکل میں مہمان آئے ہوئے ہیں تو ان بدبختوں کو اپنی بدبختی پھر سوجھی اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کرو، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے کہ:

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۝ (۱)

اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور وہ لوگ پہلے ہی غلط حرکتیں کیا کرتے تھے۔

## اللہ سے ڈرو، مجھے رُسوا مت کرو

اس وقت بھی حضرت لوط علیہ السلام نے کس لجاجت سے کہا:

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۷۸)

يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝[۱]

ارے بھائیو! اپنی اس حرکت کو چھوڑو، قوم میں جو خواتین ہیں وہ میری بیٹیاں ہیں، وہ بیٹیاں تمہارے لئے ہیں، تم ان سے نکاح کر کے اپنی خواہشات جائز طریقے سے پوری کر سکتے ہو، لہٰذا اس کام کو چھوڑو اور اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے جو اتنا بھی خیال نہ کرے کہ مہمان آئے ہوئے ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے ساتھ بھی یہ زیادتی کرو۔

## قوم کا عجیب جواب

جواب میں قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝[۲]

آپ جانتے ہو کہ آپ نے قوم کی جن بیٹیوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے، یعنی ہماری چاہت ان میں نہیں ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟ لہٰذا ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کرو۔ اس موقع پر بیچارگی کے عالم میں حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۷۸)

(۲) سورۃ ھود: آیت (۷۹)

لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِیْدٍ ○ (۱)

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ حضرت لوط علیہ السلام اس قوم کے فرد نہیں تھے، بلکہ باہر سے آئے تھے، اس وجہ سے یہاں پر ان کا کوئی قبیلہ نہیں تھا، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں مبعوث ہوئے تو قریش کے لوگوں نے اور ابو طالب نے بڑی حد تک آپ کی مدد کی۔ اب یہاں پر ان کے قبیلے کا کوئی آدمی نہیں تھا، اس لئے انہوں نے کہا کہ کاش! میرے پاس کوئی قوت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی مدد لے سکتا۔

## آپ رات کے وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں

جب فرشتوں نے یہ دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام پریشان ہو رہے ہیں تو فرشتوں نے کہا:

یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ (۲)

اے لوط! ہم پروردگار کے فرشتے ہیں، ان لوگوں کی مجال نہیں ہے کہ یہ آپ تک پہنچ جائیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کے وقت آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جائیں اور کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اس لئے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے نتیجے میں کہیں عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔ ہاں! تمہاری بیوی تمہارے ساتھ نہیں رہے گی، اس لئے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مجرموں اور کافروں کی مدد کیا

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۸۰)

(۲) سورۃ ھود: آیت (۸۱)

کرتی تھی اور برائیوں میں ان کے ساتھ تعاون کیا کرتی تھی۔

## دونبیوں کی بیویاں جہنم میں

یہ بھی اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں کہ پیغمبر کی بیوی ہیں، لیکن گمراہ ہیں۔ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ (۱)

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی اسی طرح گمراہ تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اسی طرح گمراہ تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان دونوں کو جہنم میں ڈال دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی باقاعدہ جاسوسی کرتی تھی اور خبریں پہنچایا کرتی تھی۔

## صبح کے وقت عذاب آجائے گا

اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَا اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ (۲)

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۱۰)

(۲) سورۃ ہود: آیت (۸۱)

یعنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ جانا۔ اس لئے کہ اس کو تو وہی عذاب پہنچے گا جو قوم کے دوسرے لوگوں کو پہنچے گا اور عذاب کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ صبح کا وقت ہے، کیا "صبح" اب قریب نہیں رہ گئی؟

لہٰذا رات کو ان کو لے کر روانہ ہو جاؤ اور صبح کو ان پر عذاب آجائے گا۔

## ہم نے ساری بستیوں کو اُلٹ دیا

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ (۱)

شروع میں حضرت لوط علیہ السلام کی جس دعا کا ذکر آیا تھا کہ "رب انصرنی علی القوم المفسدین" یہ دعا اس وقت مانگی جب ان لوگوں نے عذاب کو دعوت دی تھی کہ اے میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمایئے۔ وہ مدد اس طرح ہوئی کہ عذاب آیا۔ چنانچہ فرمایا کہ جب ہمارا حکم آگیا، یعنی عذاب کا حکم آگیا تو ہم نے ساری بستیوں کو اُلٹ دیا، ان کا اُوپر والا حصہ نچلا والا حصہ بن گیا اور ہم نے ان پر ٹھیکریوں اور پتھروں کی بارش برسائی۔

## دنیا میں سطح سمندر سے سب سے پست جگہ

یہ جو فرمایا کہ "جعلنا عالیها سافلها" کہ ہم نے ان بستیوں کے اُونچے والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا۔ اس کا ایک مطلب اور بھی ہے، جو ہمیں

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۸۲)

وہاں جا کر پتہ چلا جہاں یہ واقعہ ہوا ہے۔ وہ یہ کہ یہ بستیاں جس جگہ پر آباد تھیں آج بھی ساری دنیا میں سطح سمندر سے سب سے زیادہ نیچی وہ جگہ ہے، وہاں پر جگہ جگہ بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ سطح سمندر سے اتنی نیچی ہے، یعنی سطح سمندر سے سب سے زیادہ نیچی زمین دنیا میں کہیں اور نہیں ہے۔

## یہ بستیاں مکہ سے زیادہ دور نہیں

آگے فرمایا:

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ (۱)

یہ بستیاں ان ظالموں سے یعنی مشرکین مکہ سے دور بھی نہیں ہے۔

جب یہ لوگ شام جاتے ہیں تو جاتے اور آتے وہ بستیاں ان کے راستے میں پڑتی ہیں۔ بہر حال! یہ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ تھا اور ان کی یہ دعا کہ "رب انصرنی علی القوم المفسدین" اس دعا کی قبولیت کس طرح ہوئی، اس کا یہ واقعہ تھا۔

## اس دعا میں یہ سبق دیا جارہا ہے

اس دعا میں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ آدمی کسی بھی مصیبت کا شکار ہو یا اندیشہ کا شکار ہو، اس موقع پر بندے کا پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (۸۳)

کرے، اسباب بیشک اختیار کرے، لیکن اسباب کا درجہ بعد میں ہے اور دعا کا درجہ پہلے ہے، دیکھیۓ! حضرت لوط علیہ السلام کے پاس کیا اسباب تھے؟ نہ ان کی قوم تھی، نہ خاندان تھا، نہ ہتھیار تھے، نہ کوئی ظاہری قوت تھی، تو قوت جمع کرنے کی فکر کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا، اور یہ دعا کی کہ ''رب انصرنی علی القوم المفسدین'' لہٰذا جب کبھی مفسد لوگوں سے مقابلہ ہو تو پہلے جواب میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں۔

## اس دعا کی قبولیت

ہر انسان کو اپنی زندگی میں اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں، جن میں مفسد لوگوں سے سابقہ پڑ جاتا ہے، اس موقع پر انسان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، بعض اوقات رجوع کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنا کرشمہ بھی دکھلا دیتے ہیں۔ البتہ بعض اوقات اس دعا کی قبولیت اور اس کے نافذ ہونے میں وقت بھی لگ جاتا ہے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے دعا مانگی تو اس کے بعد ہی تو یہ سب قصے پیش آئے کہ ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر حملہ کر دیا اور آپ کو پریشان کیا، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قوم سے نجات عطا فرمادی۔

## اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں

ایسا ہی ایک اور منظر اللہ تعالیٰ نے ہمیں طالبان کا دکھا دیا، دیکھیۓ خالی دعا کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ دعا کے ساتھ ساتھ انسان عمل بھی کرے، ہاتھ پاؤں

مارے، کچھ قدم آگے بڑھائے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے قدم بڑھائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے، اب دیکھئے! طالبان کی دعا قبول ہونے میں بیس سال لگ گئے، لیکن اگر آدمی عزم سے، ہمت سے، استقامت سے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا سے لگا رہے تو مدد ضرور آتی ہے، چنانچہ یہ مقولہ مشہور ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں

بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے تحت دیر ہو جاتی ہے، لیکن اگر آدمی سیدھے راستے پر ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے رجوع بھی کر رہا ہے اور اس کے لئے قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہے، اس کے لئے دکھ سہنے کو بھی تیار ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے۔

## آج کل اس دعا کو اپنا وِرد بنانا چاہئے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝ (۱)

اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے۔ اور تمہیں ثابت قدم رکھیں گے۔

اب ہمارے سامنے بھی اس وقت ہر طرح کا فساد مچا ہوا ہے، اخلاقی فساد، مذہبی فساد اور دینی فساد اور جارحیت کا فساد دنیا میں کہاں مسلمانوں پر ظلم نہیں ہو رہا ہے، فلسطین میں، کشمیر میں، شام میں، لیبیا میں، جگہ جگہ مسلمان ظلم کا شکار

---

(۱) سورۃ محمد: آیت (۷)

ہیں۔ راستہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔ اور صحیح سمت میں قدم بڑھائے۔ اگر وہ صحیح سمت میں قدم نہیں بڑھا رہا ہے مثلاً مغرب کی طرف جا رہا ہے اور دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مشرق میں پہنچا دے، تو یہ دعا نہیں ہے بلکہ مذاق ہے۔ لہٰذا اس فساد کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کے راستے میں قدم بڑھائے، جتنا اس کے بس میں ہے، اتنا کر گزرے۔

## گناہوں سے توبہ کرو، پھر دعا کرو

آج ہر جگہ گناہوں کی فضا ہے، فسق و فجور کی فضا ہے، آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی، مجلسیں بے دینی سے بھری ہوئی ہیں، یا اللہ! مجھے اس قومِ مفسدین سے بچالے۔ لیکن ساتھ ہی آدمی کچھ قدم تو بڑھائے، یہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے تو یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے گناہوں سے بچالے اور خود گناہوں کے سارے اسباب اختیار کر رکھے ہیں، پھر کیسے گناہ سے بچے گا؟ اسباب تو گناہ سے بچنے کے اختیار کرے، اور اپنے اُوپر کچھ پابندیاں تو عائد کرے کہ آئندہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا، غیبت نہیں کروں گا، نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا، کچھ قدم تو آگے بڑھائے، پھر اللہ تبارک تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے فساد سے بچا لیجئے۔

## اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مایوس نہ ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مایوسی کو کفر قرار دیا ہے، فرمایا:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ(۱)

اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔

لہٰذا مایوس ہو کر مت بیٹھو، قدم بڑھاتے رہو، چلتے رہو، اور اپنے آپ کو برائی سے روکتے رہو، اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو، حدیث میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَ إِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً(۲)

جو بندہ استغفار کرتا رہتا ہے، وہ بندہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں شامل نہیں ہوتا۔ لہٰذا استغفار کی کثرت کرو۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے رہو، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو تو ان شاء اللہ ضرور مدد ہوگی، مایوسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) سورۃ الزمر: آیت (۵۳)

(۲) سنن أبي داؤد ۲ / ۳۸۰ (۱۵۰۹) و سنن الترمذی ۵ / ۵۲۳ (۳۵۵۹) قال الترمذی: هذا حديث غريب انما نعرفه من حديث أبي نصيرة وليس اسناده بالقوي، والحديث ذكره الحافظ ابن حجر في "فتح الباري" ۱ / ۱۱۲ وقال: اسناده حسن.

# دعا نمبر ۳۱ و ۳۲

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۳۱ و ۳۲

## رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: مناجاتِ مقبول میں قرآنی دعاؤں کا بیان عرصہ سے چل رہا ہے، آگے جو دعا آرہی ہے، یہ دعا اللہ تعالیٰ نے ''سورۂ مؤمن'' میں بیان فرمائی ہے، سورۂ مؤمن کو ''سورۂ غافر'' بھی کہتے ہیں، یہ ان سورتوں میں سے ہے جو ''حوامیم'' کہلاتی ہیں، یعنی بہت سی سورتیں وہ ہیں جو ''حٰم'' سے شروع ہوتی ہیں اور ''سورۂ مؤمن'' سے سورۃ احقاف تک سات سورتیں ہیں، ان کو ''عرائس القرآن'' بھی کہتے ہیں یعنی ''قرآن کی دلہنیں'' یعنی ان سورتوں کا جو اُسلوب اور انداز ہے اور ان میں جو فصاحت وبلاغت ہے وہ ایک خصوصی امتیاز رکھتا ہے اور زیب و زینت رکھتا ہے، اس لئے ان کو ''عرائس القرآن'' بھی کہتے ہیں اور ان سورتوں کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ

نے اپنی توحید، اپنی قدرت، اپنی رحمت، اپنی حکمت کا بیان کچھ نرالے انداز میں فرمایا ہے۔

## یہ فرشتوں کی دعا ہے

"مناجاتِ مقبول" میں آگے جو دعا ہے، وہ یہ ہے:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۱)

یہ دعا اصل میں فرشتوں کی دعا ہے، اس دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲)

یعنی وہ فرشتے جو عرش اُٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ویسے تو بیشمار فرشتے پیدا فرمائے ہیں۔ اور ہر فرشتہ کے ذمہ کوئی نہ کوئی ڈیوٹی ہے، ہر انسان کی حفاظت کے لئے چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، کافر ہو، اس کی جسمانی حفاظت کے

---

(۱) سورۃ الغافر: آیت (۷ تا ۹)

(۲) سورۃ الغافر: آیت (۷)

لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، کسی فرشتے کا کام کچھ ہے، کسی کا کام کچھ ہے۔

## ''عرش'' کیا چیز ہے؟

کچھ فرشتے وہ ہیں جو ''عرش'' کو اُٹھائے ہوئے ہیں، ''عرش'' کیا ہے؟ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اس کی وسعت کیا ہے؟ ہم اور آپ اس کا تصور اور ادراک نہیں کرسکتے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ ایک ''عرش'' ہے جو اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے، اس لئے کہ ''عرش'' کے معنیٰ ''تخت'' کے ہوتے ہیں، جس طرح ایک بادشاہ ہوتا ہے، وہ اپنا ایک ''تخت'' رکھتا ہے اور اس تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرتا ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ بیٹھنے سے اور تخت سے بے نیاز ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری فہم اور سمجھ سے قریب کرنے کے لئے اپنی سلطنت کا جب بیان فرمایا تو اس میں یہ بتایا ہے کہ ہمارا ''عرش'' بھی ہے، اور اس ''عرش'' کو اُٹھانے والے فرشتے بھی ہیں۔

## حاملینِ عرش مقرب فرشتے

روایات [1] سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے عرش کو اُٹھانے والے فرشتے چار ہیں، اس لئے کہ بظاہر عرش کے چار کونے ہیں، اس لئے اس کو چار فرشتے اُٹھاتے ہیں، لیکن آخرت میں قیامت کے دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) العظمة لأبي الشيخ: ۳ / ۹۵۷ (۴۸۳)

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ○ (۱)

یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔

بہر حال! جو فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اُٹھائے ہوئے ہیں، وہ انتہائی مقرب فرشتے ہوں گے۔ فرض کرو کہ ایک بادشاہ ہے، اس نے مختلف کاموں کے لئے مختلف کارندے مقرر کئے ہیں، چنانچہ وہ بادشاہ بہت سے کارندوں کو مختلف کاموں کے لئے باہر بھیج دیتا ہے، اور کچھ کارندوں کو وہ بادشاہ اپنے پاس رکھتا ہے، اور جن کو بادشاہ اپنے پاس رکھتا ہے، وہ مقرب ترین لوگ ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ جو عرش اُٹھانے والے فرشتے ہیں، وہ بڑے مقرب ملائکہ ہیں، اور ان مقرب فرشتوں کا ایک لقب ہے جو مشہور ہے، وہ ہے ''کروبی'' یہ لفظ فارسی میں بہت استعمال ہوتا ہے۔

## ''حاملینِ عرش'' کے اذکار

اس سورۂ مؤمن کی ابتدائی آیات میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی چند صفات کا بیان فرمایا ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے منکر ہیں، ان کا بھی ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ جو فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ فرشتے یہ عمل کرتے ہیں کہ:

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ

---

(۱) سورۃ الحاقۃ: آیت (۱۷)

یعنی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں، یعنی پاکی بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور ان کے لئے یہ دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (۱)

پہلے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، لہٰذا جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور جن لوگوں نے آپ کے راستے کی پیروی کی ہے، انہیں بخش دیجیے اور ان کو جہنم کی آگ سے بچایئے۔

## حاملینِ عرش کی دوسری دعا

دوسری دعا یہ کرتے ہیں کہ:

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۲)

---

(۱) سورۃ الغافر: آیت (۷)

(۲) سورۃ الغافر: آیت (۸ و ۹)

اے ہمارے پروردگار! ان کو دائمی جنت میں داخل فرمادیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، ان کو بھی جنت میں داخل فرمائیے اور ان کے آباء کو بھی، باپوں کو بھی اور ان کی بیویوں کو بھی اور ان کی اولاد کو بھی، بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو برائیوں سے بچائیے اور اس دن آپ نے جس کو برائیوں سے بچالیا تو اس پر آپ کی رحمت آئے گی اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ ان فرشتوں کی دعا ہے۔

## انہی فرشتوں نے انسان کی تخلیق پر اعتراض کیا

اب ذرا اس پر غور فرمائیے کہ یہی فرشتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمارہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس وقت فرمایا تھا کہ:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [1]

کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنارہا ہوں، اس وقت انہی فرشتوں کو تعجب ہوا تھا اور انہوں نے اس وقت یہ کہا تھا کہ:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ

آپ ایسی مخلوق پیدا کررہے ہیں جو زمین میں فساد مچائے گی اور خون بہائے گی، جبکہ ہم آپ کی تسبیح کررہے ہیں، آپ کی حمد کررہے ہیں، آپ کی

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت (۳۰)

تقدیس کرتے ہیں، لہٰذا ایسی مخلوق پیدا کرنے کی کیا مقصد ہے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیوں پیدا کررہے ہیں؟

## ''اطاعت'' فرشتوں کا کمال نہیں، انسان میں کمال ہے

جواب میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا کہ:

اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○

یعنی میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

مطلب اللہ تعالیٰ کا یہ تھا کہ تم جو میری تسبیح کررہے ہو، یا تحمید اور تقدیس کررہے ہو، اور ہماری اطاعت کررہے ہو، اس میں تمہارا کیا کمال ہے؟ ہم نے تمہیں معصیت اور گناہ کی صلاحیت ہی نہیں دی، تمہارے اندر وہ جذبہ اور خواہش ہی پیدا نہیں کی جو تمہیں گناہوں کی طرف لے جاتی۔ اب ہم ایسی مخلوق پیدا کررہے ہیں جس کے دل میں جذبات بھی ہوں گے، خواہشات بھی ہوں گی، گناہوں کے داعیے بھی اس کے دل میں پیدا ہوں گے، اس کے باوجود ہماری عظمت اور محبت کی وجہ سے ان خواہشات کو ملیا میٹ کرے گا اور گناہوں کے جذبات کو مٹا کر پھر ہمارا قرب حاصل کرے گا۔

## انسان کو فرشتوں سے سجدہ کرایا

تمہیں جو قرب حاصل ہے وہ تمہاری تسبیح اور تقدیس کی وجہ سے اور تمہاری اطاعت کی وجہ سے حاصل ہے، جبکہ تمہارے اندر معصیت کی صلاحیت ہی نہیں ہے، ہم اب ایسی مخلوق پیدا کرنے جارہے ہیں جس کے اندر گناہ کے سارے

تقاضے ہوں گے، جس کے جذبات مچلیں گے، جس کے اندر خواہشات پیدا ہوں گی، اس کے دل میں گناہ کے داعیے اُبھریں گے، مگر جب وہ گناہوں کے سارے داعیوں کو مغلوب کر کے ہماری اطاعت کرے گا تو پھر ایسا بن جائے گا کہ ہم تمہیں حکم دیں گے کہ اس کو سجدہ کرو، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا، کس سے کرایا؟ معصوم لوگوں سے، جن سے کوئی خطا سرزد ہی نہیں ہوتی، جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کے سوا کوئی اور کام نہیں۔ ان سے سجدہ کروایا، کس کو کرایا؟ اس مخلوق کو جس سے خطا ہوتی ہے اور جب اس سے خطا ہوجائے گی تو وہ ہمیں پکارے گا اور ہم سے استغفار کرے گا اور پھر ہم اس کی مغفرت کریں گے تو اس وقت اس کا درجہ تم سے بھی آگے بڑھ جائے گا۔

## خوبی میری یہی تھی کہ اہلِ خطا تھا میں

اسی بات کو میں نے ایک شعر میں کہا ہے کہ ؎

معصوم تھا، ناواقفِ سجود و دعا تھا میں
خوبی میری یہی تھی کہ اہلِ خطا تھا میں

یعنی خطا کرنے کی صلاحیت میرے اندر موجود تھی، اس کے باوجود یا تو اس سے بچ گیا یا اگر کہیں مبتلا ہوگیا تو اپنے پروردگار سے استغفار کیا۔ ایک اور شعر کہا تھا کہ ؎

معصوم سرنگوں تھے خطا وار کے حضور
رتبہ اس انجمن میں اس بے نوا کا ہے

معصوم کون؟ فرشتے، سرنگوں تھے، یعنی سجدہ کر رہے تھے۔

## یہ کتنی عظیم مخلوق ہے؟

بہر حال! جس وقت اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تھا، اس وقت فرشتوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مخلوق کو کیوں پیدا کیا جارہا ہے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس مخلوق میں انبیاء کرام وجود میں آئے، اور انہوں نے کس طرح دین کو پھیلایا، اور کس طرح انسان کو غفلت سے بچنے کی تدبیریں بتائیں، گناہوں سے بچنے کی تدبیریں بتائیں اور گناہوں کے جذبہ کے باوجود ان کو نیکی کی طرف دعوت دی، اور نیکی کے لئے تربیت فرمائی، تب ان کو پتہ چلا کہ یہ کتنی عظیم مخلوق ہے، اس لئے فرشتے ان کے لئے استغفار کررہے ہیں:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ (۱)

## تسبیح اور تقدیس کے علاوہ زمین والوں کے لئے استغفار

یہ تو پتہ تھا کہ ان کے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت تھی، اگر صلاحیت کے باوجود یہ گناہ سے بچ جائے تو اس کا مقام بہت اُونچا ہے، بہر حال! یہ فرشتے ایک طرف تو زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اپنا اصل کام تسبیح اور تقدیس کا وہ تو کرتے ہی ہیں اور اس کے علاوہ ایک دعا یہ کرتے ہیں کہ:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: آیت (۵)

وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (۱)

اے اللہ! آپ کی رحمت اور آپ کا علم سارے جہان پر وسیع اور کشادہ ہے۔ تو آپ ان کی مغفرت کردیجئے جو آپ کی طرف رجوع کریں۔ تاب یتوب کے معنی عربی میں ''لوٹنے'' کے آتے ہیں، یعنی جو لوٹے، یعنی اے اللہ! جو شخص دنیا کی اور گناہ کی خواہشات سے منہ پھیر کر آپ کی طرف متوجہ ہو، آپ ان کی مغفرت فرمادیجئے، تاکہ آپ کا مقصدِ تخلیق پورا ہوجائے، اور جو لوگ آپ کے راستے کے پیچھے چلے، ان کی مغفرت فرمادیجئے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیجئے۔

## فرشتوں کے دلوں میں انسان کا حسد نہیں

بہر حال! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان فرشتوں کا ایک کام تو عرش کو اُٹھانا ہے اور عرش کو اُٹھاتے ہوئے اے انسانو! تم سب کے لئے دعا کررہے ہیں اور استغفار کررہے ہیں، اگرچہ تمہارے جدّ امجد کو ان سے سجدہ کرایا گیا تھا، لیکن اس کی وجہ سے ان فرشتوں کے دل میں تمہاری طرف سے کوئی حسد پیدا نہیں ہوا کہ ہم تو ساری زندگی تقدیس اور تحمید میں لگے رہے اور یہ نو وارد مخلوق آگئی جو گناہ بھی کرتی ہے اور پھر سجدہ بھی ہم سے کرایا جارہا ہے، اس کی وجہ سے ان کے دل میں کوئی حسد پیدا نہیں ہوا، بلکہ وہ فرشتے اور زیادہ تمہاری خیرخواہی چاہتے ہیں۔ اسی لئے مستقل تمہارے لئے دعائیں کررہے ہیں، اور جب وہ فرشتے تمہارے لئے استغفار اور دعا کررہے ہیں تو تم کم از کم اتنا سمجھ لو کہ مجھے کیوں پیدا کیا گیا تھا اور میں کیا کررہا ہوں؟

---

(۱) سورۃ الغافر: آیت (۷)

## ایک عظیم سبق

اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ سکھا رہے ہیں کہ جو اللہ کا نیک بندہ ہوتا ہے وہ صرف اپنے لئے نہیں جیتا، وہ خود غرض نہیں ہوتا کہ بس میں ہوں اور مجھے اپنی نجات سے غرض ہے، اور مجھے جنت میں پہنچنے سے غرض ہے، اور ساری دنیا سے میں بے نیاز ہوں، یہ نیک آدمی کا کام نہیں، نیک آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ خود بھی نیک بنے اور دوسروں کی نیکی کے لئے کوشش بھی کرے، اور اس کوشش کا ایک حصہ یہ ہے کہ ان کے حق میں دعا کرے، یہ بڑا عظیم سبق ہے، جو اللہ تعالیٰ ہمیں ان آیات کے ذریعہ دے رہے ہیں۔

## دین نام ہے ''خیر خواہی'' کا

اس لئے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ(۱)

یعنی دین نام ہے ''خیر خواہی'' کا اور ہر ایک کی خیر خواہی، یہاں تک فرمایا کہ اللہ کی خیر خواہی۔ اب اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی کیا ہوگی؟ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی خیر خواہی، یعنی ان کی اطاعت اور اتباع کی جائے اور ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، اور مسلمانوں کے جو حکام ہیں، ان کی خیر خواہی اور سارے مسلمانوں کی خیر خواہی۔

---

(۱) صحیح مسلم ۱ / ۷٤ (۵۵)

اس لئے کہ دین نام ہے ''خیر خواہی'' کا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کے دل میں دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے خیر خواہی ہونی چاہئے۔

## گناہگاروں کے لئے دعا کرو

فرض کریں کہ اگر کوئی شخص غلط راستے پر جارہا ہے، وہ گناہ گار ہے، فاسق ہے، فاجر ہے، تو ایک مؤمن کے دل میں اس گناہ گار کے لئے بھی خیر خواہی ہونی چاہئے، کیا خیر خواہی؟ وہ یہ کہ کم از کم اس کے لئے دعا کرلو کہ اے اللہ! یہ بندہ راستے سے ہٹا ہوا ہے، اور جہنم کی طرف جارہا ہے، اے اللہ! اپنے فضل سے اس کو صحیح راستے پر لے آیئے، اب ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، ہم سب اپنے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اہلِ دین ہیں، دیندار ہیں، اور دینداروں کی صحبت میں رہتے ہیں، جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں، فسق و فجور میں مبتلا ہیں، دین سے دور ہیں، دین سے برگشتہ ہیں، کبھی ہم نے ایسے لوگوں کے لئے کبھی دعا کی؟ ایسے لوگوں کو ہم دن رات برا بھلا تو کہتے رہتے ہیں کہ یہ فاسق وفاجر لوگ ہیں، یہ سیکولر ہیں، یہ لبرل لوگ ہیں اور ان کی تردید کے لئے اور ان سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے، ان کو طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں اور اس کو دین کا تقاضا سمجھا جاتا ہے۔

## گناہ گار حقیقت میں بیمار ہے

لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ جو لوگ گمراہ ہیں وہ درحقیقت بیمار ہیں اور بیمار پر غصہ نہیں آتا، بلکہ بیمار کے لئے دل میں ترس آتا ہے، لہٰذا ان کے حق میں

دعا کرنی چاہئے، لیکن دن رات ہماری زبانوں میں ان کو بے دین کہا جاتا ہے اور ان کی مذمت کی جاتی ہے، بہرحال! ان کے اعمال کی مذمت کرنی چاہئے، لیکن آج کل ان کے اعمال کی اس طرح مذمت کی جاتی ہے جس میں ان کی تحقیر شامل ہوتی ہے، جبکہ حضرات انبیاء گمراہوں پر غصہ نہیں کرتے تھے، بلکہ گمراہوں کے ساتھ خیر خواہی فرمایا کرتے تھے، ان کے لئے دعائیں کرتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱)

جس نبی پر پتھر برسائے جا رہے ہیں، جس کو لہولہان کیا جا رہا ہے، وہ یہ دعائیں کر رہا ہے کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دیدیجئے، وہ لوگ بے چارے نادان ہیں، نادانی میں میرے اُوپر پتھر برسا رہے ہیں، نادانی میں مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

## ایک جسمانی بیمار، ایک روحانی بیمار

جیسے کوئی شخص بیمار ہو جائے تو کیا آپ اس پر غصہ کریں گے؟ کہ کیوں بیمار ہو گیا؟ بس! دونوں میں اتنا فرق ہے کہ "بیمار" اپنے اختیار سے بیمار نہیں ہوتا، اور جو شخص فسق و فجور کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے، لیکن اس لحاظ سے دونوں برابر ہیں کہ ایک جسمانی بیمار ہے اور ایک روحانی بیمار ہے، لہٰذا ان کے افعال کی تو مذمت کرنی چاہئے اور ان کے افعال سے اور ان کے کاموں سے براءت کرنی چاہئے کہ وہ جو کام کر رہے ہیں، وہ غلط کر رہے ہیں، لیکن ان کی

(۱) شعب الایمان للبیهقی ۳ / ۴۵ (۱۳۷۵) واصله فی صحیح البخاری ۴ / ۱۷۵ (۳۴۷۷)

تحقیر نہیں کرنی چاہئے، بلکہ ان کے حق میں دعا کریں کہ یا اللہ! ان کو ٹھیک کر دیجئے۔ یا اللہ! ان کو راہِ راست پر لے آیئے جیسے حاملانِ عرش کے فرشتے ہم سب کے لئے دعا کر رہے ہیں۔

## ذات کی تحقیر اور تذلیل ہرگز نہ کریں

"اَلنُّصْحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ" کا تقاضا یہ ہے کہ جو مسلمان بھی کسی غلط راستے پر جارہا ہے، اس کے عمل کی تحقیر اور تذلیل بے شک ہو، لیکن اس کی ذات کی تحقیر اور تذلیل کے بجائے اس سے خیر خواہی کا مظاہرہ کیا جائے، اور اس کے لئے دعا کی جائے۔ دعا کے بجائے اس کی تحقیر اور تذلیل اس تصور کے ساتھ کی جاتی ہے کہ ہم تو بڑے پاکباز ہیں، اور ہم بڑے دیندار ہیں اور ہمارے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے، ہم مسجدوں میں جانے والے ہیں، ہم نمازیں پڑھنے والے ہیں، ہم روزے رکھنے والے ہیں، ہم حتی الامکان گناہوں سے بچنے والے ہیں، اور ان کو نہ نماز کی فکر، نہ روزے کی فکر، نہ زکوۃ کی فکر، نہ حج کی فکر، نہ گناہوں سے بچنے کی فکر۔ لہٰذا پہلے ہی مرحلے میں اپنے پاکباز ہونے کا تصور دل میں پیدا ہوگیا، اور ان کے بارے میں یہ تصور باندھ لیا کہ وہ ذلیل اور حقیر ہیں۔ اب یہاں سے راستہ ہی ٹیڑھا ہوگیا۔

## جناب بھائی شرافت حسین صاحب

ارے بھائی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو توفیق دیدی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ تمہیں ایسے خاندان میں پیدا کر دیا، اور تمہیں ایسا

ماحول عطا کردیا اور تمہیں ایسی صحبت بخش دی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں نیک اعمال کی توفیق ہورہی ہے، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور دوسرے لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ اور ان کے لئے دعا کرو۔ میرے خسر صاحب جناب شرافت علی صاحب مرحوم، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ بزرگوں کے صحبت یافتہ اور ان سے محبت کرنے والے تھے، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب کے چہیتے تھے، حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ اس زمانے میں جتنے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں جاتے اور ان کی صحبت حاصل کرتے۔

## لفظ ''بیچارے'' کا استعمال

ان کی ایک عادت بڑی عجیب تھی، اور اب تک وہ مجھے یاد رہتی ہے، وہ یہ کہ اگر ان کے سامنے کسی ایسے شخص کا تذکرہ آجاتا جو دین سے غافل ہے، اس کے بارے میں وہ یہ الفاظ نہیں کہتے تھے کہ وہ بے دین ہے، وہ فاسق و فاجر ہے، وہ گناہگار ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ الفاظ کہتے کہ وہ ''بیچارے'' نماز نہیں پڑھتے، لفظ ''بیچارے'' استعمال کرتے، جیسے کسی بیمار کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''بیچارے'' کو کینسر ہوگیا، اس طرح اس پر ترس کھاتے ہوئے اس کا تذکرہ کرتے۔

## وہ شخص سب سے زیادہ تباہ حال ہے

بہرحال! اگر کوئی شخص غلط راستے پر جارہا ہے، تو اپنے آپ کو اس کے

مقابلے میں اُونچا سمجھ کر نصیحت کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، خیر خواہی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو ٹھیک کر دیجئے، اس کو صحیح راستہ دکھا دیجئے، اور اس کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرما دیجئے، بجائے اس کے کہ اس کی برائیوں کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اسی لئے ایک حدیث میں ایک جملہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جو ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے، فرمایا:

مَنْ قَالَ: هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ (۱)

جو شخص یہ کہے کہ سارے انسان تباہ ہو گئے، وہ کہنے والا شخص ان میں سب سے زیادہ تباہ حال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مقدس سمجھتے ہوئے یہ نہ کہو کہ ساری دنیا تباہ ہو گئی، اس جملہ کا آغاز ہی تکبر، غرور اور عجب سے ہو رہا ہے، کہ میں بہت اچھا اور بہت پاکباز ہوں اور ساری دنیا تباہ ہو گئی۔

## میں عقلِ کل ہوں

بعض لوگوں کو اپنی رائے پر اتنا جمود ہوتا ہے کہ میری عقل میں جو بات آگئی وہ بالکل درست ہے، اس لئے کہ ہم عقلِ کل ہیں۔ کبھی ان کے دل میں بات نہیں آتی کہ جو میں سمجھ رہا ہوں، اس میں دوسرا احتمال بھی ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا، جو دوسرا کہہ رہا ہے وہ غلط ہے، وہ تو بیوقوف ہے، عقلِ کل تو میں ہوں۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) مسند الطيالسي ٢ / ٧٣٩ (٢٥٦٠) و صحيح مسلم ٤ / ٢٠٢٤ (٢٦٢٣)

فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ شخص تباہ ہے۔

## فرشتوں کو دعا کرنے کی کیا ضرورت؟

اب دیکھئے! ملائکہ کو کیا ضرورت کہ وہ ہم جیسے انسانوں کے لئے دعائیں کریں، اور اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت کہ ان ملائکہ کی دعاؤں کا تذکرہ ہم سے کریں، اور کیوں اس سورت کے اندر تذکرہ کریں جو قرآنِ کریم کی دلہن ہے، درحقیقت اس لئے تذکرہ کر رہے ہیں کہ تم ان سے سبق لو، ان فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ [1]

ان فرشتوں کو کیا ضرورت کہ وہ زمین والوں کے لئے استغفار کریں؟ لیکن وہ فرشتے جو بھی کام کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم و ارادے سے کر رہے ہیں، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو یہ بتلا رہے ہیں کہ فرشتے تمہارے لئے دعائیں کر رہے ہیں، لہٰذا جو بندے گناہوں میں مبتلا ہیں، تم بھی ان کو برا بھلا کہنے کے بجائے تم ان کے حق میں دعا کرو۔

## تمہارا کام گناہوں سے بندوں کو روکنا

ایسے بندوں کے حق میں تمہارا سب سے پہلا کام ان کو "دعوت" دینا ہے،

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: آیت (۵)

یہ کام فرشتوں کا نہیں، تمہارا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ(۱)

یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی برا کام ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے تو پہلا کام یہ ہے کہ ہاتھ سے اس کو درست کردے۔ ہاتھ سے درست کرنا صاحبِ اقتدار کا کام ہے، جس کو جہاں اقتدار حاصل ہے، اگر مجھے گھر پر اقتدار حاصل ہے، تو میں اگر گھر میں کوئی منکر دیکھوں تو ہاتھ سے اس کو روکوں، اگر مجھے کسی ادارے پر اقتدار حاصل ہے تو اس ادارے کے اندر جو غلط کام ہو رہا ہے تو میں اس کو ہاتھ سے روکوں، اگر مجھے ملک پر اقتدار ہے تو میرا فرض ہے کہ ملک میں ہونے والے منکر کو ہاتھ سے روکوں، اپنی قوتِ اقتدار سے روکوں۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہیں ہے تو کم از کم زبان سے اس کو دعوت دوں۔ اور زبان سے روکنے کی کوشش کروں۔

## بے نمازی کو حکمت سے دعوت دو

مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا، تو اس کو طعنے دینے کی بجائے اس کو دعوت دو، اور اس طرح دو کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ(۲)

یعنی اس کو حکمت کے ساتھ دعوت دو، اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو،

---

(۱) صحیح مسلم ۱ / ۶۹ (۴۹)

(۲) سورۃ النحل: آیت (۱۲۵)

موقع محل دیکھ کر ایسی جگہ دعوت دو جہاں اس کی تذلیل نہ ہو، خلوت میں، تنہائی میں، محبت کے ساتھ، پیار کے ساتھ اس کو بلاؤ، یہ کام فرشتوں کے ذمے نہیں ہے، لیکن تمہارے ذمہ ہے، فرشتوں نے تمہیں سجدہ کیوں کیا تھا؟ اس لئے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۱)

تم صرف اپنے لئے پیدا نہیں ہوئے ہو۔ بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے پیدا ہوئے ہو۔

## دعوت دینے کے آداب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دینا بیشک تمہارا کام ہے۔لیکن دعوت دینے کے آداب بھی ہم نے اس آیت میں بتادیئے ہیں کہ

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۲)

اور اگر کبھی بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو وہ بھی اچھے طریقے سے کرنا، بازاری انداز اختیار مت کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ (۳)

---

(۱) سورۃ آل عمران: آیت (۱۱۰)

(۲) سورۃ النحل: آیت (۱۲۵)

(۳) سنن أبي داؤد ٥ / ٤١٢ (٤٨٨٢) والأدب المفرد للبخاري ص ٩٣ (٢٣٩) وقال الحافظ ابن حجر في بلوغ المرام ص ٤٦٠ (١٥٤٩) أخرجه أبو داؤد باسناد حسن.

مؤمن، مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے۔

جیسے ایک آئینہ ہو، اس کے سامنے آدمی کھڑا ہو جائے تو اس کے اندر اس کو اپنا عیب نظر آجائے گا، اسی طرح ایک مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے، اگر مؤمن کے اندر کوئی عیب ہے تو وہ اس کو بتا دیتا ہے، لیکن اسی کو بتاتا ہے، دوسروں سے گاتا نہیں پھرتا۔

## گناہگاروں کے لئے دعا کرو

بیشک یہ تمہارا کام ہے کہ تم دوسروں کو دین کی دعوت دو، چاہے وہ دعوت زبانی ہو، چاہے تحریری ہو، چاہے انفرادی ہو، چاہے اجتماعی ہو، دوسرا کام یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی کی خاطر ان کے حق میں دعا کرو، کہ یا اللہ! یہ بھی ہمارے بھائی ہیں، اور ہماری طرح یہ بھی آپ کے بندے ہیں اور ایک روحانی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اے اللہ! ان کو اس بیماری سے نکال دیجئے۔ اور ان کی اصلاح فرما دیجئے، ان کی مغفرت فرما دیجئے۔ یہ ہے ایک مؤمن کا کام۔ ہم لوگ جن کے کاموں کو برا سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں ہمارے اندر یہ جذبات ہیں یا نہیں؟ ہمارے اندر دشمنی کے جذبات ہیں یا خیر خواہی کے جذبات ہیں۔

## حکومت کے سربراہ کو برا مت کہو

آج یہ فیشن بن گیا ہے کہ جو حکومت کو برا کہے، وہ بڑا زبردست مجاہد ہے، لیکن انبیاء کو دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون جیسے آدمی کے پاس دعوت دینے کے لئے جا رہے ہیں تو ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○ (۱)

یعنی اس سے نرم انداز میں بات کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرلے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈر جائے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ فرعون نہ نصیحت قبول کرے گا اور نہ اس کے دل میں آخر دم تک خدا کا خوف پیدا ہوگا، لیکن داعی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تمہارے دل میں یہ امید ہونی چاہئے کہ وہ میری بات سنے گا اور خشیت اختیار کرے گا، لہٰذا اس امید کے ساتھ جاؤ اور نرم انداز میں بات کرو۔

## فرعون سے نرمی سے بات کرنا

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر مصلح نہیں ہوسکتے اور تمہارا مخالف فرعون سے بڑھ کر گمراہ نہیں ہوسکتا، مگر وہاں بھی یہ حکم دیا جارہا ہے کہ نرمی سے بات کرنا، تو ہم اور آپ کس شمار قطار میں ہیں۔

بہرحال! اگر پیغمبرانہ اُسلوب اختیار کیا جائے، جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور جو آپ کی تعلیمات کا بڑا عظیم حصہ ہے، تو بہت سے لڑائی جھگڑے ختم ہوجائیں اور کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا۔ ان شاء اللہ۔

---

(۱) سورۃ طٰہٰ: آیت (٤٤)

## نصیحت کی تین شرطیں

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو بڑی حکمت کی بات ہے، اور ہم جیسے لوگوں کو یاد رکھنی چاہئے۔ فرماتے تھے کہ:

''حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے، کہی جائے تو کبھی بے اثر نہیں ہوتی اور نہ اس سے کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہے۔''

تین شرطیں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ بات حق ہو۔ دوسرے یہ کہ نیت حق ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ''اخلاص'' ہو کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں، اللہ کے لئے کہہ رہا ہوں، اپنے آپ کو ''مجاہد'' کہلوانے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں، اور لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ لوگوں کے دِلوں میں اپنا مرتبہ بڑھانے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ اللہ کے لئے کہہ رہا ہوں۔ تیسرے یہ طریقہ ہو، مثلاً بجائے نرمی سے بات کرنے کے آپ نے دوسرے کے اُوپر لٹھ ماردیا، یعنی ایسا جملہ کہہ دیا جو اس کے اُوپر لٹھ کی طرح جاکر پڑا، تو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔

## خلاصہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ہمیں جو یہ خبر دی ہے کہ حاملینِ عرش ملائکہ بھی ہمارے حق میں دعائیں کرتے ہیں، مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور جہنم سے بچانے کی دعا کرتے ہیں اور یہ درحقیقت ہمارے لئے ایک پیغام ہے کہ جس طرح ملائکہ کو تمام انسانوں سے خیر خواہی ہے،

اسی طرح تمہارے دِلوں میں بھی دوسرے تمام انسانوں کی خیر خواہی ہونی چاہئے، اور اس خیر خواہی کے جذبے سے ان پر مذمت کے ڈونگرے برسانے کے بجائے تم ان کو دعوت دو اور ان کے حق میں دعا کرو، جیسے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ اگر یہ بات ہمارے دِلوں میں اُتر جائے اور ہمارے عمل میں اس کا عکس آجائے تو ان شاء اللہ یہ چیز ہمارے حق میں بھی فائدہ مند ہوگی اور معاشرے کے حق میں بھی فائدہ مند ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۳۴

وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ
وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

# فہرستِ مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دُعا

## دعا نمبر ۳۴

وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنۡ تَبِعَھُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: مناجاتِ مقبول میں جو قرآنی دعائیں ہیں، ان کا بیان ایک عرصہ سے چل رہا ہے، چونکہ ہماری ساری دینی زندگی کی جو کچھ دوڑ دھوپ ہے، اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ایک مضبوط تعلق پیدا فرمادے۔ حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے پاس جب کوئی شخص اصلاح کے لئے جاتا تھا تو اس کو متعدد مجاہدات سے گزارا جاتا تھا، مشقتوں سے گزارا جاتا تھا، تاکہ اس کا نفس کچلے اور وہ اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے چلنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنا مقصد بنائے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ سے یہ تعلق کہ وہ میرے خالق اور مالک ہیں، وہ میرے پروردگار ہیں اور میری

ہر بگڑی کو بنانے والے وہ ہیں، جب یہ تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا ہوجاتا ہے تو پھر وہ انسان نفس اور شیطان کے ساتھ جنگ میں ایک قوت حاصل کرلیتا ہے، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط نہ ہو تو پھر ہر ہر قدم پر شیطان انسان کو بہکاتا ہے اور نفس انسان کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔

## اللہ سے تعلق جوڑنے کا آسان طریقہ

لہٰذا اس سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسان اپنا تعلق اور اپنا رشتہ اللہ جل شانہ سے جوڑے، اسی کے لئے تصوف اور طریقت میں ساری دوڑ دھوپ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کا سب سے آسان طریقہ ''مناجات'' یعنی ''دعا'' ہے، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا مانگنے کی عادت، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا، اور اپنی مرادوں کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا، جتنا بندہ اس کا عادی ہوگا، ان شاء اللہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط ہوگا۔

## اب مجاہدات کا دور نہیں رہا

ہمارے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفاء یہ فرمایا کرتے تھے کہ اب وہ دور تو رہا نہیں کہ جس میں لوگوں سے اس قسم کے مجاہدات کرائے جائیں جیسے پچھلے زمانے کے صوفیاء کرام نے اپنے مریدوں سے کروائے، اب نہ لوگوں میں اتنی طلب ہے اور نہ اتنی قوت ہے، نہ لوگوں کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ ان مجاہدات میں اپنا وقت لگائیں۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مجاہدات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ "مجاہدہ" جہاد سے حاصل ہوتا تھا، انسان کے نفس کو کچلنے کا سب سے مؤثر ذریعہ "جہاد" تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پہلے تو مکہ مکرمہ میں رگڑا گیا، کیا کیا آفتیں اور اذیتیں نہیں تھیں جو اُن پر روا نہ رکھی گئی ہوں، لیکن وہاں حکم یہ تھا کہ صبر کرو، جواب نہ دو اور انتقام نہ لو، بلکہ مار کھاتے رہو۔ اور جب مدینہ منورہ میں جہاد کا موقع آیا تو جہاد میں جو مشقتیں اور نفس کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، ایسی قربانیاں دنیا کے کسی اور کام میں نہیں دینی پڑتیں۔ یعنی دنیا میں رہتے ہوئے انسان کسی موقع پر اس سے زیادہ قربانیاں نہیں دیتا، جتنا "جہاد" میں دیتا ہے، لہٰذا جہاد اور غزوات میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشقتوں میں ڈال کر ان سے مجاہدات کرا کے ان کو "صیقل" کر دیا گیا۔ یہ مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

## ہمارے لئے بزرگوں نے آسان راستے بتا دیئے

اب ہم نہ تو اس طرح کی "مکی" زندگی میں ہیں کہ ہم پر مار پڑ رہی ہو اور نہ ہمیں "جہاد" کی توفیق ہو رہی ہے کہ "جہاد" کریں، جن کو اللہ تعالیٰ نے "جہاد" کی توفیق دی، اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی بھی عطا فرما دی، آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس "جہاد" کی برکت سے بڑی بڑی سپر پاور ان نہتوں کے مقابلے میں ڈھیر ہو گئیں، لیکن ہم "جہاد" سے محروم ہیں۔ اب ہمارے پاس نہ تو صوفیاء والے "مجاہدات" ہیں اور نفس کو کچلنے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے

کے لئے ''اسلاف'' کے پاس جو طریقے تھے، ان میں سے کوئی طریقہ بھی اس وقت ہمیں میسر نہیں ہے، لہٰذا اب ہمارے بزرگوں نے جو کچھ آسان راستے بتادیئے ہیں جو ہمارے حالات کے مطابق ہیں اور ہماری قویٰ کے مطابق ہیں، لیکن ہم سے ان پر بھی عمل نہیں ہوتا۔

## قرآنی دعاؤں کی اہمیت

ان طریقوں میں سے ایک طریقہ ''مناجات'' ہے، یعنی باری تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہنا۔ اور ہر وقت اس ذات سے دعا مانگتے رہنا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی دعائیں بتائی ہیں، اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے ان الفاظ میں مانگو، یا مانگنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی، وہ دعائیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں یہ امکان نہیں ہے کہ وہ دعائیں رد ہوجائیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دینے والا پہلے اپنے در پر بلائے، اور یہ بھی بتائے کہ مجھ سے کن الفاظ میں کس طرح مانگو اور پھر اس کو باہر نکال دے، یہ نہیں ہوسکتا، اس لئے قرآنی دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے شروع کر رکھا ہے۔

## سورۂ ''احقاف'' کی دعا

آگے ''مناجاتِ مقبول'' میں جو دعا آرہی ہے، وہ یہاں تو صرف اتنی لکھی ہوئی ہے کہ:

وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ، اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ

الْمُسْلِمِيْنَ ○ (۱)

لیکن یہ پوری دعا سورۂ احقاف میں آئی ہے، اور یہ پوری دعا ہمارے لئے بہت بڑا سبق رکھتی ہے اور ہمیں سوچنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ دعا اس طرح شروع فرمائی ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا

یعنی ہم نے انسان کو وصیت کی ہے یا نصیحت کی ہے یا حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

قرآنِ کریم میں کئی جگہ یہ حکم آیا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی توحید کا اقرار کرنے کے بعد فوراً جو بات بیان فرمائی ہے، وہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔

## والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (۲)

یعنی آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

گویا توحید پر ایمان لانے کے بعد بندہ کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے

(۱) سورۃ الاحقاف: آیت (۱۵)

(۲) سورۃ بنی اسرائیل: آیت (۲۳)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ اسی کا حوالہ اللہ تبارک و تعالیٰ یہاں دے رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو یہ وصیت کی کہ تم والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور پھر حکم تو "والدین" دونوں کے لئے دیا، لیکن آگے پھر خاص طور پر ماں کا ذکر فرمایا۔

## ماں کا مشقت برداشت کرنا

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا، وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (۱)

یعنی اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں مشقت سے اُٹھایا۔ ہم چونکہ مرد ہیں، اس لئے اس صورتِ حال سے نہیں گزرے، لیکن جو خواتین حالتِ حمل میں ہوتی ہیں، وہ کن مشکلات سے دو چار ہوتی ہیں، اور پھر اس کو مشقت سے جنا، وہ تکلیف جو ماں کو بچہ جننے میں ہوتی ہے، وہ تکلیف وہی جانتی ہے، ہم لوگ اس تکلیف کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور اس کا حمل پیٹ میں اُٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا، یہ سب عمل کم سے کم تیس مہینے کا ہے، اللہ تعالیٰ نے پورا حساب کر کے بتادیا، اس لئے کہ "حمل" کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہوتی ہے، اس لئے کہ عام طور پر زندہ بچے کی پیدائش چھ مہینے سے کم میں نہیں ہوتی، عام طور پر نو ماہ لگ جاتے ہیں اور کبھی اس سے پہلے بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا ماں کم سے کم چھ مہینے کی مشقت برداشت کرتی ہی ہے۔ ابوعلی ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ایسا بچہ دیکھا جو سوا سال پیٹ میں رہا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اکثر مدتِ حمل

---

(۱) سورۃ الأحقاف: آیت (۱۵)

بیان نہیں فرمائی کہ کتنی ہو سکتی ہے؟ لیکن شرعاً مدتِ حمل جو معتبر ہے وہ چھ مہینے ہے۔

## حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ڈھائی سال

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کا نکاح ہوا، اور نکاح کے چھ مہینے بعد بچے کی ولادت ہوگئی تو اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہوجائے گا اور اگر چھ ماہ سے کم میں ولادت ہوئی تو اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت نہیں ہوگا۔ بہرحال! چھ مہینے حمل کے، اور دو سال دودھ پلانے کے، اس لئے دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا مشکل ہوتا ہے، اس لئے عام طور پر دودھ پلانے کی مدت دو سال ہوتی ہے۔

اس طرح دونوں کی مدت ملانے سے کل مدت تیس ماہ یعنی ڈھائی سال بنتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تمہیں تو یاد نہیں کہ تمہاری ماں نے تمہارے دنیا میں آنے کے لئے کتنی مشقتیں اُٹھائیں، تمہارے دودھ چھڑانے تک کم سے کم ڈھائی سال لگے۔ جس ماں نے اتنی مشقتیں اُٹھائیں، جس کے بعد تم اس قابل ہوئے کہ روٹی کھا سکو، ورنہ تمہارے اندر روٹی کھانے کی بھی طاقت نہیں تھی، اس ماں کے ساتھ اگر تم حسنِ سلوک اور احسان نہیں کروگے تو کتنی بڑی ناشکری ہوگی، بلکہ کمینگی ہوگی۔ ایسی ماں کی تم نافرمانی کرتے ہو، اس کو تکلیف پہنچاتے ہو۔ اس کے ساتھ تم اس طرح بات کرتے ہو جس سے اس کا دل ٹوٹے۔

## ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے

اللہ تعالیٰ نے پہلے والدین کا ذکر کیا کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی ہے، اور اس کا حکم دیا، لیکن آگے ماں کا خاص طور پر ذکر فرمایا، اس لئے کہ جتنی مشقت ماں اُٹھاتی ہے، اتنی مشقت باپ نہیں اُٹھاتا، باپ تو صرف لذّت لیتا ہے، لیکن ماں اس کے نتیجے میں مشقت اُٹھاتی ہے، اسی لئے ایک مرتبہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس کی اطاعت کریں؟ آپ نے فرمایا: ماں کی۔ پھر پوچھا کہ کس کی اطاعت کریں؟ آپ نے فرمایا: ماں کی۔ پھر پوچھا کہ کس کی اطاعت کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں کی۔ یعنی باپ کے مقابلے میں ماں کا حصہ تین گنا زیادہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی باپ کی مشقت کا ذکر نہیں فرمایا، باپ کا صرف اتنا کام ہوتا ہے کہ اگر دودھ کی ضرورت ہو تو بازار سے خرید کر لا کر دیدے، لیکن جسمانی مشقت باپ کو اولاد کی پرورش میں کچھ نہیں ہوتی، ساری مشقت ماں اُٹھاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا حق زیادہ بتایا ہے۔ (۱)

## اس آیت میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ

آگے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۲ (۵۹۷۱)

اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ [1]

فرمایا کہ جب انسان اپنی قوت کی پختگی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس سال کی عمر کا ہوجاتا ہے تو وہ اس وقت یہ دعا مانگتا ہے۔ بعض روایات [2] میں آیا ہے کہ اس آیت میں دراصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور زیادہ پسندیدہ روایت میں ہے کہ ان کے والدین ان کے ساتھ ہی اسلام لے آئے تھے اور اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۸ سال تھی اور حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بعثت کے وقت چالیس سال تھی، اور اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ سے تھوڑے چھوٹے تھے اور اڑتیس سال کی عمر میں اسلام لائے، اس لئے کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ان کی طرف اشارہ ہے۔

## اولاد ماں باپ کی محتاج

بہرحال! اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام نہیں لیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بچہ جس کی ماں نے اتنی مشقتیں اُٹھائیں، اور باپ نے اس کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ چالیس سال کا ہوگیا، چالیس سال کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا کہ جب انسان سارے مراحل طے کرچکا ہوتا ہے کہ بچپن میں ماں کا محتاج، باپ کا محتاج، بالغ ہونے کے بعد ۱۵، ۱۶ سال کا ہوجانے کے باوجود وہ ماں باپ کا محتاج رہتا ہے، اور اس کو کسی نہ کسی درجے میں ماں باپ کی ضرورت رہتی ہے۔

---

(۱) أسباب النزول للواحدی ص ۳۸۰ سورة الأحقاف و تفسير الثعلبي ۲۴ / ۸۲
(۲) سورة الأحقاف: آیت (۱۵)

## چالیس سال کے بعد بھی والدین کی طرف توجہ

جب وہ چالیس سال کا ہوجاتا ہے اور ''کہولت'' کو پہنچنے لگتا ہے تو اس وقت وہ خود عام طور پر ماشاء اللہ بیوی بچوں والا ہوجاتا ہے، تو اس وقت اس کی توجہ والدین کی طرف کم ہوجاتی ہے، اس لئے کہ اس وقت اپنی زندگی گزارنے میں ماں باپ کی احتیاج نہیں رہتی، اس لئے کہ اس کی اپنی بیوی ہے، اس کے اپنے بچے ہیں، اس لئے اللہ جل شانہ اس شخص کی تعریف کررہے ہیں جو چالیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد بھی اپنے والدین کو یادرکھے۔ یادرکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو حسنِ سلوک وہ پہلے کررہا تھا، اب بھی محتاج نہ ہونے کے باوجود ان کے حق میں یہ دعا کررہا ہے کہ:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (۱)

## چالیس سال کے بعد ماں باپ سے مستغنی

چالیس سال کی عمر کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا کہ بظاہر اس وجہ سے کہ اس عمر پر پہنچنے کے بعد آدمی اپنے آپ کو ماں باپ سے مستغنی سمجھنے لگتا ہے، وہی ماں باپ کہ جب ذرا بھی تکلیف ہوتی تھی تو ان کو پکارتا تھا، مثلاً اگر کسی بچے نے گھر کے باہر ماردیا تو ماں کو پکاررہا ہے، اگر پیٹ میں درد ہوگیا تو ماں کو پکار

(۱) سورۃ الأحقاف: آیت (۱۵)

رہا ہے، سر میں درد ہوگیا تو ماں کو پکار رہا ہے، لیکن اب چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد خود مختار ہوگیا، اب بعض اوقات اس کو ماں باپ کی باتیں بھی بری لگنے لگتی ہیں کہ میں کچھ اور سوچ رہا ہوں، یہ کچھ اور سوچ رہے ہیں، ماں باپ جو بات کہہ رہے ہیں وہ ہمیں پسند نہیں آرہی ہے، اس مرحلے پر پہنچ کر انسان بسا اوقات والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی بجائے اُلٹا ان کے لئے تکلیف کا سبب بننے لگتا ہے۔

## بوڑھے ماں باپ کا خیال رکھنا

اور اگر ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ گئے اور یہ بیٹا نوجوان ہے تو اس وقت وہ ماں باپ پر غصہ بھی کرتا ہے، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ (١)

یعنی اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے، یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ''اُف'' بھی مت کہنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے بات بھی عزت کے ساتھ کرنا۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

---

(١) سورة بنی اسرائیل: آیت (٢٣)

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○[1]

اور ان کے آگے اپنے آپ کو ذلیل رکھنا اور ان کے لئے یہ دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرمائیے جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

## بڑھاپے میں ان کا خاص خیال رکھو

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، آمین۔ بڑھاپے میں عموماً ایسا ہوجاتا ہے اور اگر ماں باپ بیمار ہوگئے، یا ان کی دماغی حالت میں کچھ فرق آگیا اور ان کا حافظہ باقی نہیں رہا، یا بات چیت کرنے میں دشواری ہونے لگی اور ایک ہی بات کو بار بار دُہرائے جارہے ہیں تو وہ حضرت انسان جو انہی ماں باپ کے ہاتھوں میں پلے بڑھے تھے، جس ماں نے اس کو پیٹ میں پالا تھا، اور جس ماں نے اس کو دودھ پلایا تھا، وہی حضرت انسان ان ماں باپ کو ڈانٹنا شروع کر دیتا ہے، اس لئے خاص طور پر چالیس سال کی عمر کا ذکر فرمایا۔

## صحیح بندہ یہ دعا کرتا ہے

اور فرمایا کہ جو بندہ صحیح ہوتا ہے، وہ اس وقت یہ دعا کرتا ہے کہ:

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ[2]

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: آیت (٢٤)

(۲) سورۃ الأحقاف: آیت (١٥)

یہ وہی دعا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں پہلے گزر چکی ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کا شوقین بنادیجئے اور میرے دل میں اس کی رغبت پیدا کردیجئے کہ آپ نے جو نعمتیں مجھ پر نازل فرمائیں، میں اس کا شکر ادا کروں۔ مجھے اس کا شوقین بنادیجئے۔ "اوزعنی" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی کو کسی کام کی ترغیب دے اور ترغیب دے کر اس کو اسی عمل کا شوق پیدا کردے۔ اور جو نعمتیں آپ نے میرے والدین پر نازل فرمائیں اور مجھے اس بات کا شوقین بنادیجئے کہ میں وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہوں۔ اگر کوئی نیک کام تو ہے لیکن آپ کی رضا کے مطابق نہیں ہے تو وہ عمل ہیچ در ہیچ ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

## اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

میرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ آپ کو بار بار سنایا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں ہے"، مثلاً نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا، اس لئے نماز پڑھ رہے ہیں، چاہے اس کے نتیجے میں دوسرے کے حقوق پامال ہو رہے ہوں یا مثلاً علم حاصل کرنے کا شوق ہوگیا تو اب تحصیلِ علم میں لگے ہوئے ہیں اور کتابوں کے کیڑے بنے ہوئے ہیں اور والدین کے حق کو پامال کر رہے ہیں، لہٰذا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ "اتباع" کا نام دین ہے، جس وقت شریعت کا جو تقاضا ہے، اس تقاضے کو پورا کرے، اگر حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح پکارا جارہا ہے تو نماز کو جائے اور اگر تقاضا یہ ہے کہ جب گھر میں داخل ہوا ہے تو گھر والوں کو ساتھ گھر کے کام میں ہاتھ بٹائے تو وہ کام کرے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیسے رہتے تھے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لاتے ہیں تو کیسے لاتے ہیں؟ وہ جواب میں فرماتیں کہ:

كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ اَهْلِهِ، تَعْنِي خِدْمَةَ اَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ(۱)

یعنی گھر میں آتے ہیں تو وہ گھر والوں کے ساتھ گھر کے کام کراتے ہیں اور جب اذان کی آواز آتی تو آپ سب کام چھوڑ کر چلے جاتے، اور ایک روایت(۲) میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح چھوڑ کر چلے جاتے "کأنه لم یعرفنا" جیسے ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔

## وقت کے تقاضے کے مطابق عمل کرو

بہرحال! دین نام ہے "اتباع" کا کہ جس وقت جو تقاضا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس وقت اس تقاضے کو پورا کرے، اگر والدین کی خدمت کا تقاضا ہے تو والدین کی خدمت کرے، اگر بیوی کے حقوق ادا کرنے کا تقاضا ہے تو بیوی کے حقوق ادا کرے، بچوں کے حقوق کا تقاضا ہے تو بچوں کے حقوق ادا کرے اور جب اللہ تعالیٰ کے حق کا تقاضا ہے تو اللہ کا حق ادا کرے۔ یہ "دین"

---

(۱) صحيح البخارى ١ / ١٣٦ (٦٧٦)

(۲) حديث شعبة لابن المظفر ص ٧١ (٨١)

ہے۔ اس لئے اس دعا کے اندر فرمایا کہ اے میرے پروردگار! میں ایسا عمل آپ سے مانگتا ہوں جو صالح بھی ہو اور جس کو آپ پسند بھی کریں۔ بعض اوقات عمل چھوٹا سا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں۔

## کسی نیک کام کو حقیر مت سمجھو

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا[1]

نیک کاموں میں سے کسی کام کو تم حقیر مت سمجھو۔

کیا پتہ کہ وہی چھوٹا کام تمہارا بیڑہ پار کر دے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا۔ جیسے کہ حدیث[2] میں آتا ہے کہ ایک شخص نے کتے کو پانی پلا دیا، اور اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا کہ اس شخص نے میری مخلوق کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا تو میں بھی اس کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کرتا ہوں، اس لئے اس دعا میں فرمایا کہ:

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ

کہ میں ایسا نیک عمل کروں جس کو آپ پسند کریں۔

## میری اولاد کو درست کر دیجئے

وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ[3]

---

(۱) صحیح مسلم ٤ / ٢٠٢٦ (٢٦٢٦)

(۲) صحیح البخاری ۳ / ۱۱۱ (٢٣٦٣)

(۳) سورۃ الأحقاف: آیت (١٥)

اور میری اولاد کو درست کر دیجئے کہ وہ بھی صالح بن جائے۔

ایک طرف والدین کا حق ہے کہ والدین پر جو نعمتیں ہوئیں، اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے تو دوسری طرف اپنی اولاد کی طرف بھی توجہ ہے کہ کہیں یہ خراب نہ ہوجائے۔ اس کو بھی دعا کے اندر شامل فرمایا کہ میری اولاد کے اندر بھی صلاح پیدا کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کا کام اپنی ذات کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ جس طرح اپنے آپ کو نیک بنانا ضروری ہے، اتنا ہی اپنی اولاد کو نیک بنانا ضروری ہے۔

## بڑا اچھا نکتہ

اس جملہ میں عربی جاننے والوں کے لئے بڑا اچھا نکتہ ہے، وہ یہ کہ بظاہر یوں کہنا چاہئے تھا:

وَاَصۡلِحۡ لِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ

میرے لئے میری ذریت کو، اولاد کو صالح بنا دیجئے۔ اس لئے "اصلح" بلاواسطہ متعدی ہوتا ہے تو اب "فی ذریتی" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ درحقیقت اس کے ذریعہ یہ کہنا مقصود ہے کہ "صلاح" اور نیکی میری ذریت میں سرایت کرجائے، یعنی میری اولاد کے رگ وپے میں نیکی سما جائے، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کے ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے ان کے ڈر سے کوئی نیک کام کرلیا، نہیں، بلکہ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ ان کے رگ وپے میں، ان کے دل و دماغ میں صلاح "سرایت" کرجائے۔

## ”اولاد“ کے بجائے لفظ ”ذریت“ کیوں؟

”اولاد“ کی بجائے ”ذریت“ کا استعمال کیا، اس لئے کہ ”ذریت“ میں اولاد، اولاد کی اولاد، وغیرہ سب داخل ہیں۔ زیادہ تر مفسرین [1] کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ دعا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانگی تھی اور انہوں نے یہ دعا اس وقت کی جب چالیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ اور اس دعا میں سب سے پہلی دعا یہ کی کہ یا اللہ! مجھے شکر کی توفیق عطا فرمائیے۔ معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے بعد شیطان کے حربوں سے بچنے کا سب سے مؤثر ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور پھر اس دعا میں پہلے اپنے لئے ”صلاح“ مانگی اور اپنی ذریت کے لئے ”صلاح“ مانگی۔ اس دعا کی قبولیت اس طرح ہوئی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ امتیاز بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی چار نسلیں ”صحابی“ ہوئیں، کیونکہ ان کے والد ایمان لاکر ”صحابی“ بنے، یہ خود ایمان لائے اور ان کے بیٹے عبدالرحمن بن ابوبکر ایمان لائے اور صحابی بنے اور عبدالرحمن کے بیٹے محمد بن عبدالرحمن صحابی بنے۔ اس طرح آپ کی چار نسلیں صحابی ہیں، [2] نیکی ذریت کے اندر سرایت کرگئی۔ لہٰذا بندہ کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اصلاح کی فکر کرے اور ان کی ”صلاح“ کے لئے دعا کرے۔

## والدین کی دعا اولاد کے لئے بہت مؤثر ہے

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والدین کی دعا اپنی

---

(۱) تفسیر الثعلبی ٢٤ / ٨٢ و أسباب النزول للواحدی ٣٨٠، سورة الأحقاف.

(۲) الثقات لابن حبان ٣ / ٣٦٦

اولاد کے لئے بہت زیادہ مؤثر ہوتی ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اولاد کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین کو اللہ تعالیٰ اولاد کی صلاح کا ذریعہ بناتے ہیں، اس لئے حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

## یہ دعا بار بار کرتے رہنا چاہئے

پھر آگے فرمایا:

اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (1)

میں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یعنی میں یہ جو دعا کر رہا ہوں، یہ محض خالی الفاظ نہیں ہیں، بلکہ میں دل سے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور دل سے آپ کا فرمانبردار بنتا ہوں، یہ دعا مانگتے رہنا چاہئے اور نمازوں میں ''التحیات'' کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے، فرض نمازوں کے بعد جو دعائیں کی جاتی ہیں، ان میں شامل کر لینی چاہئے، اس لئے کہ اس میں اپنے لئے، اپنی ذریت کے لئے اور والدین کے لئے، سب کے لئے دعا موجود ہے اور اس کے ذریعہ ایک خاندان کو اللہ تعالیٰ شجرہ طیبہ بنا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے خاندان کو شجرہ طیبہ بننے اور بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(1) سورۃ الأحقاف: آیت (15)

# دعا نمبر ۳۴

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعا

# دعا نمبر ۳۴

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو دعائیں ذکر فرمائی ہیں وہ یا تو وہ دعائیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے اور ملائکہ نے مانگی ہیں یا وہ دعائیں ہیں جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ تم اس طرح دعا کیا کرو۔ انہی دعاؤں کی تشریح کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح طور پر مانگنے والا بنادے۔ آمین

بندے کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ''منگتا'' بن جائے۔ اردو میں ''منگتا'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کو مانگنے کی عادت پڑی ہوئی ہو۔ بہت سے فقیر ہوتے ہیں جن کی مانگنے کی عادت ہوتی ہے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات سے مانگنے کا عادی بنادے اور ہمیں اپنی ہر چھوٹی بڑی

حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت پڑجائے تو یہ انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

## جھولی بھی انہی سے مانگے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، ایک مرتبہ دعا کرنے کی فضیلت بیان فرمارہے تھے، فرمایا کہ کوئی جھولی پھیلانے والا چاہئے، دینے والے کے یہاں کوئی کمی نہیں، کسی نے کہا بھی ہے کہ ؎

کوئی جو نا شناسِ ادا ہو تو کیا علاج<br>
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کے خلیفہ تھے، اور منہ چڑھے مرید تھے، انہوں نے پوچھا کہ حضرت! کسی کے پاس جھولی ہی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی مانگنے کا سلیقہ ہی نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ: جھولی بھی انہی سے مانگے اور یہ کہے کہ یا اللہ! مجھے مانگنا نہیں آتا، مجھے مانگنے والا بنادیجئے۔

## حضرت نوح علیہ السلام کی مختصر دعا

یہ "منگتا" بن جانا بڑی نعمت ہے، بہرحال! قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جابجا مختلف انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام کی دعائیں ذکر فرمائی ہیں، وہ دراصل یہ سکھانے کے لئے ہیں کہ تم بھی اس طرح یہ دعائیں کیا کرو، اب آگے جو دعا "مناجاتِ مقبول" میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝[1]

سورۂ قمر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی یہ دعا ذکر فرمائی ہے۔ یہ مختصر سی چند لفظوں کی دعا ہے، لیکن اپنے اندر ایک جہان رکھتی ہے، یہ دعا دیتے ہوئے ساڑھے نو سو سال گزر چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کو عمر طویل عطا فرمائی تھی، اس وجہ سے "عمر نوح" سے مثال دی جاتی ہے، آپ اپنی قوم کو مسلسل دعوت دیتے رہے، مگر قوم ماننے کے لئے تیار نہیں تھی، اور آپ کو دھمکیاں دیتی تھی کہ اگر تم نے دین کی دعوت کا یہ سلسلہ جاری رکھا اور ہمارے دین کے خلاف یہ نیا دین لے کر آگئے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے۔

## آپ ہی میرا بدلہ لے لیجئے

اس موقع پر حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ دعا فرمائی کہ:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝

اے اللہ! میں مغلوب ہو چکا ہوں اور میرے مخالف میرے اوپر غالب آچکے ہیں، لہٰذا آپ ہی میرا بدلہ لیجئے، آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مخالفین پر طوفان بھیجا۔ اور اس طوفان کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا۔ سورۂ نوح میں حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی مانگی ہوئی لمبی دعائیں بھی آئی ہیں، لیکن سورۂ قمر میں یہ چھوٹی سی دعا اختصار کے ساتھ بیان فرمادی۔

---

(۱) سورۃ القمر: آیت (۱۰)

## جس وقت مخالفین پریشان کریں

درحقیقت اس دعا میں ہمارے لئے ایک سبق ہے کہ جب کبھی انسان مغلوب ہوجائے اور مخالفین نے اس کے اُوپر گھیرا تنگ کر رکھا ہو اور وہ محصور ہوجائے اور دشمن غالب آرہا ہو، تکلیف پہنچانے والے تکلیف پہنچا رہے ہوں، اس موقع پر اس انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ کو پکارے اور یہ دعا کرے:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○

## جب نفس اور شیطان غالب آجائیں

مخالفین کے علاوہ خاص طور پر جب نفس اور شیطان ہم پر غالب آجائیں اور گناہوں کے تقاضے ہمارے دل میں پیدا ہونے لگیں اور شیطان بہکانے لگے کہ فلاں گناہ کرلو، اور نفس جو لذّتوں کا طالب ہے، وہ آدمی کو لذّتوں کی طرف بہکا کر لے جاتا ہے کہ آنکھ کے ذریعہ لذّت لے لو، نامحرم کو دیکھ کر لذّت حاصل کرلو، آج کل تو اللہ بچائے گناہوں کے اسباب چاروں طرف اس قدر پھیل گئے ہیں کہ آدمی کو اپنا ایمان بچانا مشکل ہوگیا ہے، یہ جو موبائل فون ہاتھ میں آگیا۔ اللہ بچائے۔ اس کے اندر دنیا کی ساری غلاظتیں جمع ہیں، اور نفس کے تقاضوں کی تکمیل کا سامان اس کے اندر موجود ہے، اور خواہشات نفس کی ہر طرف آگ بھڑکی ہوئی ہے۔

## ''جنت'' ناپسندیدہ چیزوں سے چھپائی گئی ہے

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ (١)

یعنی جنت تو ان چیزوں سے گھری ہوئی ہے جس کو نفس ناپسند کرتا ہے، مکروہ جانتا ہے، مثلاً کسی پر آپ کو غصہ آرہا ہے، اب جنت کا راستہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کے حکم کی خاطر اس غصے کو پی جائے اور اس غصے کے تقاضے پر عمل نہ کرے۔ اب غصہ کے وقت طبیعت میں اشتعال ہے، اس وقت غصہ کو پی جانا، اور اپنے آپ کو دھیما کرلینا آسان نہیں ہے، بلکہ نفس کو اس سے بہت کراہت ہوتی ہے، مگر جنت اس کے بدلے میں ملے گی، جس چیز کو انسان کا نفس برا سمجھتا ہے، برا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عمل پر آمادہ نہیں ہوتا، دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر یہ کام کروں گا تو مزہ نہیں آئے اور اس سے میرے نفس کی تسکین نہیں ہوگی تو وہ عمل اس کے نزدیک مکروہ ہے۔

## ”مکروہ“ سے مراد ”نفس کا مکروہ“

اصل مکروہ تو وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مکروہ قرار دیا ہے، لیکن یہ وہ مکروہ ہے جو نفس کا مکروہ ہے، یعنی انسان کا جو نفس ہے اور اس کی جو نفسانی خواہشات ہیں، وہ اس عمل کو مکروہ سمجھتی ہیں، مثلاً فجر کی نماز کا وقت ہے اور نیند آرہی ہے، اس وقت انسان کا نفس اس سے یہ کہتا ہے کہ تھوڑا سا اور سو جاؤ، اب اس وقت بستر چھوڑ کر نماز کے لئے اُٹھنا مکروہ اور ناپسند ہے، انسان کا دل اس وقت اُٹھنے کو ناپسند کرتا ہے، لیکن جنت اسی مکروہ کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔

---

(١) صحيح البخاري ٨ / ١٠٢ (٦٤٨٧)

## ٹھنڈ میں کامل وضو کرنے کی فضیلت

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ

یعنی ایسے وقت میں پورا پورا وضو کرنا جس وقت میں وضو کرنا انسان کے لئے مشقت کا سبب بن رہا ہو، مثلاً سخت سردی پڑ رہی ہے اور پانی بھی ٹھنڈا ہے، اب اس وقت پانی کو ہاتھ لگانا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے، سرد علاقوں میں جا کر دیکھو، وہاں پانی اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ اس پانی میں ایک منٹ کے لئے بھی ہاتھ ڈالنا مشکل ہوتا ہے، اس وقت میں وضو کرنا مکارہ میں سے ہے، اس لئے کہ دل نہیں چاہ رہا ہے کہ میں اس ٹھنڈے پانی سے وضو کروں، لیکن اس موقع پر پورا پورا وضو کرنے کی فضیلت آپ نے بیان فرمائی کہ:

فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ (۱)

یعنی ایسے موقع پر پورا پورا وضو کرنا جبکہ وضو کرنے کا دل نہ چاہ رہا ہو، یہ ''جہاد'' میں پہرہ دینے کے برابر ہے۔

## رات کو لشکر پر پہرہ دینے کی فضیلت

''جہاد'' میں سب سے مشکل کام پہرہ دینا ہوتا ہے، اس لئے کہ جس وقت لڑائی ہو رہی ہوتی ہے اور دس آدمی دس آدمیوں سے لڑ رہے ہوتے ہیں اور سب

(۱) صحیح مسلم ۱ / ۲۱۹ (۲۵۱)

اکٹھے لڑ رہے ہیں تو اس وقت آدمی پریشان نہیں ہوتا، اور وہ یہ سوچتا ہے کہ جو معاملہ سب کے ساتھ پیش آئے گا، میرے ساتھ بھی پیش آجائے گا۔ لیکن اگر پورا لشکر تو رات کے وقت سورہا ہے، اور ایک آدمی تنہا پہرہ دے رہا ہے کہ کہیں کوئی دشمن حملہ آور نہ ہوجائے، اب رات کی تاریکی ہے اور وہ اکیلا کھڑا ہے، تنہائی ہے، اس کا فرض ہے کہ اگر دشمن حملہ آور ہو تو تنہا اس کا مقابلہ کرے اور جا کر لشکر والوں کو بتائے۔ لہٰذا پہرہ دینا جہاد کے کاموں میں سب سے زیادہ مشکل کام ہے، اس میں انسان کو ڈر بھی لگتا ہے اور جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔

## اس عمل کو اللہ کے لئے اختیار کرے

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ایسے موقع پر وضو کرو، جبکہ وضو کرنا تمہیں شاق ہورہا ہو، پھر بھی تم یہ سوچتے ہو کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور میں پوری طرح وضو کروں گا اور کامل وضو کروں گا اور ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھوؤں گا، چاہے پانی کتنا ہی ٹھنڈا ہو، میں وضو ضرور کروں گا، ایسے شخص کے عمل کو حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمل "جہاد" میں پہرہ دینے کے برابر ہے، حالانکہ جہاد میں پہرہ دینا آسان کام نہیں ہے، لیکن آدمی کا نفس جس عمل کو مکروہ، ناپسند کر رہا ہے، آدمی اس عمل کو اللہ کے لئے اختیار کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ یہ اجر عطا فرماتے ہیں۔

## میں اس شخص کو مبارک باد دیتا ہوں

اسی لئے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

میں اس شخص کو مبارک باد دیتا ہوں جس کو ساری زندگی نماز میں مزہ نہیں آیا، لیکن وہ پابندی سے پڑھتا رہا، کیونکہ اگر نماز میں لذت آنے لگے تو اس وقت نماز پڑھنے میں نفس کی مخالفت نہیں ہے، لیکن اگر مزہ نہیں آرہا ہے، پھر بھی نماز پڑھتا رہا، میں اس شخص کو مبارک باد دیتا ہوں۔

## یہی کشمکشِ زندگی ہے

بہر حال! انسان کا ''نفس'' ہی اس کی ساری زندگی کی کشمکش کا سبب ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۝ [1]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بہترین شکل میں بنایا، اس کو ساری قوتیں عطا فرمائیں، اس کے بعد فرمایا کہ جو انسان اس نفس کو پاکیزہ رکھے گا، وہ کامیاب ہوگا، ہم نے تمہیں دونوں چیزیں دیدیں، ایک طرف دل میں گناہوں کے تقاضے دیدیئے اور دوسری طرف اگر ایمان ہے تو اللہ کا ڈر بھی دیدیا، کتنا بھی گیا گزرا انسان ہو، اس کے دل میں کبھی نہ کبھی اللہ کا ڈر آتا ہے، یہ دونوں چیزیں اس لئے پیدا کیں تاکہ وہ فجور سے اور گناہ سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرے، اور تقویٰ حاصل کرنے کی فکر کرے، ان دونوں چیزوں کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے، یہی ''کشمکش'' زندگی ہے۔

---

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت (٤٥- ٤٦)

## ایک کامیاب دوسرا ناکام

آگے فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ○ (۱)

کہ جو شخص اس نفس کو پاک کرلے، کس چیز سے پاک کرلے؟ یعنی خواہشاتِ نفس کے غلبہ سے اس نفس کو پاک کرلے تو وہ فلاح پاگیا، یعنی اس کی دنیا بھی اچھی اور اس کی آخرت بھی شاندار، اور جس نے اپنے آپ کو ان خواہشاتِ نفس کے چکر میں ڈال دیا اور وہ ہروقت اس فکر میں ہے کہ مجھے کوئی نہ کوئی لذّت حاصل ہوجائے، اور میرے نفس کے تقاضے کی تسکین ہوجائے، چاہے میں اس کے لئے حلال کروں، یا حرام کروں، اس کی فکر نہیں، بس وہ آدمی لذتوں کا طالب ہے، ایسا شخص ناکام ہے، دنیا میں بھی ناکام، اور آخرت میں بھی ناکام۔

## دنیا کی پیاس کبھی ختم ہونے والی نہیں

یاد رکھئے! دنیا کی خواہشات کبھی ختم ہونے والی نہیں، بزرگ یہ مقولہ کہہ گئے ہیں کہ ؎

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
ہر کہ گیرد مختصر گیرد

---

(۱) سورۃ الشمس: آیت (۹ و ۱۰)

بزرگ فرما گئے ہیں کہ دنیا کا کام کبھی کسی نے آج تک پورا نہیں کیا، یعنی جو شخص دنیا کے پیچھے پڑے گا کہ مجھے زیادہ سے زیادہ دنیا مل جائے، مال ملے، دولت ملے، عیش وعشرت ملے، مزہ ملے، لذّت ملے، اور جب انسان ان چیزوں کے پیچھے پڑا ہے تو پھر وہ کبھی بھی کسی حد پر جا کر نہیں رکے گا، ایک حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت فرمارہے ہیں کہ

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ ... (۱)

کہ اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے سے بھری ہوئی مل جائے تو اس وقت وہ تمنا کرے گا کہ ایک وادی اور مل جائے، اور اگر دوسری مل جائے تو وہ اس فکر میں ہوگا کہ تیسری وادی بھی مجھے مل جائے۔ اور جب حلال وحرام کی فکر کے بغیر وہ سونا جمع کرتا رہے گا تو کبھی بھی اس کی پیاس ختم نہیں ہوگی، جیسے ''استسقاء'' کا بیمار ہوتا ہے، وہ کتنا ہی پانی پی لے، لیکن اس کی پیاس نہیں بجھتی، یا جیسے ''جوع البقر'' کی بیماری ہے، وہ کتنا ہی کھانا کھالے، لیکن اس کی بھوک نہیں مٹتی۔

## لذتوں اور خواہشوں کے پیچھے چلنے والوں کا انجام

ہماری لذتوں کی طلب کا اور ہماری خواہشاتِ نفس کا یہی حال ہے، ہم نے اپنی ساری جد وجہد، ساری محنت، ساری کاوشوں کا منتہاءِ مقصود یہ قرار دیدیا ہے کہ مجھے دنیا زیادہ سے زیادہ مل جائے۔ یاد رکھو، پھر تم کبھی بھی کسی حد پر جا کر رکوگے نہیں۔ اور پھر یہی دنیا تمہارے لئے عذاب بن جائے گی، آج آپ ان

---

(۱) سنن الترمذی ٤ / ١٦١ (٢٣٣٧) وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه و صحيح البخاری ٨ / ٩٢ (٦٤٣٦) بلفظ "واديان من مال".

لوگوں کو دیکھ لیں جنہوں نے دولتیں جمع کی ہیں اور کسی حد پر رکے نہیں، آج ان کا حال کیا ہے؟ ان میں کسی پر کیس چل رہا ہے، کسی کو "نیب" پکڑ رہا ہے، کسی کو عدالت میں پیشیاں بھگتنی پڑ رہی ہیں، کوئی بدنام ہو رہا ہے، کسی پر الزام لگے ہوئے ہیں، ان سب چکروں سے اس کو نجات نہیں ملتی، لیکن پھر بھی یہ فکر ہے کہ اور دولت جمع کروں، کسی مرحلے پر قرار نہیں، مقروض ہو گیا، اور قرضوں کے انبار لگ گئے، مگر خواہش وہی ہے کہ اور جمع کروں۔

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد

دنیا کا کام کبھی کسی نے پورا نہیں کیا، دنیا اس کو لپٹتی ہی رہے گی، اور وہ اس دنیا کے پیچھے پڑا رہے گا، اس لئے فرمایا کہ:

ہر کہ گیرد مختصر گیرد

## حلال مال صالح آدمی کے لئے بہترین نعمت ہے

لہٰذا جتنا حلال طریقے سے مل رہا ہے، اس کو مقصود زندگی بنائے بغیر اس کو حاصل کرو، اللہ تعالیٰ صحیح راستے سے جتنا دیدے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اس کو صحیح جگہ پر خرچ کرو، صحیح طریقے سے خرچ کرو، فضول خرچی نہ کرو، اللہ کے راستے میں خرچ کرو، وہ دولت تمہارے لئے مفید ہوگی، ان شاء اللہ۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ[1]

---

(۱) مسند أحمد ۲۹/ ۲۹۸ (۱۷۷۶۳) ومسند أبي يعلى ۱۳ / ۳۲۰ (۷۳۳٦) وقال الهيثمي في "المجمع" ٤ / ۱۱۰ (٦۲٤۲) و رجال أحمد وأبي يعلى رجال الصحيح.

صالح مال، یعنی حلال مال، ایک نیک آدمی کے لئے بہت
اچھی چیز ہے۔

اس لئے کہ اس کے ذریعہ اس کی حاجتیں بھی پوری ہو رہی ہیں، اس کے فوائد بھی اس کو مل رہے ہیں، اور اس میں گناہ کوئی نہیں۔

## یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں

اس لئے اس نے اس مال کو مقصدِ زندگی نہیں بنایا، مقصدِ زندگی تو اللہ جل شانہ کی رضا حاصل کرنا ہے، بہادر شاہ ظفر نے خوب کہا کہ ؎

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا

یعنی یہ کیا سوچنا کہ اس میں مجھے فائدہ ہوگیا، اور اس میں مجھے نقصان ہوگیا، ''جو گیا، سو گیا'' ''جو ملا، سو ملا'' یہ ہے قناعت، جب تک انسان کو قناعت حاصل نہیں ہوتی، وہ کبھی بھی سیر نہیں ہوسکتا، بس اگر اللہ تعالیٰ قناعت عطا فرمادے تو پھر اس کو دال روٹی میں مزہ آجائے گا، اگر قناعت نہیں ہے تو پھر وہ بڑی بڑی ملیں کھڑی کرلے، اور دولت کے انبار لگالے تو اس کے نتیجے میں اس کی ہوس کم نہیں ہوسکتی۔

## ہر شخص پر نفسانی خواہشات کا غلبہ

ہم میں سے کوئی شخص بھی شاید اس سے مستثنیٰ نہ ہو کہ کبھی نہ کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے کہ اس پر کبھی نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوجاتا ہے اور اس غلبہ کے

نتیجے میں انسان پھسل جاتا ہے، مثلاً غصہ آیا اور اس غصے کو غلط طریقے سے استعمال کرلیا، غلط جگہ پر استعمال کرلیا، غلط انداز میں استعمال کرلیا، اس کے نتیجے میں دوسرے کا حق پامال ہوگیا، یہ سب تم نے نفسانی خواہش کے غلبہ میں کیا اور تمہارا امتحان اسی میں ہے کہ جب غصہ آئے تو اس غصے کو پی جاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۝ [1]

یعنی جب دوسرے پر غصہ آئے تو اس غصے کو پی جاؤ اور اس کو معاف کردو۔

## غصہ بہت خطرناک چیز ہے

یہ غصے کو پینا نفس پر بڑا شاق ہے، لیکن جب کبھی غصے کا غلبہ ہو، اور آدمی کو حد سے نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت یہ دعا کرلو:

اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ [2]

یا اللہ! میرے اُوپر غصہ کا غلبہ آگیا ہے، آپ ہی مجھے بچایئے، اور میری مدد کیجئے، اس لئے کہ یہ غصہ انتہائی خطرناک چیز ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ اور یہ غصہ "تکبر" سے پیدا ہوتا ہے، جب آدمی اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے کہ بس جو کچھ ہوں، میں ہوں اور جو رائے ہے، وہ میری رائے

---

(۱) سورة آل عمران: آیت (۱۳۴)

(۲) سورة القمر: آیت (۱۰)

ہے اور جو عمل ہے وہ میرا عمل ہے، دنیا والوں کو چاہئے کہ وہ میری رائے کے آگے سر تسلیم خم کریں، اور دنیا والوں کو چاہئے کہ میری ہر بات کو مانے۔ اور جہاں ناگواری ہوئی، اور کسی نے بات نہیں مانی تو اب غصہ آگیا اور طبیعت میں اشتعال پیدا ہوگیا۔

## غصہ کے وقت اللہ کی پناہ مانگو

ایسے موقع پر جب غصہ زیادہ آرہا ہو، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۱)

جب شیطان تمہیں کچو کے لگائے تو تم اسی وقت اللہ کی پناہ مانگ لو شیطان رجیم سے۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (۲)

اگر دوسرا شخص تمہارے ساتھ برائی کر رہا ہے، تو تم اس کے ساتھ اچھائی کرو، یعنی برائی کا بدلہ اور اس کی مدافعت اچھائی کے ساتھ کرو، مثلاً اگر دوسرا شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کر رہا ہے، تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، دوسرا شخص تمہیں تکلیف پہنچا رہا ہے، تم اسے راحت پہنچاؤ۔

---

(۱) سورۃ الأعراف: آیت (۲۰۰)

(۲) سورۃ المؤمنون: آیت (۹٦)

## برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

جب تم یہ کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (۱)

کہ تم یہ دیکھو گے کہ جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت اور دشمنی تھی، وہ تمہارا جگری دوست بن جائے گا، لیکن ساتھ میں آگے یہ فرمادیا کہ

وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا (۲)

یعنی یہ صفت نہیں دی جاتی مگر ان لوگوں کو جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ "صبر" کے معنی ہیں کہ خواہشاتِ نفس کو دبا کر اللہ کے حکم کی پیروی کرنا۔ لہٰذا جس وقت غصہ آرہا ہو، اس وقت یہ دعا مانگ لو:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○

اے اللہ! میں مغلوب ہوگیا ہوں، آپ میری مدد فرمایئے۔

## گناہ میں لذّت عارضی ہے

یا مثلاً میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس موبائل کا غلط استعمال کروں، خلوت بھی ہے، تنہائی ہے، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، اور ہاتھ میں ایسی چیز ہے جو بظاہر تسکین دینے والی ہے، حقیقت میں وہ تسکین نہیں ہوتی، اس لئے کہ گناہوں میں

---

(۱) سورۃ فصلت: آیت (۳٤)

(۲) سورۃ فصلت: آیت (۳۵)

جو لذّت ہوتی ہے، اس کی مثال حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں جیسے کھجانے میں لذّت ہوتی ہے، اگر کسی کو خارش ہوجائے تو اس کو کھجانے میں لذّت آتی ہے، یہاں تک کہ لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ:

مزہ یا تو کھاج میں ہے، یا راج میں ہے۔

یعنی دو ہی چیزوں میں مزہ ہے، ایک کھاج میں، ایک راج میں۔ اس لئے کہ جب آدمی کو خارش ہوتی ہے تو آدمی کو کتنا مزہ آتا ہے۔ لیکن بالآخر وہ کھجاتے کھجاتے اپنے کو زخمی کرلے گا، لیکن جس وقت لذّت آرہی ہوتی ہے، اس وقت ہاتھ رکتا بھی نہیں کہ ذرا ہاتھ کو لذّت لینے سے روک لیں۔ اس لئے حضرتؒ فرمارہے ہیں کہ گناہ کی لذّت خارش کی لذّت جیسی ہے، لذّت تو ہے، لیکن اس کا انجام خراب ہے۔

## اللہ سے نور طلب کرو

اسی طرح گناہ کے اندر بھی زبردست لذّت محسوس ہوتی ہے، لیکن انجام اس کا آخرت میں خراب ہے ہی، یہ تو طے شدہ ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، کوئی استثناء نہیں ہے، الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر رحم فرمادے، لیکن دنیا کے اندر بھی گناہ کی لذّت دل میں ایک ظلمت پیدا کرتی ہے، یہ ''قلب'' اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے، اس دل میں وہی بسنے چاہئیں۔ اور قلب کے اندر نور ہوتا ہے، اس نور کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین۔

روزانہ صبح کے وقت نمازِ فجر کو جاتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ عَظْمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا.[1]

یا اللہ! میرے قلب میں نور عطا فرما۔ میری نگاہ میں نور عطا فرما۔ میرے دائیں طرف بھی نور ہو۔ بائیں طرف بھی نور ہو، میرے اُوپر بھی نور ہو۔ میرے نیچے بھی نور ہو۔ میری ہڈیوں میں بھی نور ہو۔ میرے گوشت میں بھی نور ہو۔ میری چمڑی میں بھی نور ہو، اور میرے نور کو عظیم کر دیجئے۔ (اور آخر میں فرمایا:) یا اللہ! مجھے نور دید یجئے۔

روزانہ فجر کی نماز کے لئے مسجد جاتے وقت اس دعا کو پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

## گناہ نور کو ختم کر دیتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ "نور" اتنی بہترین چیز ہے کہ ہمیں ہر وقت اس کی

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۶۹ (۶۳۱۶) وصحیح مسلم ۱ / ۵۲۵ (۷۶۳)

احتیاج اور ضرورت ہے، اور گناہ اس "نور" کو ختم کر کے دل میں ظلمت پیدا کر دیتا ہے اور جب دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کر پاتا، بلکہ پھر وہ انہی گناہوں کے اندر مست رہتا ہے اور ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے، اور دوسرا گناہ تیسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے، یہ گناہ کی خاصیت ہے۔ اس طرح گناہوں کا لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، اور بندہ مجبور ہو جاتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں ظلمت کی کس کھائی میں جا کر گر گیا، لہٰذا اس وقت سے ڈرنا چاہئے جب انسان گناہ کرے اور اس کو گناہ کی ظلمت محسوس نہ ہو، کیونکہ گناہوں کے نتیجے میں پھر انسان کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔

## گناہ کے نتیجے میں دل پر سیاہ نقطہ

ایک حدیث [1] میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اس کے بعد جب وہ دوسرا گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ اور لگ جاتا ہے، جب تیسرا گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ اور لگ جاتا ہے، جب چوتھا گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ اور لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ نقطے بڑھ کر پورے دل کو زنگ لگا دیتے ہیں اور پھر صحیح بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی، اور پھر اس انسان کی سوچ اُلٹی ہو جاتی ہے۔

---

(١) سنن ابن ماجه ٥ / ٦٣٦ (٤٢٤٤) وسنن الترمذي ٥ / ٣٥٩ (٣٣٣٤) وقال: هذا حديث حسن صحيح.

## ایسے لوگ جانور سے بھی بدتر ہوں گے

قرآنِ کریم میں فرمایا:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔

یہ سب کیسے ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ زبردستی کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ بلکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان کو گناہوں پر جرأت بڑھتی جاتی ہے، اللہ بچائے۔ وہ زنگ کی شکل اختیار کرلیتی ہے، پھر ان کی کیفیت یہ ہوجاتی ہے کہ جس کا بیان اس آیت میں فرمایا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۲)

ان کے دل ایسے ہوجاتے ہیں، جن کے اندر سمجھ نہیں ہوتی، ان کے کان ایسے ہوجاتے ہیں کہ ان کے اندر سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور ان کی آنکھیں ایسی ہوجاتی ہیں کہ

---

(۱) سورة البقرة: آیت (۷)

(۲) سورة الأعراف: آیت (۱۷۹)

ان کے اندر دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، ایسے لوگ جانور اور چوپاؤں کی طرح ہوجاتے ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہوجاتے ہیں۔

## گناہوں کے نتیجے میں مَت اُلٹی ہوجاتی ہے

یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان سرکشی پر آمادہ ہوجائے، اور جب انسان کے دل سے گناہوں کی برائی نکل جائے، پھر یہ قلوب ایسے ہوجاتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا، اس لئے کہ گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی مَت اُلٹی کردیتا ہے، سمجھ اُلٹی کردیتا ہے، آپ نے بعض لوگوں کو دیکھا ہوگا جو سینہ تان کر یہ کہتے ہیں کہ یہ مولوی لوگ کیوں اس کام کو برا کہتے ہیں؟ کیوں یہ کام گناہ ہے؟ کیوں حرام ہے؟ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اس گناہ کے اندر مصروف ہوکر زندگی اس میں گزاردی، اس کے نتیجے، ان کے قلوب ایسے نہ رہے، جو صحیح بات کو سمجھ سکیں۔

## ہر چیز حلال کرنے کا نیا فتنہ

آج کل ایک سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہورہا ہے کہ فلاں چیز بھی حلال، فلاں چیز بھی حلال، اور ساری گالی گفتار مولویوں پر ہوتی ہے کہ ان مولویوں نے دین کو تنگ کرکے رکھ دیا اور ہر چیز کو یہ منع کردیتے ہیں، اب آج کل طالبان سے ''خواتین کے حقوق'' کا مطالبہ ہورہا ہے، جیسا کہ ان سے زیادہ خواتین کا کوئی خیر خواہ اور ہمدرد نہیں ہے، انہیں خواتین پر بم برسائے، اس پر خواتین کے حقوق

یاد نہیں آئے، بچوں کے حقوق یاد نہیں آئے، اور خواتین کا حق یہ ہے کہ ان کا لباس اُتار دو، آج ہمارے ذرائع ابلاغ میں جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، وہ سینہ تان تان کر یہ سب باتیں کر رہے ہیں کہ یہ کیا ضروری ہے کہ عورت کے سر پر دوپٹہ ہو، اس کے مختصر لباس کے اندر سامنے آنے میں کیا حرج ہے؟ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عورت کا لباس ساتر ہونا چاہئے تو اس پر لوگوں نے ایک طومار مچادیا، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ ان کے پاس دل تو ہیں، لیکن سمجھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ یہ مہر زبردستی نہیں لگائی، بلکہ خود ان کے اپنے عمل کی وجہ سے کہ انہوں نے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا، اگر انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے تو اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دیدے، لیکن جب گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا تو پھر کہاں اس کو گناہ سے بچنے کی توفیق ہوگی؟

## گناہ کی ظلمت اللہ والے محسوس کرتے ہیں

یہ جو میں نے ''نور'' اور ''ظلمت'' کی بات کی، بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ تو بے حس ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں حِس عطا فرمادے، آمین لیکن جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، ان سے جب کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ اس گناہ کی ظلمت اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، وہ ایک مرتبہ کسی دعوت میں چلے گئے اور دعوت ایک ایسے شخص کی تھی جس کی آمدنی میں کچھ شک تھا، حضرت کو معلوم نہیں تھا کہ اس شخص کی آمدنی کیسی ہے، حلال ہے یا حرام ہے؟

لیکن آپ خوش گمانی کر کے چلے گئے، لیکن بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے وہ دعوت کھائی ہے، اس کے بعد ایک مہینے تک میں اپنے قلب میں ظلمت محسوس کرتا رہا، کیسی ظلمت؟ وہ یہ کہ بار بار میرے دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے رہے۔

## گناہ کے تقاضے کا سبب ''حرام'' کی نحوست

اس لئے کہ ''حرام'' کی ایک نحوست یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں گناہ کرنے کے تقاضے پیدا کرتا ہے، اس طرح ''حرام عمل'' بھی ظلمت پیدا کرتا ہے۔ ہم لوگ چونکہ بے حس ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں حس پیدا فرمادے۔ آمین، جن بزرگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے حساس بنایا ہے، وہ اس کو محسوس کرتے ہیں، اس لئے حضرت نے فرمایا کہ ایک ماہ تک دل میں ظلمت رہی، وہ ظلمت یہ تھی کہ گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے رہے کہ فلاں گناہ کرلوں، فلاں گناہ کرلوں، آج ہم سب اس کے اندر مبتلا ہیں کہ ہم اپنی خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہوجاتے ہیں، مثلاً مجلس کے اندر بیٹھے ہیں، اور اس مجلس میں کسی کی غیبت ہورہی ہے کہ فلاں شخص کے اندر یہ خرابی ہے، اور اس کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، اس کی توہین کی جارہی ہے۔

## غیبت میں بھی لذّت

نفس اور شیطان نے اس گپ شپ میں بھی لذت رکھ دی، جب کسی مجلس میں گپ شپ ہورہی ہو، اس گپ شپ میں کسی کا ذکر کر کے اس کی آبروریزی

کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا، اس کی برائیاں بیان کرنا، اس میں بھی ایک لذّت ہے، جب آدمی کو لذّت حاصل کرنے کا تقاضا ہوتا ہے تو وہ اس وقت وہ غیبت کے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی غیبت کرنے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور کبھی غیبت سننے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اب ایسی مجلس میں جس میں پورا مجمع بیٹھا ہے اور لوگ غیبت کر رہے ہیں، اس موقع پر ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں غیبت کی بات نہ سنوں، اب اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے، لیکن وہ مجلس ایسی ہے کہ اس سے اُٹھنا مشکل ہو رہا ہے، یا تو اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے اُٹھنا مشکل ہو رہا ہے، یا اس وجہ سے کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے؟ اس لئے وہ شخص مغلوب ہو گیا، اس وقت وہ اللہ میاں سے کہہ دے کہ:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝

اگر سچے دل سے کہے گا، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت پر بھروسہ کر کے کہے گا تو ضرور اللہ تعالیٰ راستہ نکالیں گے، یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ راستہ نہ نکالیں۔

## ایسے وقت میں اللہ کو پکارو

لہٰذا جب بھی خواہشاتِ نفس کا غلبہ ہو، اور اس وقت انسان اپنے آپ کو مجبور محسوس کر رہا ہو تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے اور کہے:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝

سچے دل سے یہ دعا مانگ لے، یقین کے ساتھ مانگ لے کہ اللہ تعالیٰ

ضرور قبول فرمائیں گے۔ اس کے نتیجے میں یا تو اللہ تعالیٰ اس گناہ سے بچالیں گے یا اس گناہ پر توبہ اور استغفار کی توفیق دیدیں گے اور معاف فرمادیں گے۔ بہرحال! یہ معمولی دعا نہیں ہے، شاید ہمیں ہر قدم پر اس دعا کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً غصے کے جذبات دل میں پیدا ہورہے ہیں، یا شہوت کے جذبات پیدا ہورہے ہیں، نفسانی خواہشات کے جذبات ہیں، ایسے مواقع پر جب بھی انسان مغلوب ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ سے پکارے۔

## ایسے زمانے میں پیدا کئے جانے کا عذر

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات آدمی یہ سوچتا ہے کہ ہم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس میں چاروں طرف گناہوں کے داعیے اور ہرکارے پھر رہے ہیں، آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی، کانوں کو پناہ نہیں ملتی، زبان کو پناہ نہیں ملتی، اس لئے ہم مجبور ہیں اور ہمیں اسی ماحول اور معاشرے میں زندگی گزارنی ہے اور ایسے ہی لوگوں سے ملنا جلنا ہے، اب ہم کیا کریں؟ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم یہ تصور کرو کہ تم اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو، اور تم وہاں یہ عذر پیش کررہے ہو کہ یا اللہ! آپ نے پیدا ہی ایسے زمانے میں کیا جس میں چاروں طرف گناہوں کے اسباب جمع تھے۔ اگر آپ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پیدا فرماتے تو ہم ویسے بن جاتے۔ لیکن آپ نے ہمیں بیسویں صدی اور اکیسویں صدی میں پیدا کیا۔ اور اس زمانے میں ہر طرف گناہ ہی گناہ تھے، ہر طرف گناہوں کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، ہم اپنے آپ کو کیسے بچاتے؟

## تم نے مجھ سے کیوں نہیں مانگا؟

اس عذر کے جواب میں اگر اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں کہ یہ بتاؤ کہ جب گناہوں کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، اس سے بچنے کے لئے تم نے مجھ سے کبھی رجوع کیا؟ اور کبھی مجھ سے تم نے کہا کہ یا اللہ! یہ آگ بھڑکی ہوئی ہے، مجھے اس سے بچالیجئے، اگر تم نے نہیں مانگا، تو بتاؤ، پھر تمہارے پاس کیا عذر ہے؟ کیا تمہیں میری قدرت پر یقین نہیں تھا؟ کیا تمہیں میری رحمت پر یقین نہیں تھا؟ اگر تمہیں میری قدرت اور رحمت پر یقین ہوتا تو کم از کم تم مجھ سے دل سے مانگتے تو سہی، اور کہتے: یا اللہ! چاروں طرف یہ گناہوں کے ہرکارے پھر رہے ہیں، اپنی رحمت سے مجھے ان سے بچالیجئے، لیکن تم نے مانگا ہی نہیں، اب کیا عذر ہے؟ بتاؤ، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے؟

## تمام مشکلات کا حل

لہٰذا میں یہ جو کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے منگتے بن جانا، تمام مشکلات کا یہی حل ہے اور قرآنِ کریم ہمیں کس کس طریقے سے دعائیں سکھاتا ہے کہ مجھ سے یوں مانگو، میرے بندوں نے اس طرح مانگا تھا، میرے بندوں نے یہ مانگا تھا، ان کو ہم نے کس طرح نوازا، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگو اور کہو:

أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ

یا اللہ! میں اس دنیا کے ماحول سے مغلوب ہوگیا ہوں، آپ ہی اپنے فضل و کرم سے میری مدد فرمائیے، لہٰذا کچھ قدم بڑھاؤ، اور کچھ اللہ سے مانگو، قدم

بڑھائے بغیر مانگنا تو محض خام خیالی ہے، لہٰذا تھوڑا قدم بڑھاؤ، اور دل میں گناہ کی برائی پیدا کرو، اور صدقِ دل سے مانگو کہ یا اللہ! میں گناہ کے تقاضے سے مغلوب ہو رہا ہوں، یہ برا کام ہے، میں اس گناہ کے اس تقاضے کی وجہ سے بھی نادم ہوں، اور میں اپنی طرف سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور پھر آپ سے مانگتا ہوں۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرو

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو کہ بھرپور جوانی ہے، خلوت ہے، تنہائی ہے، دروازے بند ہیں، ان پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور پھر گناہ کی دعوت دی جارہی ہے، اب آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دروازے بند ہیں، ان پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس کے باوجود اس جگہ سے بھاگ کر دروازے تک پہنچ گئے، اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا، آگے بچانا آپ کا کام ہے، اور یہ دعا کی:

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ (1)

یا اللہ! اگر آپ اپنی رحمت سے میری مدد نہیں فرمائیں گے تو میں خود بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور جاہلوں میں

---

(۱) سورۃ یوسف: آیت (۳۳)

سے بن جاؤں گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگا، لیکن پہلے دروازے تک دوڑ کر گئے۔

## تم بھی بھاگ کر گناہ سے بچ جاؤ

اسی واقعہ کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید پدید

یعنی اگرچہ تمہیں کوئی رخنہ نظر نہیں آ رہا ہے اور باہر نکلنے کا راستہ نظر نہیں آ رہا ہے، لیکن تم حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح کم از کم دروازے تک تو بھاگ کر جاؤ، پھر دیکھو، دروازے کون کھولتا ہے؟ لہٰذا جتنا ہو سکے، حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بھاگ کر جانا چاہئے۔

## اس دعا کو یاد کرلو، اور بار بار پڑھو

بہر حال! جب بھی ایسی صورت حال ہو، جس میں آدمی اپنے آپ کو مجبور پا رہا ہو کہ کہیں مجھ سے گناہ سرزد نہ ہوجائے، تو اس وقت یہ دعا کرو، یہ چھوٹی سی دعا ہے، اس کو یاد کرلو:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○

اے میرے پروردگار! میں مغلوب ہوں، میری مدد فرمادے۔

یہ دعا تو چھوٹی سی ہے، لیکن اس کے اندر کائنات پوشیدہ ہے۔ اور وہ "مغلوبیت" چاہے جسمانی ہو، چاہے روحانی ہو، چاہے وہ مغلوبیت دنیاوی ہو اور چاہے وہ مغلوبیت اُخروی ہو، جیسی بھی مغلوبیت ہو کہ کوئی دوسرا غالب آرہا ہے، اس وقت یہ دعا مانگ لو اور بار بار مانگتے رہو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح دروازے کھولتے ہیں، کھولیں گے، اور ضرور کھولیں گے، اور جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اس وقت کم از کم تم یہ تو کہہ سکو گے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے مانگا تھا اور کوشش بھی کی تھی، تو کیا اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ کوئی دشمنی ہے کہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم میں ڈال دیں گے؟ نہیں، بلکہ وہ ان شاء اللہ رحم فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۳۵

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعا

## دعا نمبر ۳۵

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! قرآنِ کریم کی دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، پچھلی مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○ [1]

کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کی تھیں، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چھوٹی سی دعا تلقین فرمادی ہے کہ جب کبھی ہم پر شیطان یا نفس کا غلبہ ہو، اس وقت بندہ ان الفاظ سے ہمیں پکارے کہ:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○

---

(۱) سورۃ القمر: آیت (۱۰)

اے میرے پروردگار! میں مغلوب ہوگیا ہوں، میری مدد فرمایئے اور نفس و شیطان کے مقابلے میں مجھے فتح عطا فرمایئے۔

## دعا اور اس کا ترجمہ

اس کے بعد جو دعا "مناجاتِ مقبول" میں ہے، یہ دعا قرآنِ کریم میں عجیب سیاق میں آئی ہے، وہ دعا یہ ہے کہ:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○[1]

اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمایئے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت فرمایئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے، اور جو ہم سے پہلے مؤمن تھے، اور ہمارے دلوں میں کسی بھی مؤمن کے لئے کوئی کھوٹ نہ رکھیئے، اے ہمارے پروردگار! آپ بہت رحم کرنے والے اور بہت شفقت کرنے والے ہیں۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو قسمیں، مہاجرین اور انصار

اس دعا میں ہمارے لئے ایک بڑی عظیم سعادت ہے کہ اس آیت میں

(۱) سورۃ یوسف: آیت (۳۳)

اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کا ذکر فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سیاق میں ذکر کیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ جو مہاجرین تھے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے، دوسری قسم انصار کی تھی، یعنی وہ حضرات صحابہ جو مدینہ منورہ میں پہلے سے آباد تھے، اور جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ آئے تو انہوں نے مہاجرین کی بڑی مدد کی، بڑے ایثار سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا میں دونوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلے مہاجرین کا ذکر فرمایا ہے اور پھر انصار کا ذکر فرمایا ہے۔

## قبیلہ بنو نضیر کی جلاوطنی

اس دعا اور آیت کا سیاق یہ ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں کہ جب بنو نضیر جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قبیلے کو ان لوگوں کی سازشوں کی وجہ سے اور ان کی مکاریوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تھا، اور ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ تمہیں اپنا جتنا سامان لے جانا ہو، لے جاؤ، چنانچہ انہوں نے اپنی طرف سے کوشش یہ کی تھی کہ کوئی چیز چھوڑ کر نہ جائیں، یہاں تک کہ اپنے گھروں کے دروازے بھی اُکھاڑ کر لے گئے تھے، لیکن اپنی زمینیں چھوڑ کر چلے گئے۔

## قبیلہ بنو نضیر کی زمینوں کی تقسیم

اب ان کی چھوڑی ہوئی یہ زمینیں ایک طرح سے مالِ غنیمت بن گئی تھیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئیں، اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ زمینیں کس کو ملنی

چاہئیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان زمینوں کی تقسیم کے بارے میں سب سے پہلے ''مہاجرین'' کا بیان فرمایا کہ:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (۱)

فرمایا کہ اس زمین کے مستحق ایک تو وہ مہاجرین ہیں جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں، جنہیں اپنے گھروں سے اور اپنے اموال سے نکال دیا گیا ہے اور یہ لوگ ہجرت کرنے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ وہاں ان پر ظلم وستم ڈھائے جا رہے تھے اور ان پر سختیاں ہو رہی تھیں، اور انہیں اذیت برداشت کرنی پڑ رہی تھی، وہاں کے لوگوں نے ان کے گھروں پر بھی قبضہ کرلیا اور ان کے مال اور جائیدادوں پر قبضہ کرلیا، اور یہ حضرات خالی ہاتھ مدینہ منورہ پہنچے۔

## اللہ تعالیٰ کا مہاجرین کی تعریف کرنا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات مہاجرین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو ان کے گھروں سے اور ان کے مال و دولت سے محروم کیا گیا، کیوں محروم کیا گیا؟ اس لئے کہ ان حضرات کے پیشِ نظر یہ دنیا نہیں تھی، بلکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا فضل چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے نہ تو اپنی جائیدادوں

(۱) سورۃ الحشر: آیت (۱۰)

کی پرواہ کی، نہ اپنے مال کی پرواہ کی اور نہ اپنے گھروں کی پرواہ کی، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ چلے آئے، آخر میں ان کے بارے میں فرمایا:

أُولَـٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○

یہ ہیں جو سچے لوگ ہیں۔

یعنی ''صدق'' اور سچائی کی صفت ان میں پائی جاتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ جب بندہ یہ کلمہ پڑھے ''أَشْهَدُ اَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ'' اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے، جب وہ یہ کہتا ہے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اطاعت کے لائق صرف ایک ذات ہے، وہ اللہ ہے، اور کسی کی اطاعت نہیں، اور اگر اس کی اطاعت کے خلاف کوئی کسی کو آمادہ کرنا چاہے تو اس مخلوق کی اطاعت نہیں جائے گی، اللہ کی اطاعت کی جائے گی۔

## ایمان لانے والا اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے

لہٰذا اگر شیطان یہ کہتا ہے کہ میرے پیچھے چلو، میں تمہیں گناہوں کی دعوت دیتا ہوں، اس میں لذّت پیدا کرتا ہوں، تو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کے عہد کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی نفس اور شیطان کے اس تقاضے کو کچلے، اور کچل کر اللہ کی اطاعت کرے۔ یہ معنی ہیں ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کے۔

اور اس کے بعد ''أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ'' ہے، یہ دوسرا عہد ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، لہٰذا وہ جو کچھ فرمائیں گے، وہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، اور ان کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت ہے۔ لہٰذا یہ عہد ہے کہ میں صرف اللہ کی اطاعت کروں گا، اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت اور اطاعت نہیں کروں گا، اور اپنی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاروں گا، چاہے مجھے اس راستے میں کتنی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں، چاہے میرا مال چھین لے، میری جائیداد چھین لے، مجھے میرے گھر سے نکال لے، مجھے اذیتیں دے، مجھے تکلیف پہنچائے، چاہے مجھے فرش پر اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر میرے سینے پر پتھر رکھ دیں، لیکن میری زبان سے صرف ''اَحد'' ''احد'' ہی نکلے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔

## یہی سچے لوگ ہیں

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ:

أُولَٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

یعنی یہ مہاجرین ہی سچے لوگ ہیں۔

اس لئے کہ انہوں نے جو اپنے پروردگار سے عہد کیا تھا، اس کو سچا کر دکھایا، کیا کیا مصیبتیں ان پر نہیں توڑی گئیں، کن کن مشکلات سے ان کو نہیں گزارا گیا، ان کو مارا گیا، ان کو پیٹا گیا، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد سے پھرے نہیں، لہٰذا یہ ہیں سچے لوگ۔

## حقیقت میں سچا کون؟

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں ''سچا'' وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ

کئے ہوئے عہد کو پورا کرے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو وہ زبان کا بھی سچا ہوتا ہے، وہ عمل کا بھی سچا ہوتا ہے، وہ معاملات میں بھی سچا ہوتا ہے، وہ معاشرت میں بھی سچا ہوتا ہے، وہ اخلاق میں بھی سچا ہوتا ہے، اور جتنے شعبہ ہائے زندگی ہیں، ان سب میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

مہاجرین وہ تھے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے، جنہوں نے اپنا مال چھوڑا، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی، مکہ مکرمہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ تم مار کھاتے رہو، جواب دینے کی اجازت نہیں۔ تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں، عام حالات میں تو یہ حکم ہے کہ اگر دوسرا شخص تمہیں مکہ مارے تو تم بھی ایک مُکّا ماردو، جائز ہے، لیکن مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت نہیں تھی، جہاد کی اجازت نہیں تھی، بدلہ لینے کی بھی اجازت نہیں تھی، لہٰذا وہ لوگ کس مجاہدے سے گزرے ہیں؟ اور اس مجاہدے کے اندر وہ پکے اور سچے اُترے، اس لئے ان کے بارے میں فرمایا کہ "أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝" یہ تو مہاجرین کا تذکرہ ہوا۔

## انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف

اب آگے انصار کا ذکر ہے کہ:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۝ (۱)

---

(۱) سورۃ الحشر: آیت (۸)

وہ لوگ جو پہلے سے اس شہر "مدینہ منورہ" میں آباد تھے، اور ایمان بھی لاچکے تھے، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین ابھی مکہ مکرمہ میں تھے، اس وقت ایمان لاچکے تھے، اور ان کی حالت یہ تھی کہ جو لوگ اپنا گھر اور اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرکے ان کے پاس آئے تھے، یہ لوگ ان سے محبت کرتے تھے، آج کل عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ جب ایک ملک میں دوسرے ملک کے لوگ ہجرت کرکے آجائیں تو ان کو طرح طرح کے طعنے بھی دیئے جاتے ہیں، اور ان کو پریشان بھی کیا جاتا ہے اور ان کو اپنا نہیں سمجھا جاتا، لیکن یہ انصار حضرات اپنے مہاجر بھائیوں سے محبت کرتے ہیں۔

## انصار دل سے مہاجرین سے محبت کرتے تھے

ایک ہوتا ہے "دکھاوے کے اخلاق کا مظاہرہ کرنا" یعنی ظاہری طور پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرلیا، ایسا نہیں تھا، بلکہ دل سے مہاجرین کے ساتھ محبت رکھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مال ان مہاجرین کو عطا فرمایا، یہ حضرات اس مال پر نظر نہیں رکھتے تھے اور یہ نہیں سوچتے کہ ان لوگوں کو اگر مال دے دیا گیا تو ہمارے مال میں کمی آجائے گی، اور دوسرے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ان مہاجرین سے ان کا کوئی مطالبہ نہیں ہے کہ ہم تمہیں مدینہ منورہ میں آباد کررہے ہیں تو اس کے بدلے میں آپ ہمیں کچھ دیں۔

## زمینیں آدھی آدھی کردیجیے

بلکہ صورت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین اور

انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا، تو سارے انصار مل کر حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! جو ہمارے یہ مہاجر بھائی ہیں، ان کے پاس کوئی جائیداد تو ہے نہیں، نہ ان کے پاس کوئی مال و دولت ہے، اور نہ ان کے گزارے کا کوئی اور راستہ ہے، ایسا کردیجئے کہ یہاں جو ہماری زمینیں اور نخلستان ہیں، ان زمینوں کو ہمارے اور ان کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ پیش کش لے کر آئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، ایسا نہیں ہوگا، آپ حضرات زمین کے مالک ہیں، آپ زمین پر رہیں۔

## زمین انصار کی، مہاجرین زمینوں میں کام کریں

پھر خود انصار نے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ زمینیں ہمارے درمیان تقسیم نہیں کرتے تو ایسا معاملہ کرلیں کہ زمین ہماری رہے اور یہ حضرات مہاجرین ان زمینوں کی دیکھ بھال کریں، ان نخلستانوں کی اور جو زراعت ہوتی تھی، اس کی دیکھ بھال کریں اور جو پیداوار ہو، وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوجائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، ایسا کرلو، کیوں؟ اس لئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی خودداری میں کوئی فرق آئے، لہٰذا مہاجرین کی خودداری بھی برقرار رکھنی تھی اور مسائل بھی حل کرنے تھے، اب اس کے ذریعہ ایک معاملہ ہوگیا کہ مہاجرین زمینوں پر کام کریں گے اور جو پیداوار ہوگی وہ انصار مہاجرین کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی۔ اسی کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا کہ:

وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ

کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ان مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں۔

## مجھے بازار کا راستہ دکھا دو

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا بھائی چارہ قائم فرمادیا، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمہیں پسند ہو، میں اس کو طلاق دیدیتا ہوں، اور عدت گزرنے کے بعد تم اس سے نکاح کرلینا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں، تمہاری اولاد میں، تمہاری ازواج میں برکت عطا فرمائے، البتہ مجھے بازار کا راستہ بتادو کہ بازار کہاں ہے؟ تاکہ میں بازار جاکر کچھ تجارت کروں گا اور اس سے کچھ کمالوں گا، چنانچہ وہ تجارت کے لئے بازار گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائی، یہاں تک کہ اغنیاءِ صحابہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔[1]

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نکاح میں سادگی

کچھ دنوں کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان

(۱) صحیح البخاری ۳ / ۵۲ (۲۰۴۸)

تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ نشان کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! میں نے انصار کی ایک خاتون سے نکاح کرلیا ہے، اس نکاح کی خوشبو کا یہ نشان ہے، اب یہ دیکھئے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نکاح کا پتہ ہی نہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ شکایت نہیں فرمائی کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا اور ہمیں پوچھا بھی نہیں۔ کوئی شکایت نہیں کی، بلکہ آپ نے دعا دی۔ اور البتہ فرمایا کہ ولیمہ کرلینا، چاہے ایک بکری سے کیوں نہ ہو۔ [1] بہر حال! حضرات انصار صحابہ کی ایثار کی یہ حالت تھی کہ بیوی سے دست بردار ہونے پر تیار تھے۔

## ایک انصاری صحابی کا ایثار

انہی کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

یعنی وہ لوگ مہاجرین صحابہ کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں، چاہے وہ خود فقر و فاقہ کی حالت میں ہوں۔

حدیث شریف میں اس کا ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک انصاری صحابی تھے، اصحابِ صُفّہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے مسجد نبوی میں رہتے تھے، کبھی کبھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرمادیتے تھے کہ جس کے پاس ایک آدمی کا کھانا ہے تو وہ اصحابِ صفہ میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ گھر لے جائے۔ تو انصاری صحابی دو آدمیوں کو لے جاتا، کوئی تین افراد کو لے جاتا۔

(۱) صحیح البخاری ۷ / ۲۱ (۵۱۵۳)

ایک صحابی غالباً حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو بھیج دیا۔ یہ بہت خوش ہوئے کہ ہمارے گھر میں مہمان آگئے، جب گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ گھر میں اتنا کھانا نہیں تھا کہ خود بھی کھالیں، اور مہمان کو بھی کھلا دیں، چنانچہ میاں بیوی نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ایسا کرو کہ جب مہمان کھانے کے لئے بیٹھیں تو تم چراغ بجھا دینا، کھانے کے لئے ساتھ بیٹھ جانا، اور صرف ہاتھ ہلاتے رہنا، تا کہ مہمان کھانا کھالے، چنانچہ سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا، اور خود بھوکے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

یعنی اپنے اُوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود اُن پر فقر و فاقہ کی حالت گزر رہی ہو۔ (۱)

## ایثار کے صحیح معنیٰ

اس سے معلوم ہوا کہ "ایثار" بہت پسندیدہ عمل ہے، "ایثار" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگرچہ ایک چیز کی خود کو ضرورت ہے، لیکن دوسرے کو اپنے اُوپر ترجیح دے کر وہ چیز دوسرے کو دیدے۔ مثلاً اپنا حق ہے، لیکن اپنا حق چھوڑ کر دوسرے کو اپنا حق دیدے۔ یا میرا اپنا مال ہے، میں اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہوں، لیکن دوسرے کو ترجیح دے کر وہ مال میں اس کو دیدوں، جبکہ ضرورت مجھے بھی ہے، اور ضرورت دوسرے کو بھی ہے، لیکن میں دوسرے کی ضرورت مقدم کردوں، اور اپنی ضرورت کو پیچھے کردوں، یہ ہے "ایثار"۔ اس آیت میں اسی "ایثار" کی

---

(۱) صحیح البخاری ۵ / ۳٤ (۳۷۹۸)

تعریف فرمائی ہے کہ:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

خود پر اگرچہ فقر وفاقہ گزر رہا ہے، لیکن دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

یعنی مہاجرین اور اصحابِ صفہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا پیٹ بھر جائے، ہم بھوکے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

## جسے اللہ تعالیٰ مال کی محبت سے بچالے

انہی کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (1)

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال کی محبت سے بچالے، وہ مال کی محبت جو انسان کو بخل تک لے جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے جس کو بچالے، تو وہی فلاح پانے والے ہیں، اب انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مہاجرین کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے، یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اگر انصار صحابہ کے دلوں میں مال کی محبت ہوتی تو وہ حضرات مہاجرین کے لئے اتنا ایثار کرتے؟ کیوں اپنی زمینوں کی پیش کش کرتے؟ کیوں خود بھوکا رہ کر ان کو کھلاتے؟ یہ سب کیوں ہو رہا تھا؟ اس لئے کہ مال کی محبت کے نتیجے میں انسان کے دل میں جو بخل پیدا ہوتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا ہے۔

(۱) سورۃ الحشر: آیت (۹)

## مال برا نہیں، مال کی محبت مذموم ہے

اس لئے فرمایا کہ جو شخص نفس کے بخل سے بچالیا جائے وہی ہیں ''فلاح'' پانے والے۔ اس آیت میں ''محبت'' کی نفی کی جارہی ہے کہ ''مال'' ہو، لیکن مال کی محبت نہ ہو، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مال مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یا اللہ! مجھے اتنا مال دیدیجئے کہ میں اطمینان سے زندگی گزار سکوں، لیکن مال کی ایسی محبت کہ ہر وقت دل اسی میں لگا ہوا ہے، دن رات اسی فکر میں ہے کہ میرے مال میں اضافہ ہوجائے۔ یہ مال کی محبت ہے، جو مذموم ہے۔

## مال کی محبت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رکاوٹ نہ بنے

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! آپ نے خود قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ (1)

کہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ مال کی محبت انسان کے دل میں ہوتی ہے، لہٰذا مال کی محبت آپ کی اطاعت میں رکاوٹ نہ بنے، اسی لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا ارشاد فرمائی کہ:

---

(1) سورة آل عمران: آیت (١٤)

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ (١)

اے اللہ! آپ ہمیں اپنا اتنا ڈر عطا فرمادیں جو ہمیں گناہوں سے روک دے۔

اگر صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کا احساس دل میں پیدا ہوجائے تو آدمی کے لئے زندگی گزارنا مشکل ہوجائے۔ لہٰذا یہ دعا کی کہ یا اللہ! آپ اپنا ڈر اتنا دیجئے جو ہمیں معصیتوں سے روک دے۔

## وصفِ ایثار فلاح کا موجب ہے

اسی طرح مال کی محبت کے بارے میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا اللہ! ہمارے دلوں میں مال کی محبت تو ہوگی، لیکن ایسا کر دیجئے کہ وہ مال کی محبت آپ کی اطاعت سے مانع نہ ہوجائے۔ (٢) اس آیت میں حضرات انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی اللہ تعالیٰ نے یہ تعریف فرمائی کہ ان کے اندر بخل نہیں ہے، بلکہ ''ایثار'' ہے اور یہی ''ایثار'' کا وصف ان کی فلاح کا موجب ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (٣)

اوپر کی آیات میں دو ایمان والی جماعتوں کا ذکر ہوگیا، ایک مہاجرین اور

---

(١) سنن الترمذي ٥ / ٤٠٦ (٣٥٠٢) وقال: هذا حديث حسن غريب.

(٢) مصنف ابن أبي شيبة ١٨ / ٥٢٨٢ (٣٤٤٧٤) والزهد لابن حنبل ص٩٥ (٥٩٨)

(٣) سورة البقرة: آيت (٥)

ایک انصار۔ اس کے بعد آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۱)

یعنی وہ لوگ جو اُن مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے ہیں، اس سے مراد ہم لوگ بھی ہیں، اس لئے میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس میں ہمارا بھی ذکر ہے۔ ان مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی کہ وہ بعد میں آنے والے اس طرح دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ

## سابقہ گزرے ہوئے لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا

یعنی اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت کر دیجئے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت کر دیجئے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اب دیکھئے کہ بعد میں آنے والوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سیاق میں ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے اندر دو وصف ہوں گے، ایک وصف یہ ہے کہ ان سے پہلے جو مؤمن گزر چکے ہیں، ان کے لئے بھی مغفرت مانگتے ہیں جیسے اپنے لئے مغفرت مانگتے ہیں۔ جس طرح اپنی یہ حاجت ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم سے بچائے اور جنت میں داخل کرے۔ اسی طرح وہ لوگ اپنے سے پہلے گزرنے والوں کی بھی مغفرت مانگتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ الحشر: آیت (۱۰)

## اَسلاف سے محبت کا جذبہ ہونا چاہیے

ہم لوگوں کو اپنے اسلاف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے، بزرگانِ دین سے اور پچھلے گزرے ہوئے سارے لوگوں سے جو ایمان کی صفت سے متصف تھے، ان سب کے لئے دل میں محبت کا جذبہ ہونا چاہئے اور ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنی چاہیے۔ اس کے ذریعے ہمیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ بعض اوقات تم پچھلے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی برائی بیان کرتے ہو، یا ان پر لعنت ملامت کرتے ہو، یہ بعد میں آنے والے اللہ کے پسندیدہ لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ مثلاً بعض اوقات اسلاف کے بارے میں ہم یہ جملے کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی آدمی تھے، ہم بھی آدمی ہیں۔ وہ بھی انسان تھے، ہم بھی انسان ہیں۔ وہ اجتہاد کر سکتے تھے، ہم بھی اجتہاد کر سکتے ہیں۔ وہ اگر قرآنِ کریم سمجھ سکتے تھے، ہم بھی سمجھ سکتے ہیں۔

## متجددین کا دعویٰ

ہر زمانے میں متجددین کا ایک اچھا خاصا گروہ رہا ہے، جو ''متجدّدین'' کا گروہ کہلاتا ہے، وہ گروہ یہ کہتا ہے کہ مولویوں نے اسلام کو تنگ کر دیا ہے، ورنہ اصل میں ''اسلام'' بڑا کشادہ مذہب ہے، ہم ''اسلام'' کی ایسی تشریح پیش کرتے ہیں جس میں کوئی تنگی نہیں ہوگی، دنیا کے بہاؤ کے ساتھ انسان کو چلنا چاہئے، وہ لوگ قرآن اور حدیث کی ایسی تشریح کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ لوگ بہت سے گناہوں کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ گناہ ہی نہیں، بہت سے برے کاموں کا انکار کر دیا کہ برائی ہی نہیں۔ ایک تو اس آیت سے ان متجددین کی تردید ہوگئی۔

## تجھے پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو

دوسرے اس آیت سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو اپنے سے پچھلے لوگوں کا ذکر کر کے ان کی برائیاں بیان کرتے ہیں، مثلاً آج کل یہ بحث چلی ہوئی ہے کہ ''یزید'' جنتی ہے یا جہنمی ہے؟ اس بحث میں آدمی پڑ کر خواہ مخواہ اپنا وقت خراب کرے، یہ کوئی دین کا کام نہیں۔ جتنے بھی لوگ جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے، اور جنہوں نے ایمان کی حالت میں زندگی گزاری۔ ان کے لئے تو ہم مغفرت مانگتے ہیں۔ پچھلے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم نے ایک اصول بیان فرمادیا کہ:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱)

یعنی پچھلے لوگ تو پیچھے گزر چکے، ان کو ان کے اعمال کا جواب دینا ہوگا، تمہیں تمہارے اعمال کا جواب دینا ہوگا اور قیامت کے روز تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، کہ انہوں نے کیا کیا عمل کیا تھا، لہٰذا تم اپنی خبر لو۔

## یزید کے فاسق ہونے کے بارے میں سوال

ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجمع میں کسی نے سوال کیا کہ حضرت! یزید فاسق تھا یا نہیں؟ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت (۱۳٤)

نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! میں کسی کے بارے میں کیا کہوں کہ وہ فاسق تھا یا نہیں تھا، مجھے یہ فکر پڑی ہوئی ہے کہ کہیں میں تو فاسق نہیں ہوں۔ لہٰذا خواہ مخواہ اس قسم کی بحثوں میں پڑنا کسی طرح مناسب نہیں۔

## قربِ قیامت کی ایک علامت

حدیث شریف میں جو علاماتِ قیامت آئی ہیں، ان میں ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ:

لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا[1]

یعنی اس امت کے آخر میں جو لوگ آئیں گے وہ اپنے سے پچھلے لوگوں کو لعنت کریں گے۔

''لعنت'' کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی تردید کریں گے، ان کی برائی بیان کریں گے، اور ان پر ایسی تنقید کریں گے جس کے نتیجے میں ان کی توہین لازم آئے، آج یہ سب ہو رہا ہے، آج جو لوگ اپنے آپ کو ''ماڈرن'' کہلاتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی کیا ضرورت کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کریں، تابعین کی پیروی کریں، اور سلفِ صالحین کی پیروی کریں، ہم خود قرآنِ کریم پڑھیں گے، اور اس کا جو مطلب ہمیں سمجھ میں آئے گا، ہم اس پر عمل کریں گے۔

---

(۱) سنن الترمذی ٤ / ٧٠ (٢٢١٠) وقال هذا حديث غريب.

## کون جنتی، کون جہنمی؟

اگر ایک آدمی تاریخ پڑھ رہا ہے، تو تاریخ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، مباح عمل ہے، لیکن اس کو موضوع بحث بنانا، اور اس پر مجادلے کرنا یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ ارے تم کیا جانو کہ کون جنتی، کون جہنمی؟ اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کریں گے، تمہارے فیصلے سے نہ کوئی جنتی بنتا ہے، نہ کوئی جہنمی بنتا ہے، لہٰذا اس آیت میں فرمادیا ہے کہ بعد میں آنے والے اچھے لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے جو مؤمن گزرے ہیں، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔

## ایمان والوں کی دوسری دعا

اور وہ لوگ دوسری دعا یہ کرتے ہیں کہ

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اے اللہ! ہمارے دلوں میں کسی بھی مسلمان کی طرف سے کوئی کھوٹ باقی نہ رکھئے۔

''کھوٹ'' کے معنی ہیں: ''بغض''۔ ہمارے دل میں کسی بھی مسلمان کیلئے ''بغض'' نہ ہو۔ اور اس سے نفرت نہ ہو۔ اس کی بدخواہی نہ ہو، یہ ''بغض'' باطن کی بیماریوں میں بہت بڑی بیماری ہے، اتنی بڑی بیماری ہے کہ شبِ برأت کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ بنی کلب کی بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہوتے ہیں، ان بالوں کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں،

''بنی کلب'' کا جو قبیلہ تھا، اس کی سینکڑوں بکریاں تھیں، اور ایک بکری کے جسم پر کتنے بال ہوتے ہیں، اتنی ساری بکریوں کے جسم پر کتنے بال ہوں گے، ان بالوں کا شمار کرنا مشکل ہے، اس رات میں اتنے سارے لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے، لیکن اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی، جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے ''بغض'' اور نفرت ہو، کینہ ہو، بدخواہی ہو،(۱) یعنی اس شخص سے اتنی نفرت ہے، دل میں اس کے خلاف اتنے برے جذبات ہیں کہ اگر اس سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو اس سے خوشی ہو، اگر اس کی بدنامی ہو تو خوشی ہو، اگر لوگ اس کی برائی بیان کریں تو خوشی ہو، اگر اس کو اللہ تعالیٰ منصب اور عہدہ دیدے یا دنیاوی اعتبار سے اس کو اونچا کردے تو اس کے نتیجے میں دل میں انقباض پیدا ہو۔

## ''بغض'' بہت سنگین بیماری ہے

اور یہ ''بغض'' ایسی چیز ہے جو انسان کے دل میں ''حسد'' بھی پیدا کردیتی ہے، اس لئے کہ جب کسی شخص سے بغض ہوگیا تو اس کا آگے بڑھنا چڑھنا، دل کو برا لگتا ہے، لہٰذا کسی بھی مسلمان سے بغض نہ ہو، اس لئے ایمان والے یہ دعا کررہے ہیں کہ

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۲)

اے اللہ! ہمارے دلوں میں کسی بھی مؤمن کے لئے بغض

---

(۱) سنن الترمذی ۲ / ۱۰۸ (۷۳۹) وسنن ابن ماجہ ۲ / ۵۰۹ (۱۳۹۰)

(۲) سورۃ الحشر: آیت (۱۰)

پیدا نہ کیجئے۔

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کے لئے بنائی ہے کہ تم اس طرح دعا کیا کرو۔ اور اس دعا میں یہ تعلیم پوشیدہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کی طرف سے ''بغض'' نہ ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص بظاہر دیکھنے میں بدکار نظر آرہا ہو، فاسق نظر آرہا ہو، تو اس کے عمل سے ''بغض'' ہوسکتا ہے، لیکن ذات سے ''بغض'' نہیں۔

## لڑائی جھگڑوں کا بہت بڑا سبب ''بغض''

آج ہمارے پورے معاشرے میں جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور جن کی وجہ سے آپس میں لڑائیاں اور جھگڑے ہورہے ہیں، تنازع ہورہے ہیں، ان کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے دلوں کے اندر بغض پیدا ہوگیا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (۱)

سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

جب بھائی بھائی ہیں تو کیا تم بھائی سے بغض کروگے؟ اور اس کے بارے میں دل کے اندر کینہ چھپا کر بیٹھوگے کہ کچھ بھی ہوجائے، لیکن اس کی برائی اور بدخواہی چاہوں گا۔

## ''بغض'' کسے کہتے ہیں؟

دیکھئے! ایک ہوتا ہے کسی شخص سے ''مناسبت'' نہ ہونا، اس لئے کہ اس سے

---

(۱) سورۃ یوسف: آیت (۳۳)

مزاج نہیں ملتا، اس کا مزاج اور ہے، میرا مزاج اور ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ طبعی بات ہے، لیکن ''بغض'' اس کو کہتے ہیں کہ کسی کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ یہ بہت برا آدمی ہے، یا میں اس کو برا سمجھتا ہوں اور میں اس کی ترقی سے غمگین ہوتا ہوں، اور اس کو تکلیف پہنچنے سے خوش ہوتا ہوں، یہ ''بغض'' ہے اور یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ شبِ برأت میں بھی ایسے شخص کی مغفرت نہیں ہوتی، جب تک وہ اپنے دل سے اس بغض کو نہ نکالے۔

## اپنا دل آئینہ کی طرح صاف رکھو

اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا کہ تم یہ دعائیں مانگتے رہا کرو، ایک یہ دعا مانگو کہ ہم سے پہلے جو مؤمن گزر چکے ہیں، ان کی طرف سے ہمارے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو، اور ان کی مغفرت کی بھی دعا مانگیں۔ دوسرے یہ کہ اور جتنے مسلمان ہمارے زمانے میں ہیں، ان میں سے کسی سے بغض نہ ہو، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن
آئین ما ست سینہ چوں آئینہ داشتن

یعنی ہمارے مشرب میں کسی سے ''کینہ'' رکھنا کفر ہے، جس طرح ''کفر'' بری چیز ہے، اتنا ہی ہم اس کو برا سمجھتے ہیں کہ کسی کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور بغض ہو۔ ہمارا آئین تو یہ ہے کہ سینہ کو آئینے کی طرف صاف رکھو۔ اس سینہ میں کسی کی طرف سے ''بغض'' کی کدورت نہ ہو۔ جس طرح آئینہ صاف ہوتا ہے، اسی طرح تمہارا دل صاف ہو۔

## دل کو صاف کرنے کا طریقہ

اس دل کو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر تمہیں کسی کی کوئی بات بری لگی ہے، اگر اس کی امید ہو کہ اگر میں تنہائی میں اس سے محبت سے بات کروں گا تو وہ میری بات سن لے گا، اور ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے دست بردار بھی ہوجائے، تب تو یہ چاہئے کہ کسی وقت خلوت میں تنہائی میں اس کے پاس بیٹھ کر اس سے یہ کہہ دے کہ آپ کی یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، بری لگی ہے، اگر تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے تو وہ تمہاری غلط فہمی دور کردے گا کہ آپ دوسری بات سمجھے، حقیقت میں بات یہ تھی۔

## بدگمانی کو دل میں نہ بٹھاؤ

لیکن یہ بات آپ دل میں لے کر بیٹھ گئے کہ فلاں نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا، اور رڈے پر رڈے چڑھائے جارہے ہیں کہ اچھا! اس نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا، لہٰذا وہ میرا بدخواہ ہے، فلاں وقت میں اس نے یوں کیا تھا، فلاں وقت اس نے ایسا کیا تھا، جو جو واقعات ہورہے ہیں، ان سب کو اس کی بدخواہی پر محمول کرتے جارہے ہیں، اور دل میں غبار بڑھ رہا ہے، اور رفتہ رفتہ وہ غبار ''بغض'' میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس لئے جب بھی کسی شخص کی کوئی بات تمہیں ناگوار گزرے، جس کی وجہ سے دل میں کچھ کدورت پیدا ہوجائے تو اس کے پاس جاکر بات کرکے دل صاف کرلو، اور اگر یہ خیال ہو کہ اگر اس سے جاکر کہوں گا تو وہ اس کو صحیح پیرائے میں نہیں لے گا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے نتیجے میں اور زیادہ بھڑک جائے، تو اس صورت میں اس کے حق میں دعا کرو کہ

یا اللہ! میرے دل میں اس کی طرف سے یہ برائی پیدا ہوگئی ہے، اگر اس کے اندر واقعی یہ برائی ہے تو اس کو دور فرما دیجئے اور اگر اس کے اندر نہیں ہے تو میرے دل کو مطمئن فرما دیجئے۔ لیکن میرے دل کے اندر کھوٹ اور بغض نہ رکھیئے۔ اس کو میرے دل سے نکال دیجئے۔ یہ عمل کرتے رہو گے تو ان شاء اللہ کبھی دوسرے کی طرف سے بغض پیدا نہیں ہوگا۔

## جس سے بغض، اس کے حق میں دعا

بات صاف کرلینے میں بڑی راحت ہے، اگر کسی آدمی کی بات آپ کو بری لگی، آپ نے محبت سے، پیار سے، اس سے بات کرلی، تو اس کے نتیجے میں اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ باہمی تعلقات خراب نہیں ہوتے، الا یہ کہ کسی آدمی کا مزاج ہی ایسا ہے کہ اس سے ذرا سی بات کرو تو وہ بہت بھڑک اٹھتا ہے اور اندیشہ ہوتا ہے کہ معاملہ اور زیادہ خراب ہوجائے گا، جہاں اس طرح کا اندیشہ ہو تو وہاں بھی اس سے بغض نہ رکھو، بلکہ اس کے لئے دعا کرو کہ اس کے اندر جو بات ہے، اپنی رحمت سے اس کو دور فرما دیجئے اور میرے دل میں اس کی طرف سے بغض کو دور فرما دیجئے، اگر بندہ اس کی پابندی کرلے تو ان شاء اللہ کبھی بغض پیدا نہیں ہوگا۔

## ناگوار بات کو صاف کرلو

لیکن یہ کام اہتمام کرنے سے ہوتا ہے، ہمارے معاشرے میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کسی دوسرے کی بات ناگوار گزری تو اب اس کو دل میں لے کر بیٹھ گئے، اس کے بعد جب دوسری مرتبہ کوئی بات ہوئی تو اس کو بھی اسی پر

محمول کرلیا کہ اس سے پہلے بھی اس نے ایسا کہا تھا، اب بھی مقصد یہی ہوگا۔ میرے ساتھ برائی کرنا مقصود ہے، میرے ساتھ بدخواہی کرنا چاہتا ہے، اس طرح رڈے پر رڈے چڑھتے چلے جاتے ہیں، اور بالآخر بغض پیدا ہوجاتا ہے، لہٰذا اس سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ معاشرے کی اصلاح کیلئے اور آپس میں بھائی چارہ پیدا کرنے کیلئے اور آپس میں محبتیں پیدا کرنے کے لئے ان باتوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی کا نام ''دین'' ہے۔

## صحیح مسلمان کون؟

حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ (۱)

مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان سے بھی محفوظ رہیں اور اس کے ہاتھ سے بھی محفوظ رہیں۔ اور دل میں کسی کی طرف سے بغض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمے دو چیزیں رکھی ہیں، ایک تدبیر اور دوسری دعا۔ جو تدبیر ہاتھ میں ہے، اس تدبیر کو انجام دے اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگے۔ صرف تدبیر کافی نہیں اور صرف دعا کافی نہیں، وہ تدبیر جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکلف بنایا ہے، وہ تدبیر کرنا بھی ضروری ہے، جو میں نے بیان کی۔ وہ یہ کہ اگر تمہارے دل میں کسی دوسرے کی طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے تو بات چیت کرکے اس بدگمانی کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرو۔ اور جہاں یہ ممکن

---

(۱) صحیح البخاری ۱ / ۱۱ (۱۰)

نہ ہوتو پھر اس کے حق میں اصلاح کی دعا کرو، اور اپنے حق میں بھی یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میرا سینہ بغض سے پاک کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## خلاصہ

بہر حال! اس دعا میں اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کی دو صفتیں خاص طور پر بیان فرمائیں، ایک یہ کہ وہ لوگ پچھلے گزرے لوگوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اور جو لوگ موجود ہیں، ان کے بارے میں یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! میرے دل میں ان کی طرف سے کوئی کھوٹ اور بغض پیدا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۳۶ و ۳۷

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا

# دعا نمبر ۳۶ و ۳۷

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! مناجاتِ مقبول کی ان دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے جو قرآنِ کریم میں آئی ہیں، ان دعاؤں میں سب سے آخری دعا وہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے، وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (۱)

## دعا اور اس کا ترجمہ

بزرگانِ وبرادرانِ عزیز! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے قرآنِ کریم کی

(۱) سورۃ نوح: آیت (۲۸)

بیشتر دعاؤں کے پڑھنے اور ان کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کا صحیح فائدہ ہمیں عطا فرمائیں۔ آگے یہ ایک دعا ہے جو قرآنِ کریم میں سورہ ممتحنہ میں آئی ہے:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ (۱)

دوسری دعا یہ ہے:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (۲)

ان دعاؤں کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا، اور تیری طرف ہی رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔

دوسری دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافر لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا۔ اور اے پروردگار! ہمیں بخش دے، بیشک تو ہی زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

## قیامت کے روز رشتہ داریاں کام نہیں آئیں گی

یہ دعا سورۂ ممتحنہ میں آئی ہے اور حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔ اس دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بات یہاں سے شروع فرمائی ہے کہ:

---

(۱) سورة الممتحنة: آیت (٤)

(۲) سورة الممتحنة: آیت (٥)

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (۱)

فرمایا کہ تمہارے جو رشتہ دار ہیں اور تمہاری جو اولاد ہے، وہ قیامت کے دن تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی، چاہے وہ باپ ہو، ماں ہو، بھائی ہو، بہن ہو، بیٹا ہو، چچا ہو، تایا ہو، کوئی بھی رشتہ دار قیامت کے دن تمہارے کام آنے والا نہیں۔ اس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی سورۂ عبس میں کھینچا ہے کہ:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ (۲)

یہ قیامت کا دن وہ دن ہوگا کہ انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں سے بھاگے گا، اپنے باپ سے بھاگے گا، اپنی بیوی سے بھاگے گا اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، وہاں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور ہر ایک ایسی فکر میں ہوگا جو اسے دوسروں سے بے نیاز کردے گی۔

## قیامت کے دن نفسا نفسی کا عالم ہوگا

ہر ایک کو یہ فکر ہوگی کہ میرا کیا بننے والا ہے؟ سامنے جنت بھی ہے، جہنم بھی ہے، پلِ صراط بھی ہے، حشر کا میدان ہے، ساری انسانیت جمع ہے، سورج نیچے آچکا ہے، گرمی شدید ہے، پسینہ میں انسان شرابور ہے، اور یہ پتہ نہیں کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے؟ اس وقت ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، نہ اس وقت

---

(۱) سورة الممتحنة: آیت (۳)

(۲) سورة عبس: آیت (۳۴ تا ۳۷)

یہ یاد آئے گا کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟ نہ یہ یاد آئے گا کہ میرے بھائی بہن کہاں ہیں؟ نہ یہ یاد آئے گا کہ میری اولاد کہاں ہے؟ نہ یہ یاد آئے گا کہ میرے رشتہ دار کہاں ہیں؟ بس اس کو یہ فکر ہوگی کہ کسی طرح میں بچ جاؤں، نفسی، نفسی، کا عالم ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے انسان جمع ہیں، میدانِ حشر قائم ہے، سخت گرمی ہے، ہر ایک کو اس بات کا انتظار ہے کہ کسی طرح حساب و کتاب تو شروع ہوجائے، اور یہ پتہ تو چلے کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟

## تمام انبیاء کرام علیہم السلام سفارش سے عذر کریں گے

چنانچہ لوگ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور ان سے عرض کریں گے کہ حضرت! آپ ہمارے باپ ہیں، یہ ساری آپ کی اولاد ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے سفارش کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا فیصلہ جلدی فرمادیں۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بھی کپکپا رہے ہوں گے، اور وہ یہ یاد کریں گے کہ مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی، میں نے اس درخت سے کھالیا تھا، جس سے کھانے سے مجھے منع کیا گیا تھا، میں اب کس منہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤں، اور سفارش کروں۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سفارش کردیجئے۔ وہ سب انبیاء اپنی اپنی کسی غلطی کو یاد کریں گے اور ہر ایک عذر کردے گا کہ میرا منہ نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے کوئی سفارش کروں، ہر ایک کی زبان پر یہ ہوگا، نفسی، نفسی، یعنی مجھے تو اپنی جان کی پڑی ہوئی ہے۔

## آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفارش فرمائیں گے

آخر میں لوگ سید الانبیاء، سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، چنانچہ اس وقت آپ تشریف لے جائیں گے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اللہ جل شانہ میرے دل پر حمد وثنا کے ایسے الفاظ الہام فرمائیں گے جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئے ہوں گے، اور ان الفاظ کا واسطہ دے کر میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کروں گا، اس شفاعت کو ''شفاعتِ کبریٰ'' کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں پوری انسانیت کے لئے شفاعت کی جائے گی۔ فرمایا کہ میں اس وقت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤں گا، اور الہام کئے ہوئے خاص الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا جائے گا:

اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ (۱)

اپنا سر اُٹھالو، اور مانگو، اور جو چیز مانگو گے، وہ چیز تمہیں دی جائے گی، اور سفارش کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔

اسی کا نام ''شفاعتِ کبریٰ'' ہے، اور قرآنِ کریم نے اسی کو ''مقامِ محمود'' قرار دیا ہے، فرمایا:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (۲)

---

(۱) صحيح البخاری ٤ / ١٣٤ (٣٣٤٠)

(۲) سورۃ الاسراء: آیت (۷۹)

یعنی اس وقت ہم آپ کو ایسا مقام بخشیں گے جس کی سب لوگ تعریف کریں گے۔

کیونکہ ساری انسانیت کے لئے وہ سفارش ہو رہی ہوگی، چاہے مسلمان ہو، یا کافر ہو، فاسق و فاجر ہو۔

## اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے

وہ وقت ایسا ہوگا کہ اس وقت کوئی رشتہ داری کام نہیں آئے گی، اس لئے قرآنِ کریم نے فرمایا:

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ [1]

یعنی تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ خود ہی تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس کے مطابق تمہیں آخرت میں جزا یا سزا ملنے والی ہے۔

## رشتہ داروں کے لئے غلط سفارش نہ کی جائے

یہ سب کچھ اس سیاق میں فرمایا جارہا ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی رشتہ داری کے خوف سے اور ان کے اثر سے کوئی غلط کام کر بیٹھتا ہے، یہ سمجھ کر کہ

(۱) سورۃ الممتحنۃ: آیت (۳)

میں مجبور ہوں، اگر میں یہ کام نہیں کروں گا تو میرے رشتہ دار خفا ہو جائیں گے، ناراض ہو جائیں گے، اور وہ مجھے برا سمجھیں گے، اس خوف کے نتیجے میں آدمی کوئی غلط کام کر بیٹھتا ہے، یا بعض اوقات اپنے رشتہ داروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے آدمی کوئی غلط کام کر بیٹھتا ہے، مثلاً فلاں میرا بھائی ہے، اور میں اس کی ایسے کام کے لئے سفارش کردوں جس کا وہ اہل نہیں ہے، مثلاً اس کو ''ملازمت'' چاہئے اور وہ اس ملازمت کا اہل نہیں ہے، اب وہ شخص اپنے بھائی کے پاس جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم میرے بھائی ہو، تم میرے لئے یہ سفارش کردو کہ فلاں جگہ مجھے ''ملازمت'' مل جائے۔ اب وہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ یہ میرا بھائی ہے اور میری سفارش کے نتیجے میں اس کا کام بن جائے گا، میں سفارش کردوں۔

## اللہ کے گواہ بن جاؤ

اب یہاں دنیا میں تو تم نے اس بھائی کی سفارش کردی اور اس کو کسی ملازمت پر لگوادیا، لیکن آخرت میں یہ رشتہ داری تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی، بلکہ آخرت میں تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ غلط سفارش کیوں کی تھی؟ تم نے کیوں یہ غلط کام کیا؟ تم نے کیوں گناہ کیا؟ لہٰذا نہ تو کسی رشتہ دار کو فائدہ پہنچانے کے لئے کوئی غلط کام انسان کو کرنا چاہئے اور نہ کسی رشتہ دار کو نقصان سے بچانے کے لئے کوئی غلط کام کرنا چاہئے، بلکہ جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُونُوا شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (۱)

یعنی اللہ کے گواہ بنو۔

---

(۱) سورة النساء: آیت (۱۳۵)

اللہ کے گواہ بننے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو سچی اور صحیح بات ہے، کھری بات ہے، وہ کہو، یہ نہیں کہ چونکہ یہ میرا رشتہ دار ہے، لہٰذا میں اس کے حق میں گواہی دیدوں، حالانکہ یہ غلط ہے، یا میں اس کے خلاف گواہی دیدوں، اس لئے کہ یہ میرے بھائی کا دشمن ہے، یادرکھو، یہ رشتہ داریاں قیامت کے دن کچھ کام آنے والی نہیں۔

## سورۂ ممتحنہ کا شانِ نزول

اس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورۂ ''ممتحنہ'' نازل فرمائی ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اس وقت ان کے بہت سے رشتہ دار مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، جو کافر تھے۔

غزوۂ بدر کے بعد فتحِ مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ عورت جس کا نام سارہ تھا، پہلے مدینہ طیبہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو، تو کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہوکر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، آپ ہی میں میرا گزارہ تھا، اب مکہ کے بڑے سردار تو غزوۂ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ یہاں چلے آئے ہیں، میرا گزارہ مشکل ہوگیا، میں سخت حاجت و ضرورت میں مبتلا ہوکر آپ سے مدد لینے کے لئے یہاں آئی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو، وہ مکہ کے نوجوان کیا ہوئے (جو تجھ پر روپیہ پیسے کی بارش کیا کرتے تھے) اس نے کہا کہ

واقعۂ بدر کے بعد (ان کی تقریبات اور جشنِ طرب ختم ہو چکے ہیں۔) اس وقت سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

## حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا اہلِ مکہ کے نام خط

یہ وہ زمانہ تھا جب صلحِ حدیبیہ کے معاہدہ کو کفارِ قریش نے توڑ ڈالا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرکے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی اور کوشش یہ تھی کہ ہمارا راز اہلِ مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو، اِدھر مہاجرین اوّلین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ تھے جو اصلاً یمن کے باشندے تھے، مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے، وہاں ان کا کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا، وہیں مسلمان ہو گئے، پھر ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آگئے، ان کے اہل وعیال بھی مکہ ہی میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت کے بعد مشرکینِ مکہ ان مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں تھے، ستاتے اور پریشان کرتے تھے، جن مہاجرین کے خویش وعزیز مکہ میں موجود تھے، ان کو تو کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ فکر تھی کہ میرے اہل وعیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں، انہوں نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کا موقع غنیمت جانا کہ اہلِ مکہ پر کچھ احسان کر دیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔

ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو حق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آپ کو یا اسلام کو یہ راز فاش کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا،

اگر میں نے ان کو کوئی خط لکھ کر اس کی اطلاع کردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے تو میرے بچوں کی حفاظت ہوجائے گی، یہ غلطی ان سے ہوگئی کہ ایک خفیہ خط اہلِ مکہ کے نام لکھ کر اس جانے والی عورت سارہ کے سپرد کردیا۔

## خط برآمد کرنا حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا عذر پیش کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دیدی اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگیا کہ وہ عورت اس وقت روضۂ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔

صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثد اور زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہوکر اس عورت کا تعاقب کرو، وہ تمہیں روضۂ خاخ میں ملے گی اور اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط بنام مشرکینِ مکہ ہے، اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے لو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حسب الحکم تیزی کے ساتھ تعاقب کیا، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی اس عورت کو اُونٹ پر سوار جاتے ہوئے پکڑلیا، اور ہم نے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی کسی کا خط نہیں۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھادیا، اس کی تلاشی لی، مگر خط ہمیں ہاتھ نہ آیا، لیکن ہم نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر غلط نہیں ہوسکتی، ضرور اس نے خط کو کہیں چھپایا ہے، تو اب ہم نے اس کو کہا کہ یا تو خط نکال دو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتروائیں گے۔

جب اُس نے دیکھا کہ اب ان کے ہاتھ سے نجات نہیں تو اپنے ازار میں سے یہ خط نکالا، ہم یہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار کو لکھ دیا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس حرکت پر آمادہ کیا؟ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہلِ مکہ پر کچھ احسان کردوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے حضرات مہاجرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ ہو جو اُن کے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔

## کفار کے ساتھ دوستی کا تعلق حرام

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کا بیان سن کر فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے، اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے (اپنی غیرتِ ایمانی سے) پھر اپنی بات دُہرائی، اور ان کے قتل کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ اہلِ بدر (یعنی غزوۂ بدر کے شرکاء) میں سے نہیں ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب شرکاءِ غزوۂ بدر کی مغفرت کا اور ان کے لئے وعدۂ جنت کا اعلان فرمادیا ہے، یہ سن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی حقیقت کا

علم رکھتے ہیں۔

بعض روایات میں حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ میں نے یہ کام اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ہرگز نہیں کیا، کیونکہ میرا یقین تھا کہ آپ کو فتح ہی ہوگی، اہلِ مکہ کو خبر بھی ہوگئی تو آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔[۱]

اس واقعہ کی بناء پر سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اس واقعہ پر سرزنش اور تنبیہ اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ تعلق رکھنے کو حرام قرار دیا گیا۔

## جو اللہ کا دشمن، وہ ہمارا بھی دشمن

لیکن اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کے لئے یہ اصول بیان فرمادیا کہ بھائی، جو میرا دشمن ہے، وہ تمہارا دشمن ہونا چاہئے، چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور دشمن ہونے کے ایک معنی یہ ہیں کہ مثلاً وہ کافر ہیں، وہ تو دوست ہو ہی نہیں سکتا، دوست سے مراد ایسا دوست جس کا مقصدِ زندگی ایک ہوجائے۔ کافر ایسا دوست نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی کافر نہیں ہے، لیکن گناہگار ہے، غلط کام کررہا ہے، ناجائز کام کررہا ہے، مثلاً وہ رشوت لے رہا ہے، یا جھوٹ بول رہا ہے، یا غیبت کررہا ہے، یا بہتان لگارہا ہے، وہ بھی جس حد تک گناہ کررہا ہے، اس حد تک وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، اس لئے کہ اس نے "معاذ اللہ!" اللہ کے حکم کو پامال کیا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو تم اپنا ایسا دوست بنالو کہ وہ تمہارے گھر کا بھیدی بن جائے، یا وہ تمہارا ایسا دوست بن جائے کہ وہ اور تم ایک جیسے معلوم

---

(۱) صحيح البخاري ٥ / ١٤٥ (٤٢٧٤) ومسند أحمد ٢٣ / ٩١ (١٤٧٧٤)

ہوں، ایسا کرنا ٹھیک نہیں، اگر تم ہمارے ہو تو پھر تم ہمارے بن کر رہو، پھر کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔

## ان کے ساتھ رواداری ہوسکتی ہے

ٹھیک ہے، اس کے ساتھ رواداری ہوسکتی ہے، رواداری کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ہم کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اس کو نہیں مارتے، اس کو گالی نہیں دیتے، اس کو برا بھلا نہیں کہتے۔ لیکن اس سے دوستی نہیں ہوسکتی۔ دوستی صرف اس سے ہوسکتی ہے جو تمہیں اللہ کے راستے پر لے جائے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [1]

یعنی تم رشتہ داریوں کو لے کر بیٹھ گئے، اور ان کی وجہ سے تم نے ایک غلط کام کرلیا، یہ رشتہ داریاں تمہیں قیامت کے دن کام آنے والی نہیں ہیں، اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ بہترین نمونہ ہے

پھر آگے اللہ تعالیٰ کتنے پیارے انداز میں فرما رہے ہیں کہ:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ [2]

---

(۱) سورة الممتحنة: آيت (۳)

(۲) سورة الممتحنة: آيت (٤)

تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں۔

وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک کافر قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کا باپ کافر تھا، اور بت پرست نہیں، بلکہ بت بنانے والا تھا، بت تراش تھا، جب اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کی اور ان کو توحید پر لانے اور توحید کا قائل کرنے کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَاؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (۱)

آپ یہ دیکھئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے اس ماحول اور اس شہر میں اقلیت میں تھے، اور مشرکین اکثریت میں تھے، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔

## ''اقلیت'' نے ''اکثریت'' سے بیزاری کا اظہار کردیا

اس موقع پر ''اقلیت'' والے ''اکثریت'' والوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تم سب سے بری ہے، تم سے بیزار ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، ہم ان سب سے بری ہے، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا

---

(۱) سورة الممتحنة: آیت (٤)

حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗٓ

ہم تمہاری ہر بات کا انکار کرتے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت پیدا ہوگئی ہے، اور بغض پیدا ہوگیا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ جب تک کہ تم ایک خدا پر ایمان نہیں لاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال پیش کررہے ہیں کہ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات میں تمہارے لئے کتنا بڑا نمونہ ہے کہ وہ ''اقلیت'' میں ہیں، اور دوسرے ''اکثریت'' میں ہیں، یہ ان اقلیت والوں کو ہرطرح کا نقصان پہنچاسکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود حق کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں، اور ان سے جو عداوت اور بغض ہے، وہ بغض فی اللہ ہے، اللہ کے لئے بغض ہے، تمہاری ذات سے بغض نہیں ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ گے تو پھر ہمیں تم سے کوئی بغض نہیں ہوگا، لیکن تمہارے شرک سے بغض ہے، تمہاری نافرمانی سے بغض ہے، اور تم جو اللہ کے دشمن بنے ہوئے ہو، اس سے بغض ہے۔ ''اقلیت'' کے خلاف صاف اعلان کردیا۔

## اپنے والد سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کیا

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْہِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ وَمَآ اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ۝ (۱)

البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے یہ کہہ دیا تھا کہ اے میرے

(۱) سورۃ الممتحنۃ: آیت (٤)

باپ! میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا، اللہ سے مغفرت مانگتا رہوں گا، لیکن اللہ کے مقابلے میں میرا کوئی قابو نہیں چلتا۔

یعنی میں کتنا ہی کہتا رہوں، اگر تم شرک پر رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف نہیں کرے گا، لیکن میں استغفار کرتا رہوں گا، اسی لئے دوسری جگہ قرآنِ کریم نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۝ [1]

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے جو مغفرت مانگ رہے تھے، وہ اس وعدہ کی وجہ سے تھا کہ میں تمہارے لئے مغفرت مانگوں گا، لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس وقت پھر باپ سے بھی برأت کا اظہار کر دیا۔

## اللہ کی خاطر باپ کو بھی چھوڑ دیا

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مثال دے رہے ہیں کہ باپ سے زیادہ انسان کے لئے کوئی محسن ہوسکتا ہے، اور انسان کے لئے باپ کتنا پیارا ہوتا ہے، لیکن اللہ کی خاطر انہوں نے باپ کو چھوڑ دیا، اور پوری قوم سے جو اکثریت میں تھی، برأت کا اظہار کر دیا کہ جب تک تم یہ شرک نہیں چھوڑو گے، ہم تمہارے دوست نہیں ہوسکتے۔ اب دیکھئے کہ ''اقلیت'' اکثریت سے کہہ رہی ہے کہ

---

(۱) سورۃ التوبۃ: آیت (۱۱۴)

ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہے، اب ایسے موقع پر ''اکثریت'' اقلیت کو نقصان نہیں پہنچائے گی؟ اکثریت، اقلیت کو مار بھی سکتی ہے، اس کو قید بھی کر سکتی ہے، ہر طرح کی اذیت پہنچا سکتی ہے، لہٰذا جب آدمی کسی سے برأت اور علیحدگی اختیار کرتا ہے، اسی وقت یہ اندیشے دل میں پیدا ہوتے ہیں، چونکہ یہ سب اندیشے دل میں پیدا ہو رہے تھے، اس موقع پر یہ دعا فرمائی:

## اس وقت یہ دعا کرو

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ (1)

اے اللہ! ہم نے برأت کا اعلان اور علیحدگی کا اعلان تو کر دیا، لیکن یہ ہمیں اس کے نتیجے میں جو اذیت اور تکلیف پہنچائیں گے، وہ دیا کریں، ہمارا بھروسہ تو آپ پر ہے، وہ بھروسہ یہ ہے کہ یا تو ہمیں ان کے ظلم وستم سے نجات عطا فرمادیں گے، یا ہمیں آپ اتنا صبر اور استقامت عطا فرمادیں گے کہ ان کے ظلم و ستم کے باوجود ہم حق پر ڈٹے رہیں گے، لہٰذا ہم ان سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اپنے بھروسہ پر نہیں کہہ رہے ہیں کہ ہم بہت طاقتور ہیں، ہم بہت بہادر اور جرأت مند ہیں، بلکہ اے اللہ! ہم آپ کے بھروسہ پر کہہ رہے ہیں۔

## آپ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے

لہٰذا جب بھی کسی سے اللہ کی خاطر علیحدگی ہو جائے یا اللہ کی خاطر مخالفت ہو جائے، عداوت ہو جائے اور اس کے نتیجے میں اس سے کسی بھی قسم کا نقصان

(۱) سورۃ الممتحنۃ: آیت (٤)

پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت بندے کا کام یہ ہے کہ حق کی آواز بلند کرے اور نتائج کو اللہ پر چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کرے اور یہ دعا کرے:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝

اے اللہ! ہم نے آپ ہی کی طرف رجوع کیا ہوا ہے۔ اور آخرکار ہمیں آپ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔

لہٰذا اگر دنیا میں انہوں نے ہمیں کچھ تکلیف پہنچا بھی دی تو جانا تو آپ ہی کے پاس ہے، ان کو بھی اور ہمیں بھی۔ ان کو ان کے کئے کا بدلہ ملے گا اور ہمیں اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، لہٰذا ہمیں آپ کی ذات پر بھروسہ ہے۔

## شادی کی تقریب اور گناہوں کا ارتکاب

ہم میں سے ہر شخص کو ایسے حالات آتے ہیں، رشتہ داریوں کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور دین کا تقاضا کچھ اور ہوتا ہے، اس وقت دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے، اب اس وقت انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ آیا اس وقت وہ رشتہ داری کی پرواہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خیال کرتا ہے، مثلاً ایک شادی کی تقریب ہے، اور آپ کو پتہ ہے کہ اس تقریب میں گناہ کا ارتکاب ہونا ہے، اس وقت دو تقاضوں کے درمیان ٹکراؤ ہوتا ہے، ایک طرف رشتہ داری کا تقاضا ہے کہ اگر میں تقریب میں نہیں جاؤں گا تو وہ لوگ ناراض ہو جائیں گے۔

## تقریب میں مخلوط اجتماع

مثلاً آج کل یہ عذاب آیا ہوا ہے کہ جتنی تقریبات ہوتی ہیں، ان میں مخلوط اجتماع ہوتا ہے، مرد اور عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، عورت پورے زیب و زینت اور پورے سنگھار کے ساتھ بن سنور کر جاتی ہیں، تا کہ لوگ ان کو دیکھیں، ان کے کپڑے دیکھیں، ان کا میک اپ دیکھیں، یہ ایسی بلا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی ہوتی ہے۔ اب ایک طرف رشتہ داری کا تقاضا ہے کہ اگر نہیں جاؤں گا تو وہ لوگ ناراض ہوجائیں گے یا ہم سے بدظن ہوجائیں گے اور دوسری طرف دین کا تقاضا ہے کہ اگر میں اس تقریب میں جاؤں گا تو میں خود گناہ میں مبتلا ہوجاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف کام کروں گا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ بندہ کس تقاضے پر عمل کرتا ہے؟

## ہم ایسے اجتماع میں شریک نہیں ہوسکتے

قرآنِ کریم یہ کہہ رہا ہے کہ قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں کام نہیں آئیں گی، لہٰذا اس موقع پر تم فیصلہ کرو کہ رشتہ داروں کو راضی کرنا ہے یا اللہ کو راضی کرنا ہے؟ اگر رشتہ داروں کو راضی کرنا ہے تو ٹھیک ہے، پھر قیامت کے دن بھی انہی سے کہنا کہ ہمیں جہنم کی آگ سے بچالو، اور اگر اللہ کو راضی کرنا ہے تو پھر تمہیں حوصلے سے کام کرنا ہوگا۔ ''حوصلے'' سے کام کرنے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ تم جاکر ان سے لڑائی کرو، بلکہ ان سے یہ کہہ دو کہ ہم ایسے اجتماع میں شریک نہیں ہوسکتے، اور تقریب ہونے سے پہلے ان کے پاس چلے جاؤ، اور ان کو

مبارک باد دیدو کہ آپ کے یہاں شادی ہونے والی ہے، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب بنائیں، لیکن ہم اس تقریب میں نہیں آئیں گے۔

## ڈٹ جاؤ، اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو

اگر کچھ لوگ اس پر ڈٹ جائیں تو اس بلا کو روکا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ لوگ ڈٹتے نہیں ہیں، اس لئے تقریب کرنے والے یہ سوچتے ہیں کہ ان لوگوں کو تو آنا ہی ہے، آئیں گے اور ہم لوگ اسی طرح مخلوط شادیاں کریں گے، اس میں گانے باجے ہوں گے، اس میں بے پردگی ہوگی اور اس پر کوئی دار و گیر کرنے والا نہیں ہے۔ بھائی! اگر اللہ کو راضی کرنے کی فکر ہے اور آخرت کی فکر ہے تو ان سے کہہ دو کہ ہمیں یہ عمل منظور نہیں۔ ہمیں تم سے عداوت اور بغض تو نہیں ہے، لیکن ایک ناجائز کام میں ہم تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے۔ یہ بات ان کو نرمی سے، پیار سے کہہ دو کہ یہ کام اس طرح مت کرو، گناہ ہوگا، اگر وہ تمہاری بات مان جائیں تو ٹھیک، ورنہ ان سے کہہ دو کہ ہم شریک نہیں ہوں گے۔ یہ بات کہہ کر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

## ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ سے کہہ دو

اب تمہیں یہ ڈر لگ رہا ہے کہ تم خاندان میں نکو بن جاؤ گے، اور یہ ڈر لگ رہا ہے کہ لوگ اب تمہیں طعنے دیں گے کہ تم مُلّانے ہوگئے، اس ڈر کا مقابلہ اس دعا کے ذریعہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے کہو:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○

اے پروردگار! ہم اپنی خاطر کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ دل تو ہمارا بھی یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے رشتہ داروں کی خوشی اور غمی میں شریک ہوں، دل تو ہمارا بھی یہ چاہ رہا ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ بن سنور کر جا رہے ہیں، ہم بھی بن سنور کر اس تقریب میں جائیں، لیکن ہمارا بھروسہ اب بھی آپ پر ہے، اور ہمارا رجوع بھی آپ کی طرف ہے۔

## دین کی خاطر علیحدگی اختیار کرلو

لہذا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر ایسے موقع کے لئے یہ دعا سکھا دی، جب دنیا میں انسان کو دوسرے سے سابقہ پڑے، اور اس سے دین کی خاطر علیحدگی اختیار کرنی ہو، ''علیحدگی'' کے یہ معنی نہیں کہ اس سے قطع تعلق کرلے، بلکہ ''علیحدگی'' کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے ساتھ اس گناہ کے اندر شریک نہ ہو، اس وقت اللہ تعالیٰ کو اس دعا کے ذریعہ پکارے۔

## ہمیں ان کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا

اس دعا کا اگلا جملہ یہ ہے:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۱)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا۔

---

(۱) سورۃ الممتحنۃ: آیت (۵)

یہ دعا حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام مانگ رہے ہیں، چونکہ اس قوم سے خطرہ تو ہے، اس لئے کہ ہم نے باقاعدہ ان سے دشمنی کا اعلان کردیا تو اب وہ ہر طرح سے ہمیں تکلیفیں پہنچائیں گے۔ اے اللہ! ہمیں ان کا تختۂ مشق نہ بنا کہ وہ ہم پر ظلم وستم کریں۔ ان کو ظلم کرنے کی قدرت عطا نہ فرما۔ اور اس میں اگر ہم سے اس بھروسہ کرنے میں کہیں بھوک چوک ہوگئی ہو اور بھروسہ کرنے کے بعد بھی دل ڈرنے لگا تو اے پروردگار! ہماری مغفرت بھی فرمادیجئے گا، آپ ہی سب پر غالب ہیں، آپ ہی حکمت والے ہیں۔

## ان کی رعایت میں غلط کام نہ کرو

بھائیو! یہ پوری سورۂ ممتحنہ اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے نازل فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں ہٹے ہوئے ہیں، چاہے کفر کے ذریعہ، چاہے فسق وفجور اور گناہ کے ذریعہ ہٹے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ تمہارا معاملہ کس طرح کا ہونا چاہئے؟ تم ان کی رعایت کرکے اللہ کو ناراض کرنے سے بچو، اور ان کی رعایت کرکے تم کوئی غلط کام نہ کرو۔

## حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، یہ بڑے عجیب بزرگ تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا ان کو چھو کر بھی نہیں گزری، بڑے شگفتہ مزاج بھی تھے، بڑے پیارے پیارے جملے بولا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ کبھی زمانہ والوں کا بھی

خیال کرلیا کرو، کمرے میں ایک صوفہ سیٹ رکھ دو، تا کہ آنے والے کا اکرام ہوجایا کرے، میں نے ان سے کہا: بی بی! زمانہ والوں نے میرا کتنا خیال کرلیا جو میں ان کا خیال کر کے اپنے طریقے کو چھوڑ دوں؟ اور اپنی سادگی کو چھوڑ دوں؟ بھائی! کہاں تک تم زمانہ والوں کا خیال کروگے؟ ارے دنیا والوں کو بھی چاہئے کہ وہ تمہارا کچھ خیال کریں کہ یہ دیندار آدمی ہے، اس کا دین سے تعلق ہے، جب ہم اس کو دعوت میں بلا رہے ہیں تو ہم بھی اس کا کچھ خیال کرلیں۔ سارا خیال تمہارے اُوپر رہ گیا ہے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔

## حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی اہلیہ تھیں، وہ اہلیہ جن کے نکاح میں آنے سے پہلے ہی آپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ یہ آپ کے نکاح میں آنے والی ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہوش مندی، ان کی اطاعت، ان کا علم، ایسا تھا کہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ پورے علم کا ایک تہائی حصہ ہم تک ان کے واسطے سے پہنچا ہے۔

## پردہ لٹکانے پر ناراضی کا اظہار

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زینت کے لئے اپنے گھر میں ایک پردہ لٹکایا، جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کی تصویر بنی ہوئی تھی،

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ زمین پر بھی چلتا تھا، اور ہوا میں اُڑتا تھا، اور ایک مہینے کی مسافت ایک دن میں طے کرلیتا تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وہ پردہ کہیں سے مل گیا، انہوں نے سوچا کہ زیب وزینت کے لئے یہ پردہ گھر میں لٹکادوں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ پردہ لٹکا ہوا ہے اور اس پر گھوڑے کی تصویر بنی ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات ظاہر ہوئے، جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو آپ نے سب سے پہلے تو استغفار کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتی ہوں اور پھر حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کس وجہ سے ناراض ہیں؟

## اللہ کے حکم کے آگے سارے رشتے ختم

اب یہ دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ناراضی کی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس سے پہلے استغفار کرلیا، پھر پوچھا کہ ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جو پردہ لٹکا ہوا ہے، تم جب تک اس کو نہیں اُتاروگی، میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا، چونکہ اس پر جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہے، [1] یہ دیکھئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبوب کون ہوگا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی سے زیادہ کس کی دلجوئی حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلوب ہوگی؟ ایسی دلجوئی کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا

(۱) صحیح مسلم ۳ / ۱۶۶۶ (۲۱۰۷)

سر اپنے کندھے پر رکھ کر ان کو نیزہ بازی کے کرتب دکھا رہے ہیں [۱] اور لوگ کہیں دعوت میں جارہے ہیں تو راستے میں ان کے ساتھ دوڑ لگا رہے ہیں، [۲] ایک طرف تو ایسی دلجوئی فرمارہے ہیں، لیکن دوسری طرف اگر ان سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوگئی تو پھر وہاں پر سارے رشتے ختم، ساری محبتیں ختم، پھر حق کا اعلان دوٹوک کرنا ہے، یہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

## دوسرے کی رعایت ایک حد تک

لہٰذا آدمی کہاں تک دوسرے کی رعایت کرے؟ بس رعایت وہاں تک ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہ ہو، جہاں پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آجائے، وہاں پر دوسروں کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ ہاں! اس غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے جتنا بہتر سے بہتر طریقہ ہوسکتا ہو، جس سے فضول جھگڑا کھڑا نہ ہو، آدمی اس طریقے کو اختیار کرلے، مثلاً مخلوط اجتماع کی تقریب سے بچنے کے لئے تقریب منعقد ہونے سے پہلے ان کے پاس چلا جائے، اور جاکر مبارکباد دیدے۔ اگر کوئی ہدیہ پیش کرنا ہے تو جاکر ہدیہ پیش کردے، لیکن اس تقریب میں شریک نہ ہو۔ اور عدم شرکت کے نتیجے میں جو خراب اثرات ہوسکتے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرے کہ میرا جو حق تھا، وہ میں نے ادا کردیا۔ نتائج اللہ تعالیٰ

---

(۱) صحیح البخاری ۱ / ۹۸ (٤٥٤)

(۲) سنن أبی داؤد ۳ / ۳۲۲ (۲۵۷۱) وقال ابن الملقن فی "البدر المنیر" ۹ / ٤٢٤ هذا الحدیث صحیح.

کے اختیار میں ہیں، میں انہی پر بھروسہ کرتا ہوں، انہی کی طرف رجوع کرتا ہوں، اگر آدمی یہ کام کرلے تو یہ دنیا کی جو پلِ صراط ہے، ان شاء اللہ اس سے خیر و عافیت سے گزر جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

# دعا نمبر ۳۸

رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دُعَا

# دعا نمبر ۳۸

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ!

## تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! مناجاتِ مقبول میں جو دعائیں آئی ہیں ان کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے۔ مناجاتِ مقبول میں آگے جو دعا آئی وہ یہ ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○[1]

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ

اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارا نور مکمل کردیجئے اور ہماری مغفرت فرمادیجئے، یقیناً آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

ایک دعا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ! ہمیں نور عطا فرمایئے، لیکن یہاں یہ دعا ہے کہ اے اللہ! ہمارے لئے ہمارا نور مکمل کر دیجئے۔

## تمام ایمان والوں سے خطاب

یہ درحقیقت آخرت کا بیان ہو رہا ہے اس سے پہلے سورۃ التحریم میں جو آیت آئی ہے وہ یہاں سے شروع ہوتی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ تمام ایمان والوں کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے توبہ کرو، اور توبہ بھی خالص توبہ ہو۔ اس آیت میں تمام ایمان والوں سے خطاب ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

یہ نہیں فرمایا کہ اے وہ لوگو جو گناہوں کے اندر مبتلا ہیں وہ توبہ کریں، بلکہ سارے ایمان والوں کو حکم دیا کہ اللہ کی طرف رجوع کر کے توبہ کرو اور خالص توبہ کرو۔

## ہر مؤمن توبہ کا محتاج ہے

درحقیقت اشارہ اس طرف فرمایا گیا ہے کہ ہر مؤمن توبہ کا محتاج ہے، کوئی مؤمن ایسا نہیں ہے جو توبہ کا محتاج نہ ہو۔ چاہے وہ بظاہر دیکھنے میں تمام اوامر کو

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

بجا لا رہا ہو۔ نماز بھی پڑھ رہا ہے، روزہ بھی رکھ رہا ہے، تلاوت بھی کر رہا ہے، ذکر بھی کر رہا ہے، نیک صحبت بھی اختیار کر رکھی ہے پھر بھی اس کو حاجت ہے کہ اللہ سے توبہ کرے۔ توبہ کے لفظی معنی ہیں ''رجوع کرنا'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے، کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کرے۔

## نہ چاہتے ہوئے بھی گناہ سرزد ہو جاتا ہے

وہ توبہ کیوں کرے؟ ایک تو وجہ اس کی یہ ہے کہ آدمی بظاہر کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، اور وہ کتنے ہی نیک اعمال کر رہا ہو، نماز روزے کا پابند ہو، لیکن وہ بشر ہے، انسان ہے کہیں نہ کہیں غلطی ہو جاتی ہے، چُوک ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی گناہ سرزد ہو جاتا ہے، گناہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن گناہ سرزد ہو گیا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مغفرت کی جو دعا مانگی اور ہمیں اس دعا کی تلقین فرمائی۔ اس دعا میں یہ فرمایا:

رَبِّ اغْفِرْ، وَارْحَمْ، وَاعْفُ عَنَّا، وَتَكَرَّمْ

یا اللہ! بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم۔ لہٰذا میرے ان گناہوں کی بھی مغفرت فرما دیجیے جو میرے علم میں نہیں ہے، لیکن آپ جانتے ہیں۔ دوسری دعاؤں میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں کہ:

مِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ اَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ لَا اَعْلَمُ

یعنی ہم اس گناہ سے توبہ کرتے ہیں جو ہم جانتے ہیں اور اس گناہ سے بھی توبہ کرتے ہیں جو ہم نہیں جانتے، لیکن آپ جانتے ہیں۔

## سونے سے پہلے توبہ کرلو

اس لئے انسان چاہے کتنا ہی نیک اور صالح کیوں نہ ہو؟، لیکن صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں اس سے کوئی نہ کوئی لغزش یا غلطی سرزد ہو ہی جاتی ہے، اس وجہ سے ہر مسلمان کو توبہ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ اس لئے ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سونے سے پہلے صدقِ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض معروض کرلیا کرو کہ یا اللہ! میں نے آج کا دن گزارا، اس دن میں مجھے پتہ نہیں کہ مجھ سے کہاں کہاں لغزش ہوئی، کہاں کہاں گناہ ہوگیا۔ اے اللہ! میں ان سب گناہوں سے آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ لہٰذا رات کو سونے سے پہلے سارے گناہوں سے توبہ کرو اور کہو:

"أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ أَتُوْبُ إِلَيْهِ"

"أَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَلِيَّ الْعَظِيْمَ وَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ"

## توبہ کے الفاظ

سونے سے پہلے چند لمحوں کے لئے بیٹھ جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! دن گزرگیا، اب رات آچکی ہے، اور اب میں سونے کے لئے لیٹ رہا ہوں، پتہ نہیں کہ دوبارہ پھر اُٹھ سکوں یا نہ اُٹھ سکوں۔ یا اللہ! جو گناہ میں نے کئے ہوں،

جو آپ جانتے ہیں، کچھ گناہوں تو کا مجھے بھی پتہ ہے اور کچھ کا مجھے پتہ نہیں، لیکن آپ جانتے ہیں ان تمام گناہوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادیجئے، اور میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ ہر مسلمان کے لئے توبہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کبھی نہ کبھی کوئی گناہ، کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی۔ جانتے بوجھتے میں یا انجانے میں، لہٰذا ہر مسلمان کو "توبہ" اپنا وظیفہ بنانا چاہیے اور اپنا روزانہ کا معمول بنانا چاہیے۔

## ان نیکیوں کی طرف سے توبہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ چلو، یہ تسلیم کرلو کہ ہم نے سارے دن نیکی ہی نیکی کیں، نمازیں پڑھیں، تلاوت کی، ذکر کیا، تسبیحات پڑھیں، کوئی گناہ نہیں کیا، لیکن کیا تمہاری کوئی نیکی ایسی ہے کہ جو اللہ جل شانہ کی عظمتِ شان کے مطابق ہو؟ تم کتنے ہی خشوع، خضوع سے نماز پڑھ لو، کتنے ہی خشوع، خضوع سے تلاوت کرلو، ذکر و تسبیح کرلو، لیکن باری تعالیٰ کی بندگی کا جو حق ہے اور جو اس کی عظمتِ شان کا حق ہے، اس کے مقابلے میں نہ تو ہمارے سجدے کچھ ہیں، نہ رکوع کچھ ہیں، نہ ذکر و تسبیح کچھ ہیں۔ اگر فرض کرو کہ ہم سے دن بھر میں کوئی گناہ نہیں ہوا، لیکن جو نیکیاں کیں، کیا وہ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کے مطابق تھیں؟ نہیں تھیں۔ لہٰذا ان نیکیوں کی طرف سے توبہ استغفار کرو اور کہو کہ یا اللہ! آپ کی عظمتِ شان کے مطابق ہم عبادت انجام نہیں دے سکے، آپ ہمیں معاف فرمادیں۔

## حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار کرنا

خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استغفار فرما رہے ہیں کہ:

"اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ"

اے اللہ! میں ہر گناہ سے استغفار کرتا ہوں۔ آپ سے توبہ کرتا ہوں۔

یہ کون کہہ رہا ہے؟ جو ذات گناہوں سے معصوم ہے۔ جس سے گناہوں کے صدور کا کوئی امکان ہی نہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اور کیسے توبہ کرتا ہوں؟

اَدْعُوْكَ دُعَآءَ الْبَآئِسِ الْفَقِيْرِ، وَالْمُضْطَرِّ الضَّرِيْرِ، الْعَبْدِ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ (۱)

اے اللہ! میں محتاج بن کر آپ سے دعا کر رہا ہوں، اور میں گناہ گار اور ذلیل بندہ ہوں۔

## حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل تھی

چونکہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا کچھ پتہ ہی نہیں ہے، اس کی

---

(۱) المعجم الكبير ۱۱ / ۱۷٤ (۱۱٤۰۵) والمعجم الصغير ص۲۵۹ (٦٨٦) وقال الهيثمي في "المجمع" ۳ / ٥٦٠ (٥٥٤٩) وفيه يحيى بن صالح الابلى قال العقيلى روى عنه يحيى بن بكير مناكير وبقية رجاله رجال الصحيح، وزهر الفردوس ۲ / ۳٥۱ (٦۱۹)

عظمتِ شان کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن جس ذات کو اللہ جل شانہ کی معرفت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی اور اس کی عظمتِ شان کی، اس کی جلالتِ قدر کی معرفت حاصل ہے وہ جب اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ جبکہ وہ خود سید الاولین والآخرین ہے، اس کی عظمتِ شان کے مقابلے میں اپنے آپ کو "المذنب الذلیل" کہتا ہے کہ میں گناہگار اور ذلیل بندہ ہوں۔ جتنی اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی انسان اپنے آپ کو ناقص در ناقص سمجھتا چلا جاتا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور اپنے دماغ میں بڑائی کا تصور بھی نہیں آتا۔

## ہر آن معرفت کے درجات میں ترقی

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ ہر آن معرفت کے درجات میں ترقی ہو رہی تھی، جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معرفت کے اگلے درجے پر پہنچتے تو پچھلا درجہ آپ کو کمتر محسوس ہوتا تھا۔ اور جب اس درجہ سے آگے بڑھتے تو پہلے والا درجہ کمتر محسوس ہوتا تھا۔ یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ جگہ بہت کمتر تھی جہاں پر میں پہلے تھا، لہٰذا ایک طرف تو آپ یہ فرماتے کہ:

"اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ، وَلَا فَخْرَ"(۱)

کہ میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں، اور یہ بات میں کسی فخر کی وجہ سے نہیں کہہ رہا ہوں۔

بلکہ حقیقت بیان کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

---

(۱) سنن الترمذی ۵ / ۲۱۳ (۳۱٤۸) وقال: هذا حديث حسن.

میں پہنچتے ہیں تو آپ یہ کہتے ہیں:۔

اَنَا الْعَبْدُ الْمُذْنِبُ الذَّلِیْلُ"

کہ میں گناہگار ہوں اور میں ذلیل ہوں۔

وہ ہمارے لحاظ سے حقیقت کا بیان ہے کہ اس کائنات میں جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ پیدا ہوں گے، سب کی سرداری اللہ تعالیٰ نے نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمادی۔

## ہماری عبادات "علامتی" اور "ٹوکن" ہیں

اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق تو کبھی کوئی ادا نہیں کرسکتا، جو کچھ ہم عبادات کرتے ہیں علامتی چیزیں ہیں، "ٹوکن" ہیں۔ جیسے کوئی بڑا عزت والا آدمی ہو۔ اس کو اگر کسی خدمت کا صلہ دیا جائے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ اس کو "اعزازیہ" دیا جارہا ہے۔ اعزازیہ اس کو کہتے ہیں جو کسی بڑے کی خدمت کا تھوڑا سا بدلہ دیدیا جائے کہ اس سے کہا جائے کہ میں آپ کی خدمت کا صحیح حق تو ادا نہیں کرسکتا، البتہ علامتی طور پر ہدیہ پیش کررہا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تو کوئی حق ادا کرہی نہیں سکتا، جو کچھ بھی عبادت ہم کرتے ہیں وہ علامتی چیز ہوتی ہے، "ٹوکن" ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمیں تمہارا یہ "ٹوکن" بھی قبول ہے۔ تم کہاں ہماری عبادت کروگے؟ ہماری عبادت کا حق ادا کرنا تمہارے بس میں کہاں؟ لہٰذا یہ تمہاری نمازیں بھی قبول کرلیتے ہیں، تمہارے روزے بھی قبول کرلیتے ہیں، تمہاری تسبیح بھی قبول کرلیتے ہیں۔

## اللہ سے خالص توبہ کرو

جب بندہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرسکتا تو اب چارہ کار یہ ہے کہ اسی کی طرف رجوع کر کے توبہ، استغفار کرے۔ اسی لئے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا (۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو خالص توبہ۔

خالص توبہ، ''نصوح'' کے معنیٰ ہوتے ہیں جو ملاوٹ سے پاک ہو، یعنی اس توبہ میں ریاکاری کی ملاوٹ نہ ہو، نفاق کی ملاوٹ نہ ہو کہ زبان پر توبہ ہے، لیکن دل میں یہ ارادہ ہے کہ پھر میں یہ گناہ کروں گا۔ یہ توبہ خالص نہ ہوگی۔ خالص توبہ وہ ہے جس میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم بھی ہو۔

## توبہ کی تین شرطیں

توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو گناہ کئے ہیں اس پر ندامت ہو، شرمندگی ہو۔ دوسری یہ کہ فوری طور پر اس گناہ کو چھوڑ دینا۔ تیسرے یہ کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں ایک چوتھی بات یہ بھی فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ جن چیزوں کی تلافی ممکن ہے ان کی تلافی کرنا، مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں ہیں تو ان کی قضا کرنا، روزے چھوٹ گئے ہیں تو ان کی قضا کرنا، اگر کسی کا حق مار لیا ہے تو اس کا حق ادا کرنا یا اس سے معاف کرانا، یہ سب

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

توبہ کا حصہ ہیں۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرلو۔

## خالص توبہ کا نتیجہ

پھر اس توبہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ [1]

امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیوں کو چھپالے گا۔

یہ اندازِ بیان ''شاہانہ'' انداز ہے، یعنی تمہیں امید رکھنی چاہیے۔ اس لئے کہ جب کوئی بڑا آدمی کسی سے کوئی وعدہ کرتا ہے، بعض اوقات وہ وعدہ کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے وہ یہ تو سمجھ جائے کہ یہ وعدہ پورا ہوگا، لیکن وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میرا حق تھا۔ جیسے کوئی استاذ اپنے شاگرد سے یہ کہے کہ اگر تم نے یہ کام کرلیا تو کچھ بعید نہیں کہ ہم تمہیں کچھ نوازدیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں کچھ انعام مل جائے، اب دل میں دینے کا اردہ تو ہے اور جس کو دیا جارہا ہے ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اُن کے دل میں یہ ارادہ ہے کہ وہ دیں گے۔

## ہوسکتا ہے کہ آپ کو مقامِ محمود تک پہنچادیں

اسی طرح اللہ تعالیٰ جب بندوں کو نوازنے کے لئے یہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کرنے والے ہیں، تو بجائے اس کے وہ یہ کہیں کہ ''ہم کریں گے'' اس کے

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

بجائے وہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں، شاید کچھ کردیں اور نوازدیں۔ اور تو اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (1)

ہوسکتا ہے کہ تمہارا پرودگار تمہیں مقامِ محمود تک بھیج دے۔

اب دیکھیے ! کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''مقامِ محمود'' پر بھیجنا ہے، لیکن شاہانہ انداز اور مشفقانہ انداز میں کہا جارہا ہے جو دلوں میں اہمیت پیدا کررہا ہے۔ تاکہ آدمی یہ نہ سمجھے کہ یہ میرا حق تھا، جو مجھے دیں گے۔

## ہوسکتا ہے کہ تمہاری سیئات کو چھپالے

اسی طرح یہاں پر بھی یہی انداز اختیار فرمایا کہ:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری سیئات کو چھپالے۔

قرآنِ کریم میں ''کفارہ'' کا لفظ آتا ہے یہ بھی بڑا معنی خیز ہے، عام طور پر ''کفارہ'' کا مطلب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ معاف ہوجائے گا، لیکن ''كَفَّر، تَكْفِيْرًا'' کے معنی ہوتے ہیں ''چھپالینا'' یعنی تم سے جو برائیاں سرزد ہوئی ہیں نہ صرف یہ کہ ہم ان کو معاف کردیں گے بلکہ اس طرح ہم ان کو چھپالیں گے کہ لوگوں کے سامنے بھی نہیں آئیں گی، اور تمہارے اعمال نامہ سے مٹادیں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھیے کہ نہ صرف گناہ بخش دیں گے بلکہ اس کو چھپالیں گے۔

---

(1) سورۃ بنی اسرائیل: آیت (79)

## ''سرگوشی'' والی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہوگی جس میں سرگوشی کی بات ہو۔ یعنی ''حديث النجویٰ'' وہ کیا حدیث ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک آدمی پیش ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس بلا کر اس کو اس کے گناہ یاد دلائیں گے کہ تم نے یہ کیا تھا، تم نے یہ کیا تھا وہ بندہ ہر گناہ کا اقرار کرلے گا کہ ہاں! کیا تھا۔ اس بندہ کو یہ گمان ہونے لگے گا کہ بس میں تو اب برباد ہوگیا۔ اس لئے کہ جتنے گناہ بتائے گئے ہیں۔ وہ سب گناہ واقعی میں نے کئے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا پہلو اس پر رکھیں گے، اس پہلو کی کیا حقیقت ہے؟ وہ اللہ ہی جانتے ہیں۔ جیسے کسی بچے کو پہلو میں رکھ کر اس سے چپکے سے بات کی جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنا پہلو اس کے اوپر رکھیں گے اور چپکے سے اس سے کہیں گے:

> ''یہ سارے گناہ تو نے کئے، اور دنیا کے اندر میں نے تیرا پردہ رکھا، اور آج میں وہ سب گناہ معاف کرتا ہوں''۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''نجویٰ'' سرگوشی والی حدیثِ مبارک یہ ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری ۳/ ۱۲۸ (۲٤٤۱)

## یہ رحمت نادم اور شرمسار پر

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اگرچہ گناہوں کے اندر مبتلا ہو گئے ہیں، لیکن نادم اور شرمسار ہیں اور توبہ کرتے رہیں، استغفار کرتے رہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس طرح ڈھانپ لیتی ہے اور اس طرح سرگوشی کرتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اس طرح فرمایا کہ:

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ

ہوسکتا ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو چھپالے۔

وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ (۱)

اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

## ایسی جنت کہ اس کے نیچے نہریں

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ مختلف جگہوں میں بار بار یہ بات کیوں بیان فرماتے ہیں؟ دراصل یہ ہمارے تصور کی جھلک دکھانے کے لئے فرمادیتے ہیں کہ جب ہم دنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ ایک باغ ہے، زرخیز علاقہ ہے، اور اس کے نیچے سے دریا بہہ رہا ہے ہو، وہاں پر ہمارا مکان ہو، اس وقت میں اپنے مکان میں بیٹھ کر کیا منظر دیکھوں گا؟ اس کی ایک جھلک اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

دکھاتے ہیں۔ اس لئے اس کی حقیقت تو جان سکتے نہیں کہ وہ کیا چیز ہوگی؟ انسان کے دل پر ان نعمتوں کا خیال اور واہمہ بھی نہیں گزرا جو وہاں پر ملنے والی ہیں۔ لیکن ایک جھلک دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی جنتیں دیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔

## اس دن ایمان والوں کو رسوا نہیں کیا جائے گا

آگے فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

یعنی وہ دن ہوگا جس دن میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو رسوا نہیں کرے گا۔

پھر آگے اس وقت کا نقشہ کھینچتے ہیں کہ

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

ان کا نور ان کے آگے چل رہا ہوگا اور ان کے دائیں طرف چل رہا ہوگا۔

اور اس وقت وہ لوگ یہ دعا کر رہے ہونگے:

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۱)

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

اے پروردگار! ہمارے لیے ہمارا نور مکمل کردیجیے، اور
ہماری مغفرت کردیجیے۔

## جب مردے دوبارہ زندہ ہوں گے

دراصل اس دعا میں دوسری بات کی طرف اشارہ ہورہا ہے، جو بات اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں بیان فرمائی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حشر کے عالم کی منظرکشی فرمائی ہے کہ جب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اس وقت کیا عالم ہوگا؟ قرآنِ کریم کی تمام آیات اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کو مدّنظر رکھتے ہوئے واقعات کی ترتیب یوں نظر آتی ہے کہ قیامت کے دن جب مردوں کو زندہ کیا جائے گا تو تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہوکر اٹھیں گے اور وہ یہ کہیں گے:

يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا

ارے یہ کیا ہوگیا؟ کس نے ہمیں ہماری سونے کی جگہ سے
اٹھادیا؟

ان کے جواب میں فرشتے کہیں گے:

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ [1]

ارے یہ وہی بات ہے جس کا رحمٰن نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور جن پیغمبروں نے یہ بات کہی تھی، انہوں نے سچ کہا تھا کہ تم دوبارہ زندہ کئے

(۱) سورۃ یس: آیت (۵۲)

جاؤ گے۔

## آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی

قیامت کے دن ابتداء جب تمام انسان دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اس وقت ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ:

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ کَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۝ (۱)

ان کی آنکھیں ذلت کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جس طرح ٹڈی دل لشکر منتشر ہوتا ہے کہ کوئی ادھر ہے، کوئی ادھر ہے۔

پھر آگے ایسا منظر آجائے گا کہ اچانک تاریکی چھا جائے گی، ایسا اندھیرا ہوگا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا ہوگا اور یہ اندھیرا تمام انسانوں پر چھا جائے گا چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں۔ اب اندھیرے کے اندر آدمی کس طرح چلے اور کہاں جائے؟ ایک جگہ ایسی ہوگی جہاں پر نور تقسیم ہوگا روشنی تقسیم ہوگی۔

## ہر ایمان والے کو اس کے درجہ کے مطابق نور ملے گا

جو اہلِ ایمان ہوں گے ان میں سے ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق

(۱) سورۃ القمر: آیت (۷)

وہ نور عطا کیا جائے گا۔ اس وقت کے حالات کا تصور کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ ایک طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے اور تمام انسان اس اندھیرے کے اندر ہیں۔ اور پھر ایک منزل پر مسلمانوں کو ان کے درجہ کے مطابق پلِ صراط سے ذرا پہلے نور تقسیم کیا جائے گا۔ اور کافر اپنی ظلمت اور اندھیرے میں رہیں گے، پھر پلِ صراط کے قریب پہنچیں گے تو وہاں جہنم کے دروازے ہوں گے۔ ان دروازوں میں ان کافروں کو دھکیل کر داخل کیا جائے گا، اور کافروں کو پلِ صراط پر گزرنے کی بھی نوبت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

## منافقین کو ابتداءً نور ملے گا

یہ جو قرآنِ کریم میں سورۂ زمر میں آیا ہے کہ:

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا (۱)

کہ جو لوگ کافر ہوں گے وہ ٹولیوں کی شکل میں جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، جب جہنم کے پاس پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

لیکن جو لوگ مؤمن ہوں گے چاہے وہ مؤمن خالص ہوں، چاہے منافقین ہوں۔ جو زبان سے یہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لے آئے ہیں، لیکن دل میں ان

---

(۱) سورة الزمر: آیت (۷۱)

کے اسلام نہیں تھا۔ ان سب کو پلِ صراط سے گزارا جائے گا۔ جب یہ پلِ صراط پر قدم رکھیں گے تو اس وقت تو ان سب میں سے ہر ایک کو ان کے اعمال کے بقدر روشنی ملی ہوگی، لیکن جب صاحبِ ایمان اس روشنی میں پل صراط پر سے گزریں گے تو اس وقت منافقین کو جو روشنی شروع میں دی گئی تھی، وہ ختم ہو جائے گی۔ وہ روشنی ان کو اس لئے دی گئی تھی کہ وہ ظاہراً اپنے آپ کو دنیا میں مسلمان کہتے تھے۔ لیکن جب وہ آگے پلِ صراط کی طرف بڑھنا شروع کریں گے تو اس وقت ان کی روشنی ختم ہو جائے گی۔

## اس وقت اہلِ ایمان یہ دعا کریں گے

اب جب مؤمن اپنی اپنی روشنی میں آگے جا رہے ہوں گے اور اس طرح جا رہے ہوں گے کہ ان کے آگے بھی روشنی ہوگی اور ان کے دائیں طرف بھی روشنی ہوگی۔ جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا:

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ [1]

اس کے بعد جب وہ مؤمن یہ دیکھیں گے کہ جو لوگ ہمارے پیچھے روشنی میں آرہے تھے، ان کی روشنی ختم کر دی گئی، اور وہ اندھیرے اور تاریکی میں رہ گئے ہیں، اسی وقت مؤمنین یہ دعا کریں گے:

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا ۔۔۔الخ

اے ہمارے پروردگار! کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح ان کی روشنی ختم کر دی

---

(۱) سورۃ الحدید: آیت (۱۲)

گئی، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری روشنی بھی ختم کردی جائے۔ یا اللہ! ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کردیجئے گا۔ یعنی میرے نور کو اس طرح پورا کردیجئے گا کہ میں پورا پلِ صراط اس روشنی میں عبور کرجاؤں۔ اور اے اللہ! ہماری مغفرت فرمادیجیے گا، اس لئے کہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو جو منافقین کے ساتھ ہوا کہ ان کی روشنی ختم ہوگئی۔

## منافقین کا اہلِ ایمان کو آواز دینا

اس وقت منافقین اہلِ ایمان کو پیچھے سے آواز دیں گے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۝ (۱)

یہ کہیں گے کہ ذرا ہمارا بھی خیال کرلو، اور اپنے نور میں سے تھوڑا سا حصہ ہمیں بھی دیدو۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ

کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ تم بھی کلمہ پڑھ رہے تھے ہم بھی کلمہ پڑھ رہے تھے۔ اس وقت ان منافقین سے کہا جائے گا:

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (۲)

پیچھے جاؤ اور وہاں جاکر نور تلاش کرو جہاں سے نور تقسیم ہوا تھا اور

(۱) سورۃ الحدید: آیت (۱۳)

(۲) سورۃ الحدید: آیت (۱٤)

اصحابِ ایمان کو جہاں سے نور ملا تھا، کہ تھوڑا بہت منافقین کو بھی مل گیا تھا، لیکن وہ نور آگے جا کر بند ہو گیا، اس وقت مؤمنین ان منافقین سے کہیں گے کہ وہاں واپس جاؤ اور نور تلاش کرو جہاں سے نور تقسیم ہوا تھا۔

## دونوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی

آگے کیا ہوگا کہ:

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ○ (۱)

یعنی جب ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹو تو اسی وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی، وہ دیوار ایسی ہوگی کہ اس کے اندر کی طرف تو رحمت ہوگی، یعنی وہ نور ہوگا جس کی روشنی میں مسلمان جنت کی طرف چلے جا رہے ہوں گے اور اس دیوار کے باہر والے حصے میں عذاب ہوگا۔ اس وقت منافقین ایمان والوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اس وقت مؤمنین ان منافقین سے کہیں گے کہ تم نے یہ حرکتیں کیں، یہ حرکتیں کیں، وغیرہ، وغیرہ۔

## گناہگار مسلمانوں کا حال

پھر آگے پلِ صراط پر صاحبِ ایمان ہی پہنچیں گے۔ اور ان کے ساتھ نور بھی ہوگا کہ اس نور کی روشنی میں وہ چلتے جائیں گے۔ البتہ جو مسلمان گناہ گار

---

(۱) سورۃ الحدید: آیت (۱۳)

ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینا چاہیں گے، ان کی بداعمالی کی وجہ سے، وہ عذاب دیئے جائیں گے، ایسے مسلمانوں کے لئے جہنم کی طرف سے آنکڑے آئیں گے، اور وہ آنکڑے پکڑ کر گناہگار مسلمانوں کو جہنم کے اندر جھونک دیں گے، یہ مسلمان کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ غیر مسلموں کے لئے تو پہلے ہی جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، کہ ان کے اندر جھونک دیا جائے گا، لیکن جو صاحبِ ایمان ہیں اور جنہوں نے کلمہ "أشهد أن لا إله إلّا الله، وأشهد أنّ محمّدًا رسول الله" پڑھا تھا۔ لیکن انہوں نے گناہوں کے اندر زندگی گزاری، عریانی میں، فحاشی میں، جھوٹ میں زندگی گزاری، ظلم میں زندگی گزاری۔ ایسے گناہ گاروں کے لئے جہنم سے آنکڑے آئیں گے اور آنکڑے سے ان کو پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

## اہلِ ایمان یہ دعا کرتے ہوئے گزر جائیں گے

اور جن پر اللہ کی نعمت ہوگی، اور وہ نہ صرف یہ کہ مؤمن تھے۔ بلکہ نیک تھے، عمل صالح کرنے والے تھے۔ گناہوں سے پرہیز کرنے والے تھے، وہ پلِ صراط پر چلتے جائیں گے۔ بعض لوگ وہ ہوں گے جو بجلی کی تیزی کے ساتھ نکل جائیں گے، پلِ صراط کے دوسرے کنارے پر جنت میں اتر جائیں گے۔ بعض لوگ ایسے ہوں گے جو کم رفتار سے چلتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچیں گے کہ بعض لوگ وہ ہوں گے جو گرتے پڑتے چلے جائیں گے، یہ اس وقت کا منظر ہوگا۔ بہرحال! جس وقت مسلمان پلِ صراط سے گزر رہے ہوں گے، اس وقت یہ دعا کریں گے:

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۱)

## نماز کے لئے اندھیروں میں جانے والوں کو خوشخبری

اب یہ بھی سمجھ لیں کہ بہت سی احادیث میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ کون سا عمل ایسا ہے جس سے آخرت میں نور پیدا ہوتا ہے؟ اور کس عمل سے کتنا نور حاصل ہوتا ہے؟ حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بشّرِ المشآئینَ في الظلمِ إلى المساجدِ، بالنّورِ التامّ یومَ القیامة (۲)

یعنی جو لوگ نماز کے لئے اندھیروں میں چلتے ہیں۔ مثلاً رات کا وقت ہے، اندھیرا ہے اور اندھیرے میں چلنا مشکل ہے، مگر نماز کی اہمیت کی خاطر وہ اندھیرے کو برداشت کرتے ہوئے نماز کے لئے جاتے ہیں۔ چاہے عشاء کی نماز ہو یا فجر کی نماز ہو۔ بہرحال! جو لوگ اندھیریوں میں نماز کے لئے چل کر جاتے ہیں۔ ان کو یہ خوشخبری سنادو کہ قیامت کے روز ان کو مکمل پورا نور ملے گا۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ نور حاصل کرنے کا ایک راستہ یہ ہے کہ نماز کی پابندی جماعت کے ساتھ کرو، اور رات کا اندھیرا ہی کیوں نہ ہو مگر تم نماز کے لئے چل کر جاؤ۔

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

(۲) سنن أبی داؤد ۱ / ۵۰۹ (۵۶۲) و سنن الترمذی ۱ / ۲۶۲ (۲۲۳) وقال: هذا حدیث غریب، وقال المنذری فی "الترغیب والترهیب" ۱ / ۱۳۳ و رجال اسناده ثقات.

## کن اعمال کے بدلے میں قیامت کے دن نور ملے گا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے اعمال کے بارے میں بیان فرمایا کہ اس عمل سے نور ملے گا، فلاں عمل سے نور ملے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث [۱] میں فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں انصاف کرنے والے ہوں گے، ان کے لئے قیامت کے دن نور کے منابر ہوں گے۔ ایک حدیث شریف [۲] میں ہے کہ جو لوگ حج کے لئے جائیں گے اور احرام کھولتے وقت اپنا سر منڈوائیں گے یا قصر کرائیں گے اور بال کٹوائیں گے تو ان کو قیامت کے دن ہر بال کے عوض ایک نور ملے گا۔ اسی طرح جو لوگ جمرات کی رمی کریں گے تو ان کو قیامت کے دن ہر کنکر کے عوض ایک نور ملے گا۔ [۳]

اسی طرح جو لوگ کسی مظلوم کی داد رسی کریں گے یا کسی دکھی کا دکھ دور کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کو قیامت کے دن نور عطا فرمائیں گے۔ [۴]

بہرحال! مختلف اعمال کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ فلاں عمل سے نور ملے گا، فلاں عمل سے نور ملے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم ۳ / ۱٤٥٨ (۱۸۲۷)

(۲) صحیح ابن حبان ٥ / ۲۰٥ (۱۸۸۷) والمعجم الأوسط ۳ / ۱٦ (۲۳۲۰) وقال الهیثمی فی "المجمع" ۳ / ٦۰۳ (٥٦٥۱) وفیه محمد بن عبدالرحیم بن شروس، ذکره ابن أبی حاتم ولم یذکر فیه جرحا ولا تعدیلا ومن فوقه موثقون.

(۳) مسند البزار کما فی کشف الأستار ۲ / ۳۳ (۱۱٤۰) وقال الحافظ ابن حجر فی "مختصر الزوائد" ۱/ ٤٤۰ (۷۳۸) اسناده حسن.

(٤) المعجم الأوسط ٤ / ۳۸٥(٤٥۰٤) وقال الهیثمی فی المجمع ۸ / ۳٥۲ (۳۷۱۷) وفیه العلاء بن سلمة بن عثمان وهو ضعیف.

## نماز فجر کے لئے جاتے وقت کی دعا

لہٰذا قیامت کے دن اس نور کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان اعمال کی طرف بڑھو، مثلاً حدیث شریف (۱) میں آتا ہے کہ "سورۂ کہف" پڑھو گے تو اس سے نور سے حاصل ہوگا۔ اسی طرح جب صبح نماز فجر کے لئے مسجد سے نکلو، راستے میں یہ دعا پڑھتے ہوئے نکلو:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ عَظْمِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا۔ (۲)

یا اللہ! میرے قلب میں نور عطا فرما۔ میری نگاہ میں نور عطا فرما۔ میرے دائیں طرف بھی نور ہو۔ بائیں طرف بھی نور ہو، میرے اُوپر بھی نور ہو۔ میرے نیچے بھی نور ہو۔ میری ہڈیوں میں بھی نور ہو۔ میرے گوشت میں بھی نور ہو۔ میری چمڑی میں بھی نور ہو، اور میرے نور کو عظیم کر دیجئے۔ اور آخر میں فرمایا: یا اللہ! مجھے نور دے دیجئے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۶۹ (۶۳۱۶) وصحیح مسلم ۱ / ۵۲۵ (۷۶۳)
(۲) سورۃ النور: آیت (۳۵)

## ہر ہر عضو میں نور

اب آنکھوں کا نور تو سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھوں میں نور ہوگا تو ہر چیز نظر آئے گی۔ اس نور کے بغیر آدمی دیکھ نہیں سکتا، لیکن قلب میں نور چاہیے زبان میں، کان میں نور چاہیے، گوشت، پٹھے اور خون میں نور چاہیے اور آخر میں فرمایا: "واجعلنی نورًا" اے اللہ! مجھے ہی نور بنا دیجیے۔ اب نور کا ایک مطلب تو وہ ہے جو میں نے عرض کیا کہ وہاں اندھیرا ہوگا اس اندھیرے میں اسی شخص کو روشنی ملے گی جو صاحبِ ایمان ہوگا، کہ جس کا عمل بہتر ہوگا، اتنا ہی اس کا نور مکمل ہوگا۔

## نور کی تقسیم کی کیا ضرورت؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کچھ مخلوق کو جنت میں بھیجنا ہے اور کچھ مخلوق کو جہنم میں بھیجنا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے ان کو اندھیرے میں رکھا جائے گا۔ اور ایمان والوں کو نور تقسیم ہوگا، بس جن کو جنت میں بھیجنا ہے ان کو ریوڑ کی طرح ہانک کر جنت میں بھیج دیا جاتا۔ اور جن کو جہنم میں بھیجنا ہے ان کو ریوڑ کی طرح ہانک کر جہنم میں بھیج دیا جاتا۔ یہ نور اور ظلمت کے قصے کی کیا ضرورت؟

## نور درحقیقت اللہ جل شانہ کا ہے

واللہ سبحانہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ غلطی سے بچائے۔ آمین۔ بات کچھ یوں نظر آتی ہے کہ "نور" تو درحقیقت اللہ جل شانہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نور ہی نور ہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اور پھر ہمیں سمجھانے کے لئے اس کی مثال بھی دیدی کہ اس زمانے میں ''ڈیبٹ دیا'' ہوا کرتا تھا، مٹی کا چراغ ہوتا تھا جسے ''ڈیبٹ'' کہا جاتا تھا۔ اس میں چراغ جلایا جاتا تھا۔ اسکے اوپر چمنی ہوتی تھی کہ چمنی بھی سفید صاف شفاف شیشے کی ہوا کرتی تھی اور اس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا جاتا تھا۔ وہ تیل ایسا ہوتا تھا کہ اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تب بھی وہ خود چمکتا تھا، جیسا کہ فرمایا:

یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ[1]

کہ جب وہ خود چمک رہا ہے اور اوپر سے چراغ بھی آ گیا۔ تو اب وہ ''نورٌ علی نور'' ہوگیا۔ یہ سب کچھ ہمیں سمجھانے کے لئے مثال بیان فرمادی۔

## نور استعارہ ہے تقدس اور پاکیزگی سے

لیکن اللہ کے نور ہونے کا کیا مطلب؟ اگر دیکھا جائے تو نور استعارہ ہے ''تقدّس'' سے ''پاکیزگی'' سے، لہٰذا پاکیزگی اور تقدّس خالص صرف اللہ کا ہے، لہٰذا ''نور'' سارا صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اب اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کچھ نور اپنی بعض مخلوقات کو بھی عطا فرمادیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو بھی ایسا نور دے دیا کہ وہ بھی پاکیزہ اور مقدّس بن گئے۔ اور اب ان کو گناہ کا خیال اور تصور بھی نہیں آتا، اور ملائکہ نے گناہ کا مزہ ہی کبھی نہیں چکھا۔ لہٰذا ملائکہ نور مجسم ہیں اور پاکیزگی اور تقدس کی ایک تصویر ہیں، اس لئے ان کو نوری کہا جاتا ہے۔

---

(۱) سورۃ النور: آیت (۳۵)

## دنیا نور اور ظلمت سے مرکب ہے

جب انسان کو دنیا میں بھیجا گیا تو اس کو ''نور'' اور ''ظلمت'' کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا، ''نور'' تقدس ہے اور ''ظلمت'' فسق و فجور، گناہ ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ بنا کر انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔ اب یہ جو ہمارے دلوں میں گناہ کرنے کی جو خواہشات پیدا ہوتی ہیں، وہ درحقیقت ایک ''ظلمت'' ہی ہوتی ہے، یہ وہ دل کا اندھیرا ہوتا ہے۔ اور جب نیکی کا خیال آتا ہے تو وہ نور ہے۔ اب دنیا کے اندر ہم اس ''نور'' اور ''ظلمت'' کی کشمکش میں زندگی گزار رہے ہیں، کبھی دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جان دینی ہے کچھ نیک کام کرلوں، یہ درحقیقت ''نور'' اپنی طرف بلاتا ہے، کبھی نفس وشیطان غالب آجائے تو وہ ''ظلمت'' کی طرف بلاتا ہے۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ○ [1]

لہٰذا دونوں قسم کی خواہشات دل میں پیدا ہو رہی ہیں۔

## نور کو ظلمت پر غالب کردو

اب بندہ کا کام یہ ہے کہ ''نور'' کو ظلمت پر غالب کرے۔ لہٰذا یہ جو دعا کی جارہی ہے کہ یا اللہ! میرے دل میں نور دیدے، میری آنکھوں میں نور دیدے، میرے کانوں میں نور دیدے، میری زبان میں نور دے دے۔ میرے پورے وجود میں نور دے دے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! جب آپ نے مجھے پیدا

---

(۱) سورۃ الشمس: آیت (۸)

کیا تھا، اس وقت نور کا کچھ حصہ مجھے دیدیا تھا۔ اور ساتھ میں ظلمت بھی دیدی تھی، لہٰذا میں اس ظلمت سے پناہ مانگتا ہوں، اور آپ کے نور میں آنا چاہتا ہوں، اس کے لئے میں یہ دعا مانگ رہا ہوں، اور یہی ''نور'' انسان کو نیکی کی طرف بلاتا ہے، اور ''ظلمت'' انسان کو برائی کی طرف بلاتی ہے۔

## جنت میں گناہوں کی خواہش؟

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جو ''نور'' عطا فرمائیں گے، جس کا ذکر ہو رہا ہے اس کے ظاہری معنی تو بیان کردیئے، لیکن کچھ لگتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اَعلم۔ کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ (۱)

تمہیں جنت میں جو چاہو گے ملے گا۔

لیکن سوال پیدا ہو رہا ہے کہ اگر وہاں زنا کرنے کا دل چاہا تو پھر؟ اگر معاذ اللہ کفر کرنے کا دل چاہا تو پھر کیا ہوگا؟ لہٰذا یہ کیا کہا جا رہا ہے کہ تم جو چاہو گے وہ ملے گا، تمہارے دل میں جو خواہش ہوگی وہ سب دی جائے گی۔ اگر وہاں جا کر بھی گناہ ہونے کی خواہش برقرار رہی تو پھر کیا ہوگا؟ مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ قتل کروں، دل چاہ رہا ہے کہ جھوٹ بولوں، کیا اس کی وہاں اجازت ہوگی؟

## یہ نور گناہوں کی خواہشات کو بند کردے گا

لہٰذا اگر ہم وہاں جنت میں اسی حالت میں چلے جائیں گے۔ جس حالت

(۱) سورۃ الفصلت: آیت (۳۱)

میں اب دنیا کے اندر ہیں کہ ہمارے دلوں میں غلط خواہشات بھی پیدا ہورہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں جو تمہارا دل چاہے گا وہ ملے گا۔ لہٰذا ہمیں جنت میں داخل ہونے سے پہلے ایسا نور چاہیے جو ہماری خواہشات کو صحیح رخ پر ڈال دے۔ اور ہمیں جنت میں داخل ہونے کا اہل بنادے، یعنی اس دنیا میں ہمارے اوپر جو تاریکیاں مسلط تھیں، اور ان تاریکیوں کے نتیجے میں ہم گناہوں کی طرف بڑھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر آمادہ ہوجاتے تھے، اور ہماری خواہشات ہمیں بہکا کر جہنم کی طرف لے جانے والی تھیں۔ یہ نور ان خواہشات کا دروازہ بند کردے گا۔

## وہ نور صحیح خواہشات پیدا کرے گا

لہٰذا جو ''نور'' مانگا جارہا ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا نہیں ہے کہ تاریکی میں نور مل جائے کہ اس سے روشن ہوجائے۔ اگر صرف روشنی مقصد ہوتی تو پھر آدمیوں کے درجات کے اعتبار سے ''نور'' میں فرق کیوں ہوتا؟ لہٰذا جنت میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں نور عطا کیا جائے گا۔ وہ نور تمہارے دل میں صحیح خواہشات پیدا کرے گا، پھر جنت میں گناہوں کی خواہش پیدا نہیں ہوگی، اس مقصد کے لئے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ''نور'' عطا کیا جائے گا۔ اس لئے تم دنیا کے اندر یہ دعا کرو:

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۱)

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۸)

## خلاصہ

اور فرمایا:

يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ [1]

یعنی نور اس کے ساتھ چل رہا ہوگا، ان کے سامنے بھی نور ہوگا اور داہنی طرف بھی نور ہوگا، بائیں طرف کا ذکر نہیں کیا، کیوں؟ اللہ ہی جانے، کیوں نہیں کیا، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ''اصحابُ الیمین'' ہوں گے، یعنی جن کا اعمال نامہ ان کے داہنی ہاتھ میں دیا جائے گا ان کا نور بھی ان کی دائیں طرف اور سامنے ہوگا۔ اور جن لوگوں کو اعمال نامہ بائیں طرف سے یا پشت سے دیا جائے گا، ان کے لئے نور نہیں ہوگا۔ لہٰذا بائیں طرف دھیان ہی نہیں ہوگا کہ اس طرف کیا ہو رہا ہوگا۔ اس وقت وہ یہ دعا کریں گے کہ

رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا

اور جب وہ نور پورا ہو جائے گا کہ پھر وہ انسان جنت میں داخل ہوگا تو وہ ''نورِ مجسم'' ہوگا، اب اس کے اندر ظلمت کی خواہش ہی نہیں ہوگی، وہ کبھی گناہ کی چیز مانگے گا ہی نہیں، اس لئے جنت میں اس کے دل میں غلط خواہشات کے پورا کرنے کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ لہٰذا کثرت سے یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) سورۃ الحدید: آیت (۱۲)

# دعا نمبر ۳۹

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا

وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

# فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعا

## دعا نمبر ۳۹

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّا بَعْدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! مناجاتِ مقبول کی ان دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے جو قرآنِ کریم میں آئی ہیں، ان دعاؤں میں سب سے آخری دعا وہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے، وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (۱)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ

اے میرے پروردگار! میری بھی مغفرت فرمائیے، مجھے بخش

(۱) سورۃ نوح: آیت (۲۸)

دیجئے اور میرے والدین کی بھی مغفرت فرمائیے، اور جو کوئی میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا، اس کی بھی مغفرت فرمائیے۔ اور سارے مؤمنوں کی چاہے وہ مرد ہوں، یا مؤمن عورتیں ہوں، ان سب کی مغفرت فرمائیے۔

## حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منسوب فرمائی ہے، جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی، قوم کے لوگ بت پرستی اور شرک میں مبتلا تھے، قرآنِ کریم نے اس قوم کے بارے میں فرمایا:

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ (۱)

یعنی ان کے ساتھ ایمان لانے والے بہت تھوڑے تھے۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کوششیں اور ساری توانائیاں صرف کر دیں کہ میری قوم کسی طرح راہِ راست پر آجائے، اور وہ قوم راہِ راست پر نہ آئی تو آخر میں آپ نے اس قوم کو بددعا دی، وہ بددعا یہ تھی کہ

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (۲)

اے میرے پروردگار! اب زمین پر کوئی کافر باقی نہ چھوڑیئے۔ سب کو ہلاک کر دیجئے۔

---

(۱) سورۃ ھود: آیت (٤٠)

(۲) سورۃ نوح: آیت (٢٦)

بہر حال! کافروں کے لئے تو آپ نے یہ بددعا فرمائی، جنہوں نے ساڑھے نوسو سال تک نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، بلکہ آپ کو تکلیف دی اور آپ کو ستایا۔

## مؤمنین کے لئے مغفرت کی دعا

اور اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے، اور جو لوگ ایمان کی حالت میں ان کے گھر میں داخل ہوں، ان کے لئے اور سارے مؤمنین اور مؤمنات کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔ آپ نے خاص طور پر یہ فرمایا کہ جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو، اس کی مغفرت فرمائیے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ در اصل حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ پر ایمان نہیں لائی تھی، یہ اللہ جل شانہ کا عجیب کرشمہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اتنے بڑے پیغمبر، لیکن ان کی بیوی ایمان نہیں لائی، اس لئے آپ نے اس کو دعا کے اندر شامل نہیں کیا، اس لئے فرمایا کہ جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہو، ان کی مغفرت فرما دیجئے۔

## اللہ کی قدرت اور مشیت کے مظاہر

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اور اپنی مشیت کا مظاہرہ سورۂ تحریم کے آخر میں فرمایا ہے اور جو کافر لوگ ہیں، ان لوگوں کے لئے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ

يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○ (۱)

فرمایا کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بہت نیک بندوں کی بیویاں تھیں، اور ان کے گھر میں تھیں، لیکن ان دونوں بیویوں نے ان نیک بندوں سے خیانت کی اور ایک خیانت نہیں، بلکہ بہت سی خیانتیں کیں، نہ صرف یہ کہ کافر رہیں اور ایمان نہیں لائیں، بلکہ کافروں کی جاسوسی کر رہی ہیں۔ لہٰذا ان دونوں بیویوں نے دونوں نبیوں کے ساتھ خیانت کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں نیک بندے یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام ان بیویوں کی کوئی مدد نہ کر سکے، یعنی ان کو جہنم سے نہ بچا سکے اور ان سے کہہ دیا گیا کہ جو اور لوگ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

## ہر شخص کو اپنے ایمان اور عمل کا حساب دینا ہے

اب دیکھئے کہ وہ ایک طرف تو نبیوں کی بیویاں ہیں، اللہ کے نیک بندوں کی بیویاں ہیں، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں رشتہ داری کا حساب نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کے اپنے عمل کا حساب ہے، ہر ایک کے اپنے اعتقاد کا حساب ہے، یہ ضروری نہیں کہ اگر شوہر جنت میں جائے گا تو بیوی ضرور جنت میں جائے گی، یا اگر شوہر جہنم میں جائے گا تو بیوی بھی ضرور جہنم میں جائے گی، ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کا اپنا عمل دیکھا جائے گا۔ لہٰذا ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال دی کہ یہ دونوں انبیاء کی بیویاں تھیں، پھر

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۱۰)

بھی یہ دونوں جہنم میں گئیں۔

## فرعون کی بیوی آسیہ، ایک مؤمن خاتون

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۞ (۱)

کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال دی ہے۔

وہ فرعون جو موسیٰ علیہ السلام کا دشمن، اللہ کا دشمن، خدائی کا دعویدار اور موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ ماننے والا، بلکہ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞ (۲)

کہ میں ہوں تمہارا بڑا پروردگار۔

لہٰذا میری عبادت کرو، میری پرستش کرو۔ اس اللہ کے دشمن کے گھر میں ایسی بیوی پیدا ہوگئی جس کا نام حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا تھا۔

## حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی دعا

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فرعون کے گھر میں رہتے ہوئے یہ دعا کی:

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

---

(۱) سورة التحريم: آيت (۱۱)

(۲) سورة النازعات: آيت (۲٤)

وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○[1]

اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرمایئے اور مجھے ظالموں سے نجات دیدیجئے۔

اور اس ظالم قوم سے مجھے نجات دیدیجئے۔ روایتوں[2] میں آتا ہے کہ آسیہ نے یہ جو دعا کی کہ مجھے فرعون سے اور اس ظالم قوم سے نجات دیدیجئے، وجہ اس کی یہ تھی کہ فرعون ان پر بہت زیادہ تشدد کرتا تھا کہ تم میرے اُوپر ایمان کیوں نہیں لاتیں؟ اور تم کیوں اللہ کی عبادت کرتی ہو؟ روایتوں میں تشدّد کے بھی عجیب عجیب طریقے لکھے ہیں، بہرحال! وہ آسیہ اللہ کے دشمن کے گھر میں رہ رہی ہیں، اور تشدّد سہہ رہی ہیں، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے تعلق بھی قائم ہے۔

## حضرت مریم علیہا السلام کی مثال

اور حضرت مریم علیہا السلام کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا[3]

یعنی حضرت عمران کی بیٹی کی مثال دی کہ ان پر کیسی آزمائش آئی کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے، اس کے نتیجے میں لوگوں نے ان پر تہمتیں

(۱) سورۃ التحریم: آیت (۱۱)

(۲) تفسیر طبری ۲۳ / ۱۱۵

(۳) سورۃ التحریم: آیت (۱۲)

لگائیں، لیکن انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی، اور اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سب قرآنِ کریم میں ذکر کر کے یہ بتارہے ہیں کہ تم اس پر بھروسہ نہ کرنا کہ تم فلاں کی بیوی ہو، یا فلاں کے شوہر ہو، اس لئے کہ مرنے کا کوئی بھروسہ نہیں، کس وقت موت آجائے، کسی بھی وقت موت آسکتی ہے، کسی کے بارے میں کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا، مرنے کے بعد تمہارا کیا انجام ہونا ہے، یہ انجام تمہاری رشتہ داریوں کی بنیاد پر نہیں ہوگا کہ تم کس کے رشتہ دار ہو، بلکہ تمہارے اپنے اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں

جیسے میں نے آپ کے سامنے سورۂ تحریم کی آیات سے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں اور فرعون کی بیوی کی مثالیں بیان کیں، ایسے ہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا کہ آپ کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی، وہ اس طرح کہ نجومیوں نے فرعون سے کہہ دیا تھا کہ "بنی اسرائیل" میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری سلطنت کو ختم کردے گا تو فرعون نے حکم جاری کردیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو، اسے قتل کردیا جائے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہادیا، اور وہ دریا فرعون کے محل سے گزرتا تھا، چنانچہ فرعون کی بیوی آسیہ نے وہ صندوق نکلوایا اور جب وہ صندوق کھولا گیا تو دیکھا کہ اس کے اندر بچہ ہے، بچہ خوبصورت تھا، فرعون کی بیوی کو اس بچے پر رحم آگیا اور اس نے کہا کہ یہ بچہ بڑا پیارا سا ہے، ہم اس کو اپنی اولاد بنائیں گے، لیکن فرعون کو کھٹک

پیدا ہوگئی کہ کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو، جس کے بارے میں نجومیوں نے مجھے بتایا ہے کہ ایک بچہ تمہاری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا۔

## حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی آزمائش

چنانچہ شروع میں فرعون نے آسیہ کو منع کیا کہ کیوں اس بچے کو رکھ رہی ہو؟ آسیہ نے کہا کہ یہ پیارا بچہ ہے، ہم اس کو اولاد بنائیں گے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام فرعون کی گود میں تھے تو انہوں نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچ لی، فرعون نے کہا کہ یہ بچہ تو بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے، آج اس نے داڑھی کھینچ لی ہے، کل کو یہ میری سلطنت ہی کھینچ لے گا۔ حضرت آسیہ نے کہا کہ نہیں، یہ تو بچہ ہے، اس کو کیا پتہ کہ کون کیا ہے؟ فرعون نے کہا: اچھا میں اس کا امتحان کرتا ہوں، چنانچہ اس نے ایک تھال میں ہیرے منگوائے اور ایک تھال میں انگارے منگوائے، اور دونوں حضرت موسی عَلَیْہِ السَّلَام کے سامنے رکھ دیئے اور اب دونوں چیزیں چمکنے والی تھیں، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے انگارہ اٹھایا اور منہ میں ڈال لیا جس سے ان کی زبان میں لکنت ہوگئی تھی۔

## سامری جادوگر کی پرورش حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کے ذریعہ

اب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی پرورش تو فرعون کے محل میں ہورہی ہے اور آپ نے ''سامری'' جادوگر کا نام سنا ہوگا، جس نے زیورات کے ذریعہ بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل میں فساد مچایا، اور بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت پر آمادہ کیا، وہ جادوگر تھا، اس کی پرورش کہاں ہوئی؟ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ

بچہ تھا اور وہ اپنے ماں باپ سے جدا ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس بچے کو اُٹھا کر لے جاؤ، اور اس کی پرورش کرو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو اُٹھا کر ایک غار میں لے گئے، غار میں اس کی پرورش کی، وہاں ان کو غذا اور دودھ پہنچاتے تھے، آہستہ آہستہ وہ بڑا ہوگیا اور آگے چل کر وہی بچہ "سامری" جادوگر بن گیا اور اس نے ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے، کسی عربی شاعر نے اس واقعہ کو ایک شعر میں اس طرح بیان کیا کہ:

و موسی الذی رباه جبرئیل کافر
و موسی الذی رباه فرعون مرسل[1]

یعنی جس "موسیٰ" کو فرعون نے پالا، وہ تو "پیغمبر" بن گئے اور جس "موسیٰ" کی جبرئیل امین نے پرورش کی، وہ کافر بن گیا، یہ سب اس ذات کی مشیت کے کرشمے ہیں، اس کی حکمت کو کون جان سکتا ہے؟ کس کو کہاں اور کس طرح پالنا ہے؟

## حضرت عزرائیل علیہ السلام کا بچے پر رحم کرنا

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے "مثنوی" میں ایک حکایت[2] لکھی ہے، کس درجہ کی حکایت ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، وہ یہ کہ ایک مرتبہ اللہ جل شانہ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے جو ملک الموت ہیں، پوچھا کہ اب تک تم

---

(۱) روح المعانی ۸ / ٥٥٤

(۲) اس جیسا واقعہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم ۴/۴۶۸ (طبع دار المعرفۃ) اور نیسا پوری نے تفسیر ۶/۴۹۶ میں بلا سند ذکر کیا ہے۔

نے بیشمار انسانوں کی روح قبض کی، کبھی تمہیں کسی کی روح قبض کرتے ہوئے رحم بھی آیا؟ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے دو مرتبہ رحم اور ترس آیا، پوچھا کہ کس پر؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک کشتی جارہی تھی اور بہت سے لوگ اس پر سوار تھے، سمندر میں طوفان آگیا اور اس طوفان میں وہ کشتی ڈوبنے لگی، جو لوگ کشتی میں سوار تھے، انہوں نے مختلف طریقوں سے جان بچانے کی کوشش کی، اس کشتی میں ایک عورت سوار تھی، جو حاملہ تھی، اس نے بھی ایک لکڑی کے تختہ پر پناہ لی جو سمندر میں بہہ رہا تھا، عین اس وقت اس تختہ پر بچے کی ولادت ہوئی، جب بچہ پیدا ہوگیا تو آپ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ ماں کی روح قبض کرلی جائے۔ اس وقت مجھے اس بچے پر رحم آیا کہ یہ بچہ ابھی ابھی دنیا میں آیا ہے، اور اس کے لئے ایک ماں ہی کا سہارا تھا، وہ بھی چلی گئی اور اب اس بچے کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے، وہ بچہ کس طرح زندہ رہے گا؟ اس لئے مجھے اس بچے پر رحم آیا۔

## حضرت عزرائیل علیہ السلام کا شدّاد بادشاہ پر رحم کرنا

اللہ تعالیٰ نے سوال کیا کہ اچھا دوسرا شخص کون تھا جس پر تمہیں رحم آیا؟ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایک بادشاہ تھا، جس کا نام ''شداد'' تھا، اس نے ایک ''جنت'' بنوائی تھی اور اس نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ ایسی جنت بناؤ جس کی دنیا میں کوئی مثال نہ ہو اور اس بادشاہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ جنت پوری طرح بن کر تیار نہیں ہوجائے گی، اس وقت تک میں اندر داخل نہیں ہوں گا۔ آخرکار وہ جنت بن کر تیار ہوگئی اور وہ دیکھنے کے لئے روانہ

ہوا، جب جنت کے دروازے پر پہنچا اور ایک پاؤں اس نے اندر رکھا اور دوسرا پاؤں جنت سے باہر تھا، اس وقت آپ کا حکم آ گیا کہ اس کی روح قبض کرلو، میں نے حکم کے مطابق اس کی روح قبض کرلی، اس وقت مجھے اس بادشاہ پر رحم آیا کہ اس نے کتنی محنت کی، کتنا پیسہ لگایا، اس کی کتنی آرزو تھی، کم از کم ایک مرتبہ وہ جنت کو دیکھ لیتا، اور پھر مرجاتا۔

## ایک ہی آدمی پر دو مرتبہ رحم کیا

اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''ملک الموت'' سے فرمایا کہ تم نے ایک ہی آدمی پر دو مرتبہ رحم کیا، مطلب یہ ہے کہ یہ ''بادشاہ'' دراصل وہی بچہ تھا جس کی ماں کی روح قبض کرتے وقت تمہیں رحم آیا تھا، اس بچے کی ہم نے پرورش کی، اور پرورش پاکر وہ بڑا ہوگیا اور اس کے بعد ہم نے اس کو بادشاہ بنایا، بادشاہ بننے کے بعد وہ ''شدّاد'' بن گیا، پھر اس نے جنت بنوائی، اور پھر ہم نے ہی اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیدیا۔ بہرحال! پروردگار کے بھید کون جان سکتا ہے؟

## اپنی نسبت پر کبھی ناز مت کرنا

لہٰذا کسی کو اپنی ''نسبت'' پر کبھی ''ناز'' نہ ہونا چاہئے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، یا میں فلاں کی بیوی ہوں یا فلاں کا شوہر ہوں، فلاں کا رشتہ دار ہوں، بلکہ قیامت کے روز ہر ایک سے اس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا اور اس کے اعتقاد کے بارے میں سوال ہوگا، اگر وہ مؤمن ہے تو اس کے لئے جنت کا راستہ

کھلا ہوا ہے، اور اگر وہ کافر ہے ''العیاذ باللہ'' وہ چاہے کتنی بڑی نسبتیں رکھتا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا معاملہ اس کے عمل کے ساتھ مربوط ہوگا۔

## منافقین کا سردار ''عبداللہ بن اُبی''

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے منافقین تھے، جو اپنے آپ کو زبان سے تو مسلمان کہتے تھے، جبکہ حقیقت میں اندر سے کافر تھے، وہ منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشیں بھی کیا کرتے تھے، جب وہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آتے تھے تو مسلمانوں جیسی باتیں کیا کرتے تھے، اور جب پیچھے جاتے تو مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، ان منافقین کا سردار تھا ''عبداللہ بن اُبی''۔ اس کے بارے میں خود قرآنِ کریم نے فرمایا کہ:

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ (۱)

اس سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ سارے منافقین میں سب سے بڑا آدمی تھا۔

## منافقین کے سردار کے ساتھ آپ کا حسنِ اخلاق

عبداللہ بن اُبی کے ساتھ بھی عجیب معاملہ ہوا کہ وہ تو منافقین کا سردار تھا اور دوسری طرف اس کا بیٹا مسلمان ہوگیا، ان کا نام ''عبداللہ بن عبداللہ'' تھا،

---

(۱) سورۃ النور: آیت (۱۱)

جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہونے لگا تو ان کے جو بیٹے مسلمان ہو چکے تھے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ اپنا کوئی تبرک ان کو عطا فرمادیں اور ان کی نماز جنازہ بھی آپ پڑھائیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ کبھی کسی سوال کرنے والے کے سوال کو رد نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، جب تم تیار کرلو تو مجھے اطلاع کر دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیص مبارک ان کے بیٹے کو دیا کہ اپنے باپ کو پہنادو۔ اور جب آپ تشریف لے گئے تو آپ ان کو گود میں لے کر بیٹھ گئے اور اس کے منہ میں لعابِ دہن ڈالا، اور جب نمازِ جنازہ کا وقت آیا تو نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے آپ آگے تشریف لے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن تھام لیا کہ یارسول اللہ! آپ کس کی نمازِ جنازہ پڑھارہے ہیں؟ اس شخص کی جس نے ساری زندگی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی میں گزاری، آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھارہے ہیں؟ جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ

اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ (۱)

یعنی اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان منافقین کے لئے استغفار کریں گے، تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں فرمائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ستر مرتبہ بھی استغفار کروگے، تب بھی مغفرت نہیں کروں گا، میں ستر سے زیادہ مرتبہ کروں گا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت دیکھئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی

---

(۱) سورۃ التوبۃ: آیت (۸۰)

کی نمازِ جنازہ پڑھادی اور اس پر قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی کہ

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ (١)

یعنی آئندہ اگر منافقین میں سے کوئی مرجائے تو اس کی نمازِ جنازہ مت پڑھنا۔

بہر حال! اس کے بعد عبداللہ بن ابی کو دفن کردیا گیا۔ (٢)

## اگر نسبت کسی کے کام آسکتی تو سردار منافقین کے کام آتی

اب دیکھئے کہ اگر کوئی نسبت کسی کے کام آسکتی تو عبداللہ بن ابی کے ضرور کام آجاتی، اس لئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اس کو پہنانے کے لئے عطا فرمائی اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا، اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ان سب چیزوں کے باوجود حکم یہ آیا کہ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (٣)

یعنی منافقین کو جہنم میں سب سے نیچے طبقہ میں ڈالا جائے گا۔

لہٰذا نہ آپ کی قمیص کی وجہ سے اور نہ آپ کے لعابِ دہن کی وجہ سے اور نہ آپ کی نمازِ جنازہ کی وجہ سے وہ جہنم سے بچ سکا۔

---

(١) سورة التوبة: آیت (٨٤)

(٢) صحیح البخاری ٢ / ٧٦ (١٢٦٩)

(٣) سورة النساء: آیت (١٤٥)

## اولاد کے لئے ایک خوشخبری

اس سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ کسی سے نسبت قائم ہوجانا نجات کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ انسان کا اپنا عمل اور اپنا عقیدہ درست ہونا چاہئے، البتہ ایک خوشخبری سن لیجئے، اس سے ہمیں بڑی تسکین ملتی ہے، وہ یہ کہ اگر آپ مسلمان ہیں، اور ایمان لائے ہیں اور ایمان کے ساتھ گرتے پڑتے کچھ عمل کررہے ہیں، ان کے بارے میں قرآنِ کریم کا کہنا ہے کہ اگر ان کے والدین نیک تھے اور اولاد اگرچہ ایمان والی تھی، لیکن عمل میں ماں باپ کے درجے تک نہیں پہنچ سکی، آخرت میں جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم کم درجہ والے عمل والوں کو بھی ان کا درجہ بڑھا دیں گے اور ان کو ان کے والدین کے درجہ تک پہنچادیں گے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (۱)

یعنی جو لوگ خود ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی ذریت کو بھی ان کے ساتھ شامل کردیں گے۔ اور والدین کے عمل میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

یعنی یہ نہیں ہوگا کہ والدین کے عمل میں سے کچھ کاٹ کے اولاد کو دیدیں، ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ان کے عمل ان کی جگہ برقرار رہیں گے، اور ان کی ذریت کو ہم ان کے ساتھ شامل کردیں گے، بہرحال! اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خوشخبری عطا فرمادی ہے، لیکن اس کے لئے ''ایمان'' اور ''عملِ صالح'' شرط ہے۔

---

(۱) سورۃ الطور: آیت (۲۱)

## البتہ ''ایمان'' ہونا شرط ہے

لہٰذا اگر ''ایمان'' ہی نہ ہو، ''العیاذ باللہ'' یا ایمان ہو، لیکن نفاق جیسا ہو، اور عمل یا تو بالکل سرے سے نہ ہو، تو پھر اس صورت میں کوئی نسبت کام نہیں آئے گی، محض ماں باپ کے نیک ہونے پر اولاد کی بخشش نہیں ہوگی، بہر حال! اس دعا میں حضرت نوح علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ

مَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا (۱)

یعنی میں ان کی مغفرت مانگتا ہوں، جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوں، اب ان کی بیوی چونکہ ایمان کے ساتھ گھر میں داخل نہیں ہوئی تھی، اس لئے ان الفاظ سے اس کو خارج کردیا، اور مؤمنین اور مؤمنات کے لئے مغفرت مانگتا ہوں۔

## ہر آدمی کو اپنی فکر کرنی چاہئے

اس دعا میں ہمارے لئے جو پہلا سبق ہے، وہ یہ ہے کہ ہر ایک آدمی کو اپنی فکر کرنی چاہئے، ہر آدمی اپنی خبر لے، اور دوسرا سبق یہ ہے کہ ہر انسان جس طرح اپنے لئے بھلا چاہتا ہے، اسی طرح دوسروں کے لئے بھلا چاہے، لہٰذا اگر وہ اپنے لئے مغفرت مانگتا ہے تو وہ دوسروں کے لئے بھی مغفرت مانگے، اگر اپنے لئے کسی اچھی بات کی دعا کرتا ہے تو دوسروں کے لئے بھی کرے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا جو قرآنِ کریم میں سب سے آخر میں آئی ہے، اس دعا میں انہوں نے اپنے

(۱) سورۃ نوح: آیت (۲۸)

لئے دعا کی، اور اپنے والدین کے لئے دعا کی، اور جو لوگ میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آتے ہیں، ان کے لئے دعا کی، اور پھر سارے مؤمن مرد اور ساری مؤمن عورتوں کے لئے دعا کی۔

## دوسروں کے لئے بھی دعا مانگا کرو

اس دعا کے ذریعہ یہ سکھایا جارہا ہے کہ جب دعا مانگو تو صرف اپنے لئے نہ مانگو، بلکہ دوسروں کے لئے بھی مانگو، اور جب دوسروں کے لئے دعا مانگو گے تو اس میں دُہرا ثواب ہے، ایک تو دعا بذاتِ خود ثواب کی چیز ہے، چاہے وہ دعا دنیاوی ضرورت کے لئے ہو، مثلاً یہ دعا کرنا کہ یا اللہ! مجھے روزگار دیدیجئے، یا اللہ! مجھے مال دیدیں، یا اللہ! مجھے شفا دے دیں، اب وہ شخص یہ چیزیں دنیا کے لئے مانگ رہا ہے، لیکن اس دعا کا ثواب بھی اس کو مل رہا ہے، اور یہ دعا خود عبادت ہے اور اگر وہ دوسروں کے لئے دعا کر رہا ہے، مثلاً اپنے رشتہ داروں کے لئے دعا کر رہا ہے تو "صلہ رحمی" کا ثواب مل رہا ہے، اور اگر دوسرے انسانوں کے لئے کر رہا ہے تو خیر خواہی کا ثواب مل رہا ہے، لہٰذا دعا میں صرف اپنے آپ پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے کہ یا اللہ! مجھے ایسا کر دیجئے، میری مغفرت کر دیجئے، بلکہ دوسروں کو اپنی دعا میں شامل کر لینا چاہئے۔

## کاش! کوئی اعرابی آجائے اور سوالات کرے

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک دیہاتی مسجد میں آگیا، گاؤں، دیہات کے اکثر لوگ آجایا کرتے تھے، وہ اپنے

بھولے پن میں بہت سی باتیں کیا کرتے تھے، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ محبت کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے، اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی چیز کے بارے میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں ہچکچاہٹ ہوتی تھی اور براہِ راست سوال کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا، ہماری خواہش یہ ہوتی تھی کہ کوئی ''اعرابی'' آجائے، اور وہ اپنی زبان میں اپنے انداز میں سوال کرے گا، تو ہمیں بھی اس سوال کا جواب پتہ چل جائے گا، بہرحال! آپ ''اعرابیوں'' کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔[۱]

## ایک اعرابی کا دعا کرنا

ایک ''اعرابی'' مسجدِ نبوی میں آئے، آکر انہوں نے یہ دعا کی کہ:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَبَدًا[۲]

''اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرمایئے، اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ کیجئے گا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اپنے پاس بلا کر فرمایا:

لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا

کہ تم نے وسیع چیز کو بہت تنگ کردیا۔

(۱) الزهد لابن المبارك ص ۲۲۶ (۷۱۸) مسند أحمد ۱۹ / ۷۱ (۱۲۰۱۳)
(۲) صحيح البخاری ۸ / ۱۰ (۶۰۱۰)

اللہ کی رحمت تو بہت وسیع ہے، اور تم یہ دعا کر رہے ہو کہ بس مجھ پر رحم کریں اور محمد ﷺ پر رحم کریں اور کسی پر رحم نہ کریں۔ یہ تو خود غرضی ہے کہ آدمی اپنے لئے مانگے، اور دوسروں کے لئے نہ مانگے، یہ حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیم نہیں ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جس طرح اپنے لئے مانگتے ہو، اسی طرح دوسروں کے لئے بھی مانگو، اگر اپنے لئے مغفرت مانگ رہے ہو تو دوسروں کے لئے بھی مغفرت مانگو، اگر اپنے لئے صحت مانگ رہے ہو تو دوسروں کے لئے صحت مانگو، اگر اپنے لئے نیک عمل مانگ رہے ہو تو دوسروں کے لئے بھی مانگو۔

## اپنی دعا میں اوروں کو بھی شامل کرلو

حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا ہمیں یہ سبق دے رہی ہے کہ دعا میں اپنی حد تک محدود نہ رہا کرو، بلکہ اپنے والدین کو دعا میں شامل کرو، اپنے گھر میں آنے والے لوگوں کو دعا میں شامل کرو، اور سارے مؤمنین اور ساری مؤمنات کو شامل کرلیا کرو، نبی کریم ﷺ نے ایک دعا فرمائی جو ”مناجاتِ مقبول“ میں بھی ہے، وہ یہ ہے کہ:

أَيُّمَا عَبْدٍ، أَوْ أَمَةٍ مِنْ أَهْلِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، تَقَبَّلْتَ دَعْوَتَهُمْ وَ اسْتَجَبْتَ دُعَآءَهُمْ، أَنْ تُشْرِكَنَا فِيْ صَالِحِ مَا يَدْعُونَكَ، وَأَنْ تُعَافِيَنَا وَإِيَّاهُمْ. (1)

---

(۱) زهر الفردوس ۲ / ۱۸۹ (۵۳۷) والأمالى الشجرية ۱ / ۲۵۱ وذكره السيوطى فى "جمع الجوامع" ۲/ ۵۳۰ (۶۲۷) وقال: قال فى المغنى: عمرو بن عطية ضعفه الدار قطنى.

اے اللہ! خشکی اور سمندر میں آپ کے کسی بندے نے یا بندی نے دعا کی ہو، اور آپ نے اس کی دعا قبول کی تو ہمیں بھی اس قبولیتِ دعا میں شامل کرلیجئے۔ اور ہم جو دعا کررہے ہیں، اس میں ان سب کو بھی شامل کرلیجئے۔

لہٰذا جو میں اپنے لئے چاہتا ہوں، وہ دوسروں کے لئے بھی چاہتا ہوں، اور جو دعا میں اپنے لئے کروں گا، وہ دوسروں کے لئے بھی کروں گا، اس دعا حضرت نوح علیہ السلام میں ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں۔

## حضرت عارف باللہ کا عجیب عمل

ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب فہم اور عجیب عمل عطا فرمایا تھا، آپ ہمیں ہر عمل کا آسان طریقہ بتادیا کرتے تھے کہ یوں کرلیا کرو۔ ۵ نمازیں ہیں اور چھٹی نماز رات کی ہے یعنی تہجد۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ طے کررکھا ہے کہ کسی نماز میں کسی کے لئے دعا کروں گا، مثلاً پہلی نمازِ فجر ہے، اس میں اپنے لئے، گھر والوں کے لئے دعائیں کروں گا، یعنی اپنی جتنی حاجتیں ہیں اور میرے گھر والوں کی جتنی حاجتیں ہیں اور ظہر کی نماز میں اپنے رشتہ داروں کے لئے دعائیں کروں گا، مثلاً چچا، ماموں، چچازاد، ماموں زاد، خالہ، پھوپھی وغیرہ کے لئے دعائیں کروں گا۔ اور عصر کی نماز میں ان لوگوں کے لئے دعا کروں گا جو میرے پاس علاج کے لئے آتے ہیں، جن کے نام یاد ہیں، ان کے نام لے کر اور جن کے نام یاد نہیں، ان کے لئے عمومی دعا کروں گا کہ یا اللہ! ان کو شفاء کلی عطا فرمادے۔ مغرب کی نماز

میں ان لوگوں کے لئے دعا کروں گا جو میرے پاس اصلاحی تعلق کے لئے آتے ہیں، جن کے نام یاد آگئے تو ان کے لئے نام کے ساتھ، اور جن کے نام یاد نہ آئے تو ان کے لئے عمومی طور پر دعا کروں گا اور عشاء کی نماز میں ان کے لئے دعا کروں گا جو میرے ساتھ خط وکتابت کے ذریعہ تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح اپنی ساری نمازوں کو مختلف انواع کے لوگوں کے لئے دعا کرنے کے لئے خاص کررکھا تھا۔

## پانچوں نمازوں پر لوگوں کو تقسیم کرلو

اگر ہمیں کبھی دوسروں کے لئے دعا کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو اس وقت ہم یہ سوچتے ہیں کہ ارے بھائی! کتنے سارے لوگ ہیں اور کس کس کے لئے دعا کریں؟ رشتہ دار بھی ہیں، دوست بھی ہیں، احباب بھی ہیں، تعلق والے ہیں، اساتذہ ہیں، شاگرد ہیں، سسرالی رشتہ دار ہیں، اگر ایک وقت میں سب کے لئے دعا کرنے بیٹھیں تو گھبرا جائیں گے اور پھر سوچیں گے کہ بس! اپنے لئے ہی دعا کرلوں تو کافی ہے، اور یہاں آکر ہمت جواب دے جاتی ہے، لیکن حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا آسان طریقہ بتادیا کہ اپنے اُوپر زیادہ بوجھ نہ ڈالو، بلکہ لوگوں کو تقسیم کرلو اور مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے لئے دعا کرلیا کرو۔

## دوسروں کے لئے دعا کرنے پر دو نقد ثواب

دوسروں کے لئے دعا کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دو ثواب تو نقد مل جائیں گے، ایک دعا کا ثواب اور دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا ثواب، اور رشتہ دار ہے

تو صلہ رحمی کا بھی ثواب۔ اور اگر تمہاری وہ دعا قبول ہوگئی اور ان شاء اللہ قبول ہوگی، مثلاً آپ نے کسی کے لئے دعا کی کہ یا اللہ! فلاں شخص بے نمازی ہے، اس کو نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمادے، آپ کی دعا قبول ہوگئی، اور وہ شخص نمازی بن گیا، اب زندگی بھر وہ جتنی نمازیں پڑھے گا، اس کا ثواب تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، ان شاء اللہ۔

## بیمار کے لئے دعا کرنے پر تین ثواب

یا مثلاً ایک آدمی بیمار ہے، اب آپ نے اس کے لئے دعا کی کہ یا اللہ! وہ بیمار ہے، اس کو شفاء عطا فرمادے، اس دعا پر دو ثواب تو فوراً نقد آپ کو مل جائیں گے، ایک دعا کرنے کا ثواب، اور دوسرا اس کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا ثواب، تیسرا ثواب یہ ہے کہ اگر آپ کی اس دعا کے نتیجے میں اس کو شفا ہوگئی تو اس کے شفا کا ذریعہ بننے کا ثواب آپ کو ملے گا، اور اس شفا کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ اس کو ان اعمال کی توفیق دے دے جو نیک اعمال وہ پہلے نہیں کیا کرتا تھا، اس لئے کہ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو بیماری سے پہلے غافل ہوتے ہیں، اور بیمار ہونے کی حالت میں اس کو خیال ہوتا ہے کہ پتہ نہیں کہ میں دنیا سے چلا ہی نہ جاؤں، اور میں کیا لے کر جاؤں گا، اس وقت اس کو ''اللہ'' یاد آتا ہے، اس وقت اس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ میرے ''قبر'' میں جانے کا وقت تو نہیں آگیا؟ میں ''قبر'' میں کیا لے کر جاؤں گا، تو بیماری آنے کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

## پروفیسر محمد شمیم مرحوم

ہمارے ایک بہت پیارے دوست تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین پروفیسر محمد شمیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ جب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف القرآن'' اردو میں تالیف فرمائی تو میں اس فکر میں تھا کہ اس کا کسی طرح انگریزی میں ترجمہ ہو جائے اور یہ تفسیر لوگوں کے پاس انگریزی زبان میں پہنچ جائے، اردو کے ایک مشہور ادیب تھے، جو انگریزی کے بھی بہت ماہر تھے؛ پروفیسر محمد حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ، میں نے ان سے درخواست کی، انہوں نے اس کا انگریزی میں ترجمہ شروع کر دیا، ہر ہفتہ ہماری ملاقات ہوتی تھی، وہ جتنا لکھتے تھے، وہ مجھے سناتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ اس آیت پر پہنچے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱)

اس آیت کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا، اور آگے کا کام رک گیا۔

## دونوں دعائیں ملتزم کی مل گئیں

اس کے بعد میں کئی سال تک اس فکر میں رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ مجھے ملے جس سے میں یہ درخواست کروں کہ وہ معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ مکمل کریں، اور وہ اچھا لکھنے والا ہو، میں ایک مرتبہ ''عمرہ'' کے سفر پر گیا ہوا تھا، وہاں پر میں نے ''ملتزم'' پر دعا کی کہ یا اللہ! معارف القرآن کا کوئی اچھا ترجمہ

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت (۱۵۶)

کرنے والا مجھے مل جائے، دعا کر کے میں واپس کراچی آ گیا۔ پروفیسر شمیم صاحب کو میں جانتا ہی نہیں تھا، ان کا فون آیا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ تشریف لے آئیں، چنانچہ وہ میرے پاس آگئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اپنی ایک داستان سنانا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ کیا؟

## بقیہ زندگی قرآنِ کریم کی خدمت میں

کہنے لگے کہ میں سخت بیمار ہوگیا تھا، اور اتنا بیمار ہوگیا تھا کہ بچنے کی کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی، میں الحمد للہ مسلمان تو تھا، لیکن آخرت کی بہت زیادہ فکر نہیں تھی، جب میں بالکل مرنے والا ہوگیا تو میں نے دل میں یہ ارادہ کیا کہ یا اللہ! اگر آپ نے مجھے زندہ رکھا اور میں بیماری سے شفا پا گیا تو اپنی باقی زندگی قرآنِ کریم کی خدمت میں صرف کروں گا۔ اب میں نے کہہ تو دیا کہ ''قرآنِ کریم کی خدمت میں صرف کروں گا'' لیکن کیسے کروں گا؟ اس لئے میں تو عالم نہیں ہوں، تو میں ابھی چند دن پہلے عمرے پر گیا ہوا تھا، وہاں میں نے ''ملتزم'' پر دعا کی یا اللہ! مجھے قرآنِ کریم کی خدمت کا کوئی موقع عطا فرما دیجئے۔ (اب ملتزم کی دونوں دعائیں مل گئیں۔) اس دعا کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ نہیں ہوا، یہ بہت مفید تفسیر ہے، اس کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہئے۔

## آپ کو کہیں سے بھیجا گیا ہے

میں نے ان سے کہا کہ بھائی! آپ خود نہیں آئے، بلکہ آپ کو کہیں سے

بھیجا گیا ہے، اس لئے کہ میں ''ملتزم'' پر یہ دعا کر کے آیا ہوں کہ مجھے کوئی آدمی مل جائے اور آپ یہ دعا کر کے آئے ہیں کہ مجھے قرآنِ کریم کی خدمت کا کوئی کام مل جائے، بس آپ بسم اللہ کیجئے۔ پھر پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف القرآن'' میں یہ لکھا ہے کہ قرآنِ کریم ایسی چیز نہیں جسے ختم کیا جائے، بلکہ قرآنِ کریم میں زندگی ختم کردینی چاہئے، میں نے جس وقت یہ جملہ پڑھا، اس وقت میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ میں اپنی زندگی اس پر ختم کرتا ہوں۔ چنانچہ الحمدللہ! انہوں نے کام شروع کیا۔ سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ سے شروع کیا اور باقی سارے کام چھوڑ دیئے۔ اور مسلسل اسی کام میں لگے رہے، اور ہر ہفتہ میرے پاس آتے تھے، ترجمہ تیار کر کے لاتے اور میں اس پر نظر ثانی کرتا، اس طرح کرتے کرتے جب سورۂ حم سجدہ کی اس آیت پر پہنچے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ (۱)

یعنی جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، ان کو ایسا ثواب ملے گا، کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

تو اس آیت پر ان کا انتقال ہوگیا۔

## حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' تالیف

(۱) سورة فصلت/ حم سجدة: آیت (۸)

فرمارہے تھے تو سورۂ ''حم سجدہ'' پر پہنچے تھے، اسی وقت ان پر دل کا پہلا دورہ پڑا تھا اور اس وقت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت فرمادی تھی کہ اگر میں اس تفسیر کو مکمل نہ کرسکا تو تم اس کو پورا کردینا۔ اسی ''حم سجدہ'' پر پروفیسر محمد شمیم صاحب کی وفات ہوئی۔ بعد میں کسی اور کو تلاش کرکے اس تفسیر کو پورا کرایا۔

## بیماری بھی نعمت بن جاتی ہے

بہرحال! بعض اوقات بیماری انسان کے لئے نعمت بن جاتی ہے، اس لئے کہ بیماری میں اللہ جل شانہ کی یاد بڑھ جاتی ہے، اللہ کے ساتھ تعلق بڑھ جاتا ہے، آخرت کی فکر بڑھ جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں اگر شفا حاصل ہوگئی تو پھر اس زندگی میں نمایاں تبدیلی آتی ہے، اس طرح کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ لہٰذا اگر آپ نے کسی شخص کے لئے شفا کی دعا کی کہ یا اللہ! اس کو صحت دیدے اور اس بیماری کے نتیجے میں اس کو تعلق مع اللہ نصیب ہوگیا اور صحت کے بعد اس کے اعمال بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے تو ان شاء اللہ اس کے اعمال کا ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔ اس لئے دعا میں اپنے ساتھ دوسروں کو ضرور شامل کرلینا چاہئے۔

## اس کے طفیل میری دعا بھی قبول ہوجائے گی

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک اور بات بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب تم اپنی دعا کے ساتھ کسی دوسرے کو شامل کرلوگے تو پتہ نہیں کہ وہ دوسرا اللہ تعالیٰ کی نظر میں کتنا مقبول ہو، کسی آدمی کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں

اس شخص کا درجہ کیا ہے؟ بعض مرتبہ ایک آدمی بالکل سیدھا سادہ ہے اور بظاہر دیکھنے میں معمولی معلوم ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ہم اس کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ ہم اس سے بہت نیچے ہوتے ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے۔

اب اگر تم نے کسی کو اپنی دعا میں شامل کرلیا اور وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے، اس کے لئے تو اللہ تعالیٰ سے ضرور دعا قبول کریں گے، اس کے طفیل تمہارے لئے بھی قبول کرلیں گے۔

## دوسروں کے لئے دعا کرنے میں فائدے ہی فائدے

بہرحال! دوسروں کے لئے دعا کرنے میں فائدے ہی فائدہ ہیں، اور اس دعا کے آخر میں فرمایا کہ:

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

کہ سارے مؤمن بندوں اور ساری مؤمن عورتوں کے لئے
دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ان سب کی مغفرت فرما۔

اب اگر ہم گنتی کرنا چاہیں کہ دنیا میں کتنے مؤمن مرد ہیں اور کتنی مؤمن عورتیں ہیں، ہم نہیں گن سکتے اور جب ہم نے ان سب کے لئے اکٹھی دعا کرلی تو جس جس کے حق میں دعا قبول ہوگی، تو ان شاء اللہ تم بھی اس کے اندر شامل ہوجاؤ گے، لہٰذا دوسروں کے لئے دعا کرنا یہ بڑی عظیم نعمت ہے۔ اور اس کے فوائد چند در چند ہیں، لہٰذا جو حضرت والا نے ترکیب بتائی ہے، اس کو پلے باندھ

لو، اور ہر نماز کے ساتھ ایک نوع متعین کرلو کہ فلاں نماز کے بعد فلاں فلاں لوگوں کے لئے دعا کیا کروں گا، اللہ کے فضل و کرم سے ان شاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا، اور انبیاء کرام کی سنت پر عمل ہوگا، کہ انبیاء کرام صرف اپنے لئے دعا نہیں کرتے، بلکہ دوسروں کے لئے بھی کرتے تھے، آج اگر ہم اس مجلس سے یہی سبق لے کر چلے جائیں کہ ہم پانچوں نمازوں میں دعا کرنے کے لئے ایک نوع متعین کرلیں کہ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے فلاں نماز کے بعد دعا کروں گا تو ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے کتنے انوار اور برکات ہوں گے، اس لئے کہ دعا سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے قرب کا اور نزدیکی کا اور اس کے ساتھ تعلق کا قوی ذریعہ کوئی اور نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

# دعا نمبر ۴۰

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

# فہرستِ مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دُعا

## دعا نمبر ۴۰

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنۡ تَبِعَھُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ اَمَّا بَعۡدُ!

### تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! قرآنی دُعاؤں کی تشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے۔ گذشتہ مجالس میں پیغمبروں کی مانگی ہوئی دُعائیں بیان ہوئیں، حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا، حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا، سارے پیغمبروں نے جس جس طرح مانگا ہے، قرآنِ کریم نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک دُعا حضرت یونس علیہ السلام نے مانگی ہے۔

### حضرت یونس علیہ السلام

آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ حضرت یونس علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں اور وہ اپنی قوم کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کے

فضل وکرم سے انہوں نے دعوت کا فریضہ انجام دیا، لیکن جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا کہ ہم نے جس رسول کو بھی دنیا میں بھیجا تو ان کی قوم نے پہلے ان کو جھٹلایا، کسی نے ان کو جادوگر کہا، کسی نے ان کو مجنون کہا، کسی نے ان کو شاعر کہا، اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کو جھٹلایا اور ان کی بات نہیں مانی۔

## عذاب کے آثار دیکھ کر قوم کا ایمان لانا

جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کی طرف سے تقریباً مایوس ہوگئے تو اس وقت حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ دیکھو! میں تمہارے تمرد اور سرکشی کی وجہ سے بستی چھوڑ کر جارہا ہوں، اب میں یہاں نہیں رہ سکتا، لیکن میں تمہیں باخبر کررہا ہوں کہ میرے نکلنے کے بعد تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا اور اس عذاب کی کچھ نشانیاں بھی بتادیں کہ یہ اس عذاب کی نشانیاں ہیں، اگر تم اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو ڈر جاؤ اور میری اس دعوت کو قبول کرلو، تاکہ تم اس عذاب سے محفوظ رہو۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بستی سے نکلنے تک قوم کا کوئی شخص ایمان نہیں لایا تھا، لیکن جب انہوں نے بستی چھوڑ دی تو عذاب کے آثار نظر آنے لگے، اس وقت ان کو ہوش آیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ہم سے جو بات کہی تھی، اس کے آثار نظر آرہے ہیں تو اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے کفر سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں۔ چنانچہ عذاب کے آثار دیکھ کر پوری قوم بیک دم ایمان لے آئی اور اسلام قبول کرلیا۔

## یہ فیصلہ پیغمبرانہ شان کے خلاف تھا

انبیاء علیہم السلام ہر گناہ و معصیت سے معصوم ہوتے ہیں مگر انسانی فطرت وطبیعت سے جدا نہیں ہوتے، اس وقت یونس علیہ السلام کو طبعی طور پر یہ ملال ہوا کہ میں نے بحکمِ الٰہی اعلان کیا تھا اور اب میں اعلان کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا جاؤں گا، اپنی جگہ واپس جاؤں تو کس منہ سے جاؤں اور قوم کے قانون کے مطابق گردن زدنی بنوں، اس رنج وغم اور پریشانی کے عالم میں اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کر کے چل دیئے، یہاں تک کہ بحرِ روم کے کنارہ پر پہنچ گئے، وہاں ایک کشتی دیکھی جس میں لوگ سوار ہو رہے تھے، یونس علیہ السلام کو ان لوگوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کرلیا، کشتی روانہ ہوکر جب وسطِ دریا میں پہنچ گئی تو دفعتاً ٹھہر گئی، نہ آگے بڑھتی ہے، نہ پیچھے چلتی ہے، کشتی والوں نے منادی کی کہ ہماری اس کشتی کی من جانب اللہ یہی شان ہے کہ جب اس میں کوئی ظالم، گنہگار یا بھاگا ہوا غلام سوار ہوجاتا ہے تو یہ کشتی خود بخود رُک جاتی ہے، اس آدمی کو ظاہر کردینا چاہیے، تاکہ ایک آدمی کی وجہ سے سب پر مصیبت نہ آئے۔

حضرت یونس علیہ السلام بول اُٹھے کہ وہ بھاگا ہوا غلام گنہگار میں ہوں، کیونکہ اپنے شہر سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہونا ایک طبعی خوف کی وجہ سے تھا، باذنِ الٰہی نہ تھا، اس بغیر اذن کے اس طرف آنے کو حضرت یونس علیہ السلام کی پیغمبرانہ شان نے ایک گناہ قرار دیا کہ پیغمبر کی کوئی نقل وحرکت بلا اذن کے نہ ہونی چاہئے تھی، اس لئے فرمایا کہ مجھے دریا میں ڈال دو تو تم سب اس عذاب سے بچ جاؤگے، کشتی والے اس پر تیار نہ ہوئے، بلکہ انہوں نے قرعہ اندازی کی، تاکہ قرعہ میں جس کا نام نکل آئے، اس کو دریا میں ڈال دیا جائے، اتفاقاً قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام

کا نام نکل آیا، ان لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو کئی مرتبہ قرعہ اندازی کی، ہر مرتبہ بحکمِ قضاء وقدر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام آتا رہا، قرآنِ کریم میں اس قرعہ اندازی اور اس میں یونس علیہ السلام کا نام نکلنے کا ذکر موجود ہے:

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ [1]

ترجمہ: پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور قرعہ میں مغلوب ہوئے۔

یونس علیہ السلام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ان کے مخصوص پیغمبرانہ مقام کی وجہ سے تھا کہ اگرچہ انہوں نے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس کو گناہ اور معصیت کہا جاتا ہے اور کسی پیغمبر سے اس کا امکان نہیں، کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، لیکن پیغمبر کے مقامِ بلند کے مناسب نہ تھا کہ محض خوفِ طبعی سے کسی جگہ سے بغیر اذنِ خداوندی منتقل ہوجاویں، اس خلافِ شانِ عمل پر بطورِ عتاب یہ معاملہ کیا گیا۔

اس طرف قرعہ اندازی میں نام نکل کر دریا میں ڈالے جانے کا سامان ہو رہا تھا، دوسری طرف ایک بہت بڑی مچھلی بحکمِ خداوندی کشتی کے قریب منہ پھیلائے ہوئے لگی ہوئی تھی کہ یہ دریا میں آئیں تو ان کو اپنے پیٹ میں جگہ دے، جس کو حقِ تعالیٰ نے پہلے سے حکم دے رکھا تھا کہ یونس علیہ السلام کا جسم جو تیرے پیٹ کے اندر رکھا جائے گا، یہ تیری غذا نہیں، بلکہ ہم نے تیرے پیٹ کو ان کا مسکن بنایا ہے، یونس علیہ السلام دریا میں گئے تو فوراً اس مچھلی نے منہ میں لے لیا۔ حضرت عبداللہ

---

(۱) سورۃ الصٰفّٰت: آیت (۱۴۱)

بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یونس علیہ السلام اس مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز رہے، یہ ان کو زمین کی تہہ تک لے جاتی اور دور دراز کی مسافتوں میں پھراتی رہی، بعض حضرات نے سات، بعض نے پانچ دن اور بعض نے ایک دن کے چند گھنٹے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت بتلائی ہے۔ حقیقتِ حال حق تعالیٰ کو معلوم ہے۔[1]

## ان تاریکیوں میں مانگی جانے والی دُعا

آپ تصور کریں کہ ایک زندہ انسان مچھلی کے پیٹ میں چلا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ قرآنِ کریم نے اس واقعہ کو ذکر فرمایا اور پھر حضرت یونس علیہ السلام کی دُعا نقل فرمائی کہ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام نے کس طرح دُعا فرمائی، فرمایا:

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ[2]

یعنی مچھلی کے پیٹ کی جو اندھیریاں تھیں، آپ اندازہ لگائیں کہ وہاں کیسا اندھیرا ہوگا، مچھلی کا پیٹ ہے، وہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ انسان وہاں پر بیٹھ سکے، لیٹ سکے اور اُوپر سے اندھیرا۔ ہم یہاں بیٹھ کر اس اندھیرے کا تصور نہیں کر سکتے جو کسی جانور کے پیٹ میں ہو۔

## اس دُعا کے ذریعہ یہ سبق ملا

ان ظلمات اور تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ:

---

(۱) التفسیر المظھری ۶/ ۲۲۳

(۲) سورۃ الانبیاء: آیت (۸۷)

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اے پروردگار! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، میں ہی ظلم کرنے والوں میں تھا، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

اس دُعا کے ذریعہ ہمیں یہ سبق سکھادیا کہ جب آدمی کسی مصیبت میں گھر جائے اور خاص طور پر ظلمت میں گھر جائے تو اس وقت وہ یہ سمجھے کہ میرے اللہ نے مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا ہے، بلکہ اپنی حالت کو بیان کرنے سے پہلے آدمی اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے، پہلے یہ کہے کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ'' آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا آپ کا ہر فیصلہ برحق ہے، پھر کہا ''سُبْحٰنَكَ'' آپ ہر عیب سے پاک ہیں، لہٰذا آپ کا کوئی فیصلہ ایسا نہیں ہوسکتا جس پر اُنگلی اُٹھائی جائے۔

## نفس وشیطان کے بہکاوے کا توڑ

یہ نفس اور شیطان جو بعض اوقات انسان کو بہکاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ کہتا ہے کہ کیا میں ہی رہ گیا اس مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے؟ یہ زیادتی میرے ہی ساتھ ہونی تھی، میں ہی اس ظلم کا شکار کیوں ہوا۔ العیاذ باللہ۔؟ تو پہلے ہی سے اس بہکاوے کا سدّباب کردیا کہ آدمی جو اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے، اس مانگنے سے پہلے اس بات کی وضاحت کردے کہ یا اللہ! میرا

عقیدہ یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ برحق ہے، آپ کے کسی فیصلے میں کوئی عیب نہیں، آپ کی ذات بے عیب ہے۔

## میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا

"إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" میں ہی ظلم کرنے والوں میں تھا۔ میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا۔ اس کا اعتراف پروردگار کے سامنے کرنا، یہ بھی دُعا کے عجیب آداب میں سے ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات جب آدمی یہ دُعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میں اس مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں، یا اللہ! مجھے اس مصیبت سے نکال دے تو اس میں ایک پہلو شکوہ کا بھی ہوسکتا ہے کہ۔ العیاذ باللہ۔ آپ نے مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا۔ کسی شکوہ کا پہلو دُعا کے اندر ہوسکتا ہو، اس کا دفع کرنا ضروری ہے، کہ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں، آپ سے کوئی شکوہ نہیں، آپ کا جو فیصلہ ہے، وہ درست ہے، بے عیب ہے اور جو کچھ مجھے تکلیف پہنچی ہے وہ خود میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، اس کی وجہ سے یہ تکلیف پہنچی ہے۔

## نبی اللہ کے فیصلے کے بعد عمل کرتا ہے

حضرت یونس علیہ السلام کی جس چیز پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوئی، وہ کوئی معصیت اور نافرمانی نہیں تھی، لیکن ایک نبی کے شایانِ شان یہ بات نہیں تھی کہ وہ از خود یہ فیصلہ کریں کہ میں اب اپنی بستی کی طرف نہیں جاؤں گا، یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کیا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ ایک نبی میرے حکم اور میرے فیصلے کا انتظار کئے بغیر کہیں چلا جائے۔ اس وجہ سے گرفت

ہوئی، بعد میں حضرت یونس علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو پکارا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

## اس جملے میں دُعا کا کوئی جملہ نہیں ہے

اس جملے کے اندر غور کریں کہ اس پورے جملے میں کوئی جملہ دُعا کا نہیں ہے کہ یا اللہ! مجھے مچھلی کے پیٹ سے نکال دیجئے۔ یا اللہ! مجھے ان اندھیریوں سے نکال دیجئے، بلکہ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل برحق ہے، اس پر کسی شکوہ کی گنجائش نہیں ہے اور میں جس مشکل میں پھنسا ہوں، وہ اپنے کئے کی وجہ سے پھنسا ہوں اور یہ جملہ بھی موجود نہیں ہے کہ یا اللہ! میں پھنس تو گیا ہوں، آپ مجھے نکال دیجئے، مطلب اس کا یہ ہے کہ کس زبان سے کہوں کہ میری یہ مشکل دور کر دیجئے۔

## ہر کام اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اس کائنات میں کوئی کام آپ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا، چاہے وہ کام دیکھنے میں اچھا لگ رہا ہو یا برا لگ رہا ہو، ہمیں وہ کام پسند ہو یا ناپسند ہو۔ اس کام کا کرنے والا ایک ہی ہے، اسی کی مشیت سے کام ہو رہا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ
الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ (۱)

کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نہ صرف علم میں ہے، بلکہ ''کتاب مبین'' میں درج ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تقدیر مقدر فرمائی ہے وہ بھی اس تقدیر کا حصہ ہے اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی چھوٹا سا دانہ بھی، چاہے وہ تر ہو یا خشک ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ''کتابِ مبین'' میں موجود ہے۔

## اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے

اور ''کتابِ مبین'' میں موجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ ایسا ہوگا اور جب وہ عمل سرزد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتا ہے، لہٰذا جب بھی کوئی واقعہ پیش آئے، چاہے وہ ہمیں اچھا لگ رہا ہو یا برا لگ رہا ہو، اگر اچھا لگ رہا ہو تو کہو: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' یعنی یہ اچھی بات جو ہوئی ہے یا اچھا واقعہ جو پیش آیا ہے یا یہ خوشی جو نصیب ہوئی ہے، یہ کس کی طرف سے ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یا کوئی تکلیف یا رنج پیش آیا ہے، کوئی صدمہ آیا ہے تو وہ کس کی طرف سے آیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا کہو: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ''

---

(۱) سورۃ الانعام: آیت (۵۹)

## یہ کلمہ بڑا تسلی کا کلمہ ہے

لہٰذا یہ کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' بہت بڑا تسلی کا کلمہ ہے کہ جو چیز مجھے بری لگ رہی ہے، جس سے میں پریشان ہو رہا ہوں، جس سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے میں تشویش میں مبتلا ہوں، یہ سب کچھ ایسے ہی خود بخود نہیں ہو گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوا ہے، اس کی مشیت سے ہوا ہے، اور اس کی مشیت سے ہونے کی بناء پر اس کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمیں جب تکلیف پہنچتی ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ''اتفاق سے ایسا ہو گیا'' میں جا رہا تھا، اتفاق سے میرا پاؤں پھسل گیا اور اتفاق سے میری ہڈی ٹوٹ گئی، یاد رکھئے! دنیا میں ''اتفاقات'' کوئی چیز نہیں ہوتی اور کوئی کام اتفاق سے نہیں ہوتا، جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق، سوچا سمجھا واقعہ ہے، ایسا نہیں کہ بخت واتفاق سے ہو گیا ہو، بلکہ اللہ جل شانہ کے نظام مشیت کا ایک لازمی حصہ تھا، لہٰذا اسے ہونا ہی تھا، تم ہزار تدبیریں کرتے، تم ہزار اس سے بچنے کی کوشش کرتے، لیکن یہ ہونا ہی تھا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ''۔

## میں آپ کے فیصلے پر راضی ہوں

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں سب سے پہلا جملہ جو کہا، وہ یہی تھا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ''۔ اس کے ذریعہ انہوں نے یہ بتا دیا کہ میں جو مچھلی کے پیٹ میں گیا اور تاریکیوں کے اندر مبتلا ہوا، اے اللہ! سب سے پہلے تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ یہ سب آپ کی مشیت سے ہوا ہے، اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں اور میں آپ کا یہ فیصلہ منظور کرتا ہوں۔ منظور کرنے کے معنی یہ ہیں

کہ میں اس فیصلے پر راضی رہتا ہوں، مجھے اس پر کوئی شکوہ نہیں ہے کہ آپ نے مجھے مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا۔ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"۔ یہ سارا واقعہ آپ کی مشیت اور ارادے سے ہوا ہے۔

## یہ تکلیف آپ کے ذریعہ جائے گی

ہمارے حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ جو کچھ ہوا، وہ آپ کی مشیت سے ہوا، محض اتفاق نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ تکلیف تو پہنچ گئی، یہ صدمہ اور پریشانی تو آ گئی، لیکن اب اس تکلیف سے، پریشانی سے کیسے نکلیں؟ اس لئے دوبارہ یہی کہو: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" یعنی یہ تکلیف اور پریشانی آئی بھی آپ کی طرف سے ہے اور جائے گی بھی آپ ہی کی طرف سے۔ لہٰذا پہلی مرتبہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" یہ سوچ کر کہو کہ یہ جو کچھ ہوا، وہ آپ کے ارادے اور آپ کی مشیت سے ہوا، آپ کی تقدیر سے ہوا اور پھر دوسری مرتبہ کہو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" یہ سوچ کر کہ یہ بیماری کیسے جائے گی؟ اور یہ تکلیف اور پریشانی کیسے دور ہوگی؟ اس کا بھی آپ کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ (1)

آپ نے تقدیر میں جو کچھ فیصلہ فرمایا ہے، اس سے کوئی پناہ کی جگہ نہیں، نہ اس سے نجات کی کوئی جگہ ہے، مگر آپ ہی کے پاس ہے۔

(۱) صحیح البخاری ۸ / ۶۸ (۶۳۱۱)

## ایک نادان بچے سے سبق لے لو

میرے بھائی جناب ولی رازی صاحب ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ حیات طیبہ عطا فرمائے۔آمین۔انہوں نے ایک مضمون میں بڑی حکمت کی بات لکھی تھی، وہ یہ کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میرے پوتے کو اس کی ماں کسی بات پر مار رہی ہے، اب بجائے اس کے کہ وہ بچہ وہاں سے دور بھاگے، بلکہ وہ اُلٹا ماں ہی سے لپٹ رہا ہے، اس لئے کہ اگر ایک شخص کسی کی پٹائی کرے تو وہ وہاں سے دور بھاگے گا، لیکن وہ بچہ ماں کے پاس سے بھاگ نہیں رہا ہے، بلکہ ماں ہی سے لپٹ رہا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ بچہ جانتا ہے کہ میری ماں مجھے مار تو رہی ہے اور مجھے اس کی مار سے بچانے کا بھی میرے پاس اس کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے، اگر مجھے کوئی اور مارتا تو میں اسی کے پاس جاتا اور یہ مار رہی ہے تو اس سے بچنے کا سہارا سوائے اس کی آغوش کے اور اس کی گود میں جانے کے اور اس سے لپٹنے کے کوئی اور نہیں ہے، فرمایا کہ اس وقت مجھے یہ کلمات یاد آ گئے کہ:

لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ

یعنی بندے کو اپنے اللہ کے ساتھ کم از کم اتنا تعلق تو ہونا چاہئے جیسا بچے کو اپنی ماں سے تعلق ہوتا ہے کہ وہ مار بھی رہی ہے اور بچہ اسی سے لپٹا جا رہا ہے۔

## اللہ تعالیٰ ماں سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں

اور جب تم اللہ تعالیٰ ہی سے لپٹ پڑے تو جیسے بچہ ماں ہی سے جب لپٹ

پڑے گا تو ماں کی ممتا کو جوش آئے گا کہ یہ بچہ تو مجھ سے ہی لپٹ رہا ہے، لہٰذا وہ ماں اس کو پیار کرے گی اور اس کے دکھ درد کو دور بھی کرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تو ماں سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر شفیق اور مہربان ہیں اور جب بندہ انہی کی طرف رجوع کرے گا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رحمت کا معاملہ نہ فرمائیں۔

## اس میں یہ دونوں معنیٰ پوشیدہ ہیں

بہر حال! حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ جو کہا کہ: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا أَنْتَ'' اس میں بھی دونوں معنیٰ پوشیدہ ہیں، اگر کوئی اور ہوتا تو وہ یوں دُعا کرتا کہ یا اللہ! میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں، مجھے اس مصیبت سے نکال دے۔ لیکن پیغمبر دُعا مانگنے کے بجائے یہ کہہ رہے ہیں کہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا أَنْتَ'' یا اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ کے سوا اس صورت حال سے نکالنے والا بھی کوئی نہیں۔

## آپ کا فیصلہ مبنی بر انصاف ہے

اس کے بعد فرمایا ''سُبْحٰنَکَ'' اُردو بیچاری تنگ دامن زبان ہے، اس لفظ کا صحیح ترجمہ کہاں کرسکتی ہے۔ لیکن اس کا ترجمہ اُردو میں یہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو پاک ہے، میں آپ کی تسبیح کرتا ہوں، یعنی آپ کے بارے میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ آپ کی ذات بے عیب ہے، یعنی آپ نے مجھے مچھلی کے پیٹ میں بھیجا، اور اس گھٹن میں مبتلا فرمایا، یہ آپ کے کسی عیب کی وجہ سے نہیں کہ آپ کو مجھ سے دشمنی ہو یا آپ میرا برا چاہتے ہوں، میری بدخواہی چاہتے ہوں، آپ کی ذات تو بے عیب ہے، لہٰذا آپ نے جو کیا وہ عین مبنی بر انصاف ہے۔

## حقیقت میں غلطی مجھ سے ہوئی

پھر آگے فرمایا" إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" حقیقت میں تو میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔ حقیقت میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھ سے ہی زیادتی ہوئی ہے اور اس زیادتی کا نتیجہ میں بھگت رہا ہوں، لہٰذا میں آپ کے اس فعل پر راضی بھی ہوں کہ آپ نے جو کچھ کیا، برحق کیا، درست کیا، کرنے والے آپ ہی ہیں، آپ سے اس فعل پر کوئی گلہ اور شکوہ بھی نہیں، اس لئے کہ آپ کی ذات بے عیب ہے۔ ہاں! درحقیقت غلطی میری ہی تھی، لہٰذا کوئی شکوہ نہیں اور جب آپ نے ہی کیا ہے تو آپ ہی اس کو دور کریں گے" لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ"۔

## اسمِ اعظم

لہٰذا یہ جملہ معمولی جملہ نہیں ہے اور بعض حضرات نے اس کو "اسمِ اعظم" قرار دیا ہے کہ" لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" یہ اسم اعظم ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جب بھی انسان کو کوئی مشکل پیش آئے، کوئی تکلیف پہنچے، کوئی صدمہ آئے تو بندہ کو یہ پڑھتے رہنا چاہئے اور یہ سمجھ کر پڑھو کہ کرنے والا بھی وہی ہے اور بچانے والا بھی وہی ہے اور اس کی کوئی غلطی نہیں ہے، غلطی میری ہے، جب تم یہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور تمہیں اس تکلیف سے نکال دے گی۔

## بزرگانِ دین کا معمول

اس لئے بزرگانِ دین کا یہ معمول رہا ہے کہ ایسے موقع پر" لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ

سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ“ کی بہت کثرت کی جاتی ہے اور ہمارے بزرگوں کا یہ معمول بھی رہا ہے کہ جب کوئی عمومی بلا اُمت پر مسلط ہوجائے تو اس آیتِ کریمہ کو سوا لاکھ مرتبہ پڑھتے ہیں، آج کل مسلمان بے شمار پریشانیوں میں مبتلا ہیں، ہندوستان میں، کشمیر میں، یمن میں، فلسطین میں، شام میں، مصر میں اور اب یہ ایک نئی وبا آگئی ہے، لہٰذا یہ کثرت سے پڑھو ”لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ“ اے اللہ! آپ کے سوا کوئی نہیں ہے جو یہ لایا ہو اور آپ سے ہمیں کوئی شکوہ نہیں ہے، آپ کی کوئی غلطی نہیں، غلطی ہماری ہے، یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے، ہم اپنی شامتِ اعمال کا بھگتان بھگت رہے ہیں۔

## آیتِ کریمہ کے ختم کا اہتمام

پھر دوبارہ کہو ”لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ“ آپ کے سوا کوئی بھی اس مشکل سے نجات دینے والا نہیں ہے۔آج کل خاص طور پر گھروں میں اس آیتِ کریمہ کے ختم کا اہتمام کرنا چاہئے۔ مجھے یاد ہے، میں بہت چھوٹا تھا، دیوبند ہندوستان میں جب اس طرح کی بلائیں آتی تھیں تو گھر گھر آیتِ کریمہ کا ختم ہوتا تھا، آج کل بھی ہم اس کے حاجت مند ہیں، سوا لاکھ مرتبہ پڑھنے کے لئے ایک ہی مجلس میں ختم کرنا ضروری نہیں، بلکہ صرف ایک گھر کے لوگ بھی روزانہ تھوڑا تھوڑا پڑھ لیا کریں، 5 / ہزار مرتبہ مثلاً اور سوا لاکھ کی تعداد پوری کرلیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے بہترین نسخہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## سینماؤں کا مجموعہ جیب کے اندر

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات اور ارشاد فرمائی تھی کہ یہ سب ذکر جسمانی تکلیفوں کا ہے، مثلاً کوئی بیماری آ گئی، کوئی وبا آ گئی، کوئی دشمن چڑھ آیا وغیرہ۔ اس موقع پر آیتِ کریمہ کا ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ جس طرح جسمانی مصیبتیں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے لائق ہیں، اسی طرح روحانی مصیبتیں بھی پناہ مانگنے کے لائق ہیں، مثلاً فسق و فجور کا بازار گرم ہے، گھر سے باہر نکلتے ہیں تو نگاہوں کو پناہ نہیں ملتی، بدنگاہی میں انسان مبتلا ہے، پہلے زمانے میں یہ چیزیں دیکھنے کے لئے ''سینما ہال'' جانا پڑتا تھا، اب ''سینما ہال'' جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اب تو ایک سینما نہیں، بلکہ سینماؤں کا مجموعہ جیب میں پڑا ہوا ہے، آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی۔

## اس شخص کے لئے موبائل رکھنا جائز نہیں

اگر خبریں دیکھنے کے لئے موبائل کھولو تو اس میں بھی نگاہ بھٹکنے کے ہزار راستے موجود ہیں۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جس شخص کو اپنے اُوپر بھروسہ نہ ہو، اس کے لئے ایسا موبائل رکھنا ناجائز ہے جس میں فحاشی اور عریانی کا احتمال موجود ہو اور ہم اسی ماحول کے اندر رہ رہے ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ فسق و فجور کا ماحول، یہ گناہوں کا، منکرات کا، معصیتوں کا ماحول، یہ بھی ظلمات ہیں، یہ بھی تاریکیاں ہیں، یہ بھی اندھیرے ہیں جو چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

## اور ہم نے نجات دیدی

آج سے پہلے کبھی یہ تصور نہیں ہوسکتا تھا کہ عورتیں سڑکوں پر علی الاعلان یہ کہیں گی کہ ''ہم آوارہ ہیں''، ''ہم بدچلن ہیں''، ''میں آوارہ ہوں''، ''میں بدچلن ہوں۔'' لیکن آج ایسا ہورہا ہے۔ بہر حال! آج کل کا سارا ماحول گناہوں سے لت پت ہے، اس ماحول میں گناہوں کی اور منکرات کی تاریکیاں بکھری ہوئی ہیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں یہ پکارا تھا کہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

تو اگلی آیت میں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ

کہ ہم نے بالآخران کی اس پکار کو قبول کرلیا اور ان کو اس کے نتیجے میں اس گھٹن سے نجات دیدی۔

پھر آگے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (۱)

جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے رہیں گے۔

''نُنْجِیْ'' مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں زمانوں کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں اور

---

(۱) سورۃ الفصلت: آیت (۸)

اسی طرح ہم مؤمنوں کو نجات دیتے رہیں گے۔“ یہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے وعدہ کرلیا کہ اگر تم بھی ایسی بلا میں مبتلا ہو اور ہمیں پکارو تو ہم تمہیں بھی گھٹن سے نجات دیدیں گے۔

## تم بھی ظلمت میں گھِر جاؤ تو ہمیں پکارو

یہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمادیا کہ ”ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے رہیں گے۔“ کیا ہر مؤمن مچھلی کے پیٹ میں جائے گا اور وہاں پر ان کلمات سے پکارے گا تو اللہ تعالیٰ نجات دیدیں گے؟ کیا یہ مطلب ہے اس آیت کا؟ ارے وہ تو ایک واقعہ تھا کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وہاں سے نکال دیا، لہٰذا یہ جو کہا جارہا ہے کہ ہم مؤمنوں کو نجات دیں گے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے مؤمنو! تم کبھی کسی ظلمت میں گھِر جاؤ، چاہے حقیقی ظلمت میں گھِر جاؤ یا گناہوں کی اور فسق وفجور کی ظلمت میں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ظلمت میں، کفر کی ظلمت میں، شرک کی ظلمت میں، بدعات کی ظلمت میں گھِر جاؤ، اس وقت ہمیں پکارو کہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اس کے نتیجے میں ہم تمہیں بھی گھٹن سے نجات دیدیں گے۔

## گھٹن سے نجات کے دو طریقے

اب گھٹن سے نجات دینے کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ ظلمات کا سارا ماحول ختم ہوجائے، جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے لئے ہوا کہ ان کو ایسی

نجات دی کہ وہ ان اندھیروں سے باہر نکل آئے اور نئے سرے سے پرورش شروع ہوگئی اور ان کو گھٹن سے نجات مل گئی۔ اور دوسرا طریقہ گھٹن سے نجات دینے کا یہ ہے کہ وہ ظلمتیں تو برقرار رہیں، وہ اندھیرے موجود رہے، لیکن تم جس گھٹن میں مبتلا تھے، اللہ نے تمہیں اس گھٹن سے نجات دیدی۔ لہٰذا یہ جو فرمایا کہ ''ہم مؤمنوں کو نجادت دیں گے'' کس چیز سے نجات دیں گے؟ گھٹن سے نجات دیں گے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ساری ظلمات ختم کردیں اور ختم کرکے نجات دیدیں، بلکہ وہ ظلمتیں تو اپنی جگہ برقرار رہیں، اس لئے کہ وہ ظلمتیں تو ہماری مشیت سے پیدا ہوئی ہیں، وہ ظلمتیں تو ہم نے آزمائش کے لئے پیدا کی ہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ ظلمتیں تو اپنی جگہ برقرار رہیں، لیکن تم کو ان ظلمتوں سے نجات دیدی کہ تم پر ان ظلمتوں کا اثر نہ پڑے اور تمہیں جو گھٹن ان ظلمتوں کی وجہ سے ہورہی ہے وہ گھٹن زائل ہوجائے۔

## تمہیں توبہ کی توفیق ہوجائیگی

لہٰذا جب تم گناہوں میں گھِرے ہوئے ہو، گناہوں کی تاریکیوں میں گھِرے ہوئے ہو، اس وقت جب تم ہمیں پکاروگے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ فسق اور فجور کا سارا ماحول ہی ختم ہوجائے، بلکہ یہ ہوگا کہ ہم تمہیں اس گھٹن سے نجات دیں گے، کیا معنیٰ؟ معنیٰ یہ ہیں کہ تمہارے دل میں اپنا خیال پیدا کردیں گے، اپنا تقویٰ پیدا کردیں گے اور اپنے خاص فضل وکرم سے تمہیں ان ظلمات کے اثر سے بچادیں گے اور اگر کبھی تم مبتلا ہوبھی گئے تو ان شاء اللہ تمہیں رجوع الی اللہ کی توفیق ہوگی، اور تمہیں توبہ اور استغفار کی توفیق ہوگی اور توبہ اور استغفار کے نتیجے میں تم ہمارے اور قریب آجاؤگے۔

## ہمیں پکارو، ہم نجات دیں گے

اس لئے جب کبھی انسان یہ محسوس کرے کہ میں غلط اور خراب ماحول کے نرغے میں ہوں، اور میں اپنے آپ کو بچا نہیں پا رہا ہوں تو اس وقت کہو:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

تو ان شاء اللہ تمہیں ماحول کی ان تاریکیوں سے نجات مل کر رہے گی، یہ نہیں ہوسکتا کہ نجات نہ ملے۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں؟ جب ہم مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو غیبت ہوجاتی ہے، زبان سے کوئی نہ کوئی جملہ غیبت کا نکل جاتا ہے اور جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو ایسے مناظر سامنے ہیں کہ آنکھ بہک ہی جاتی ہے۔ بھائی! اگر یہ رونا روتے رہو گے تو اس سے کچھ نہیں ہوگا، لیکن جب تم یہ محسوس کر رہے ہو کہ ہم سے اس گناہ سے نہیں بچا جا رہا ہے تو اس ذات کو پکارو، جس ذات نے یہ ماحول پیدا کیا، انہی تاریکیوں اور ظلمات میں اس ذات کو پکارو اور کہو: یا اللہ! میں کیا کروں؟ میں ایسے ماحول میں گھرا ہوا ہوں، چاروں طرف فتنے ہی فتنے ہیں، کہیں بھی نگاہ کو پناہ نہیں ملتی، اے اللہ! مجھے اس ماحول میں بچا لیجئے اور کہیے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان ظلمات میں سے اس طرح نکال لیں گے جیسے آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔

## شیطان کا کید کمزور ہے

اور اس طرح نکالیں گے کہ اوّل تو تمہارے دل میں ہمت اور طاقت پیدا کریں گے کہ تم اس ماحول میں زبردستی اپنا دفاع کرسکو اور شیطان اور نفس تمہیں بہکا رہے تھے، لیکن جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ڈٹ جاؤ گے تو پھر وہ شیطان اور نفس تمہیں کمزور نظر آئیں گے اور ''إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا'' [1] کا مظاہرہ ہوگا کہ شیطان کا کید کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اس سبق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## دوبارہ استغفار کرو، دوبارہ توبہ کرو

وہ سبق یہ مل رہا ہے کہ ہم ہر وقت یہ جو ماحول کے خراب ہونے کا شکوہ کرتے رہتے ہیں، یہ شکوہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے بجائے کرنے کا جو کام ہے، وہ یہ ہے کہ ''رجوع الی اللہ'' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور کہو'' لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں بچالیں گے۔ اور اگر بالفرض ان سب تدبیروں کے باوجود کسی وقت لغزش ہوجائے تو اس کا راستہ بھی ''رجوع الی اللہ'' ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! میں پھر پھسل گیا، مجھ سے پھر غلطی ہوگئی، دوبارہ استغفار کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، جب یہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی غفاری کا اور اپنی ستاری کا موردِ بنائیں گے۔ ساری زندگی یہی کرتے رہو، ان شاء اللہ، تمہاری قبر کی منزل آسان ہوجائے گی۔ لہٰذا جب

---

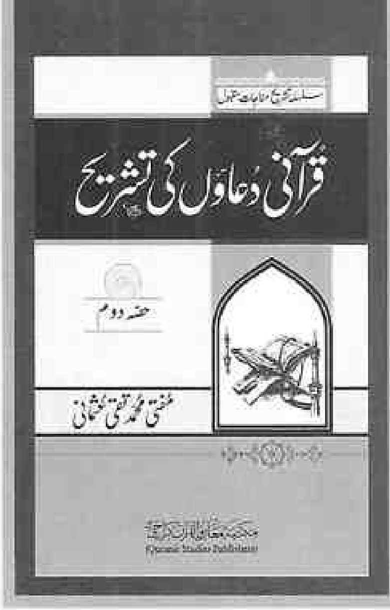
(۱) سورۃ النساء: آیت (۷٦)

کبھی غلطی ہوجائے، پھر پکارو، جب گناہوں میں گھر جاؤ، پھر پکارو، مالک کو پکارتے ہی رہو اور کہو:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اور اس کے ذریعہ ہر وقت تمہارا رشتہ تمہارے خالق اور مالک سے جڑا رہے، پھر دیکھو گے کہ زندگی کے اندر انقلاب آجائے گا اور تم کہاں سے کہاں پہنچ جاؤ گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ




## اس کتاب کے بارے میں۔۔۔

میرا مالک دعا کو بہت پسند کرتا ہے۔۔۔ اور ہمیں دعا کرنی بھی نہیں آتی، اس لئے دعا کرنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی اللہ تعالی سے مانگنا چاہیے۔ اور ہمیں اس کی بھی تمیز نہیں کہ کیا چیز مانگیں اور کیا چیز نہ مانگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے کہ آپ نے ہمیں دعا کرنا سکھا دیا۔۔۔ ان دعاؤں میں دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں مضمر ہیں، یہ دعائیں ایک پیغمبر ہی مانگ سکتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے وحی کے ذریعہ وہ دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی ہیں۔۔۔ ہمارے یہاں دعاؤں کے مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہوتے ہیں، جیسے الحزب الاعظم ہے۔ ان میں سب سے زیادہ جامع مجموعہ الحصن الحصین ہے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا مرتب کردہ مجموعہ مناجات مقبول کے نام سے مشہور ہے۔۔۔۔ یہ انہی قرآنی دعاؤں کی تشریح پر مشتمل ہے۔

قرآنی دعاؤں کی تشریح کامل
جلدیں 2

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)